عشق کی عمر ائیگاں

چلو تم کو بتاتے ہیں

خواب ساتھ رہنے دو
اِک عمر کی خلش
سبز رُتوں کے لئے

سعدیہ عزیز آفریدی

عشق کی عمر رائیگاں

سعدیہ عزیز آفریدی

علم و عرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ، 40۔ اُردو بازار، لاہور
فون 37352332-37232336

نام کتاب	....	عشق کی عمر رائیگاں
مصنفہ	....	سعدیہ عزیز آفریدی
ناشر	....	گل فراز احمد
		علم و عرفان پبلشرز، لاہور
مطبع	....	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
پروف ریڈنگ	....	محمد زاہد ملک
کمپوزنگ	....	کلیم، انیس
سن اشاعت	....	جولائی 2011ء
قیمت	....	-/400روپے

......ملنے کے پتے......

ویلکم بک پورٹ	خزینہ علم و ادب
اُردو بازار، کراچی	الکریم مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
اشرف بک ایجنسی	کتاب گھر
اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی	اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی

ادارہ علم و عرفان پبلشرز کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرمادیں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائیگا۔ (ناشر)

انتساب!

اپنے بہت پیارے بھائی

عبدالقدیر کے نام

جو محبت کو لفظوں کا کھیل نہیں سمجھتے

بلکہ محبت کو عملی طور پر جیتے ہیں

جن کی وجہ سے باپ کے سائے سے محرومی

کا دکھ احساسِ تحفظ میں گم ہو گیا

میری دعا ہے اس محبت اس چھتنار درخت پر

ہمیشہ بہار رہے۔

آمین!

پیش لفظ

کسی دانا کا قول ہے زندہ رہنا صرف سانس لینا نہیں بلکہ "میں سوچتا ہوں اس لئے زندہ ہوں" یہ اصل جہد ہے زندگی جینے کی، مگر اپنے اردگرد نظر دوڑاتی ہوں تو زیادہ تر لوگ صرف سانس لینے کو زندگی کہتے ہیں۔ سمجھتے ہیں اور مجھے انہیں بہت سارے لوگوں کے درمیان ہی اپنی سوچ کے زاویئے پرکھنے ہیں اُن کے سامنے اپنی سوچ کو مجسم شکل میں رکھنا ہے، بہت سے ریڈرز کا خیال ہے مَیں مشکل لکھتی ہوں مگر مَیں کہتی ہوں آپ زندگی کو آسان کیوں سمجھتے ہیں زندگی بھی بے حد مشکل ہے زندگی کو بھی سمجھنے کے لئے ہمیں دھیان کے زاویئے اُسی طرح سے ترتیب دینے پڑتے ہیں جس طرح وہ ہمارے سامنے جگ ساپزل کے ٹکڑے سمیٹ لاتی ہے میری تحریروں کو ہر وہ شخص سمجھ سکتا ہے جس کے دل کو محبت نے بادِ بہاری کی طرح چھُوا ہو محبت جوان کبھی بن آ کر آج بھی اُسی طرح تروتازہ ہے جس طرح ہزاروں سال پہلے تھی اور یہی تروتازگی ہے جو میرا قلم اسے لکھتے ہوئے آج بھی مسکراتا ہے یہ محبت جو ماں کا وجود تخلیق کرتی ہے جو بہن بھائی کے درمیان اس ریشمی ڈور کو سلیقے سے سنبھالتی ہے کبھی اسے الجھنے نہیں دیتی جو روشنی کا رنگ سنہرا کرتی ہے جو محبوب کے سانچے میں خدا تک جانے کی سیڑھیاں استوار کرتی ہے جو زندگی جینا سکھاتی ہے "عشق کی عمر رائیگاں" میں ہر تحریر اُن ہی رشتوں کو سمیٹنا سلجھانا سکھا رہی ہے جو ہمیں آج بھی تنہائی میں دوسراہٹ کا لمس بخش کر ہمیں مایوس ہونے نہیں دیتے مایوسی جو کامیابی کے راستے کا پتھر ہے مایوسی جو انسان کو اپنے سے دور کرتی ہے اور مایوسی جو زندہ جسموں کو مردہ دل خیرات کرتی ہے میرا قلم اسی مایوسی کی خاموشی کو زندگی کی چہچہاہٹوں میں بدلنے کے لئے مصروفِ عمل ہے اور اُس وقت تک مصروفِ عمل رہے گا جب تک آپ کے دلوں میں محبت کی محبت باقی ہے یعنی ہمیشہ سے ہمارے دلوں سے محبت کا رشتہ وہی ہے جو دعا کے اثر سے ہے، کبھی کبھی ہمیں لگتا ہے بس دعا بے اثر گئی مگر آگے چل کر وہی دعا زیادہ بہتر انعام کی صورت میں زندگی کو خوبصورت بنا دیتی ہے تب دل مانتا ہے ہمیں بے شک مانگنے کا سلیقہ نہیں مگر اُس ربِ کعبہ کو ہمیں دینے اور دیتے رہنے کا کمال حاصل ہے۔

کیوں آپ کا کیا خیال ہے اس بارے میں؟

آخر میں، میں علم و عرفان پبلشرز خاص طور پر جناب گُل فراز احمد صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جنھوں نے میری گذشتہ کُتب کی طرح اس کتاب کی بھی انتہائی خوبصورت اور معیاری انداز میں اشاعت کا اہتمام کیا ہے۔

بہت ساری دعاؤں کی متمنی

آپ کی بہن

سعدیہ عزیز آفریدی

عشق کی عمر رائیگاں

اس برس بھی آسمان سے کئی تارے ٹوٹے تھے لیکن گماں نہیں تھا کہ ان ستاروں کے جھرمٹ سے اتنا خوش جمال اور زندہ دل ستارہ بھی روشنی کی ایک لکیر بناتا موت کی وادی میں کہیں کھو جائے گا ایسے کہ پھر میں چاہوں بھی تو نہیں دیکھ سکوں گا۔

وہ خوش جمال شخص جس سے میرے ایک نہیں کئی رشتے تھے وہ میرا دوست تھا۔ہم دم وہمراز تھا زندگی کا بہترین پارٹنر تھا اور وہ میرے عزیز از جان چاچو بھی تو تھے میری اور ان کی عمر میں صرف ایک سال کا ہی تو فرق تھا سو وہ میرے لیے بالکل دوستوں کی طرح تھے ان کا حوالہ میں تھا اور میری شہرت وہ، شاید نہیں ان کی اپنی شہرت تھی کہ میں بالکل کہیں دب کر رہ جاتا تھا مگر کبھی مجھے احساس کمتری نہیں ہوا۔

اور امی جان سدا چاچو سے اس بات پر لڑتی جھگڑتی رہتیں ان کا خیال تھا کہ چاچو نے مجھے بگاڑ دیا ہے اور میرا خیال تھا چاچو نے مجھے سنوار دیا ہے امی اور بابا جتنے سیدھے تھے میرے ایک چاچو ہی تو تھے جو گھر میں سب سے زیادہ چالاک مشہور تھے لوگ اس چالاک کو ہمیشہ غلط معنوں میں استعمال کرتے تھے خود میرے دادو اور دوسرے چچا اور بابا بھی یہی معنی لیتے لیکن میں جانتا تھا وہ کتنے ذہین ہیں وہ بابا سے اختلاف کی بنا پر الگ فلیٹ میں رہنے لگے تھے لیکن وہاں سے بھی وہ ہم سب پر چیک رکھتے کس نے کتنے بجے کیا کیا؟ کون آیا کون گیا؟ میں ان کے پاس جاتا تو مجھے ساری تفصیل کھڑے کھڑے مل جاتی اور گھر والے کہتے تم ''مصائب حسین'' کے جاسوس ہو اور مجھے کبھی اس بات پر شرمندگی نہیں ہوئی پتا نہیں مجھے کیوں لگتا تھا جیسے چاچو کا کوئی بھی حوالہ میرے لیے سوائے تعظیم کے کچھ نہیں اور چاچو تھے کہ میرے اس خیال پر ہمیشہ ہنستے رہتے۔

''تم عمار ضمیر حسین تم ایک نیا عذاب ہو بابا کے جنت نما گھر کا، ہر جنت میں ایک شیطان کہیں نہ کہیں سے ضرور داخل ہونے کی سعی کرتا ہے اور تم وہی شیطان ہو۔''

میں کچھ نہیں کہتا تو وہ میرے سر ہو جاتے۔

''عمار پلیز میری کاپی مت بنو میں نے بڑے دکھ جھیلے ہیں اس مختلف خو سے، بڑے عذاب بڑی شہرتیں پائی ہیں ساری عمر میں نے غلطیاں کی ہیں اب فار گاڈ سیک تم تو انہیں مت دوہراؤ۔''

''کیوں چاچو کیا کیا ہے آپ نے، اتنی ڈیشنگ پرسنالٹی اور اتنی کامیاب زندگی کے مالک ہو کر بھی آپ ناآسودہ کیوں رہتے ہیں؟''

''صرف اس لیے کہ یہ میری کامیابی میرے غلط فیصلوں غلط روش پر قائم ہے تمہیں کیا پتا اس شہر میں ڈھونڈنے سے بھی ایک شخص ایسا نہیں ملے گا جو میرے لیے دل میں نرم گوشہ رکھے تمہیں پتا ہے عمار پورے شہر میں صرف تم ہو گے جو مجھے روؤ گے شاید میرے بابا کو بھی میرے مرنے کا غم نہیں ہوگا۔''

وہ لمحہ بھر کو رکے پھر گہری سانس کھینچ کر بولے۔

''تمہیں میں کیا بتاؤں عمار میں کیا تھا کیا بننا چاہتا تھا اور بابا نے مجھے کہاں سے کہاں پہنچا دیا لیکن تمہارے لیے حالات بہت مختلف ہیں۔ تمہارے پاس تمہارے بابا کی نیک شہرت ہے تمہارے چچا ایک ایماندار سی ایس پی آفیسر ہیں تمہارے منجھلے چاچو بھی اچھی وکالت کر لیتے ہیں۔ان سب کی کامیاب زندگی نیک نامی کو اپنا زادِ راہ بناؤ مجھے بھول جاؤ جیسے...... جیسے......'' وہ کہہ نہیں پائے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے پتا نہیں ان دنوں چاچو کی آنکھیں اتنی جلدی لبریز کیوں ہو جاتی تھیں۔ میں سوچتا رہ گیا پھر سی ایس ایس کا امتحان کلیئر کر کے میں ٹریننگ کے لیے اکیڈمی چلا گیا بابا کے خطوط ہر ہفتے ملتے دادو مجھے ہر تیسرے دن فون کرتے امی اور دونوں چچیاں میرے کزنز سب ہی سے بات ہوتی مگر مجھے لگتا جیسے یہاں آنے کے بعد چاچو دانستہ مجھے نظر انداز کر رہے تھے۔ گھر کا کوئی فرد ان کا نام ہی نہیں لیتا تھا اور وہ میرا نام بھول گئے تھے جو اذیت انہیں تھی ویسی مجھے بھی، سو میں نے انتظار کے بعد انہیں فون کھڑکا دیا خلاف توقع وہ بہت اخلاق سے گفتگو کرنے لگے میری ٹریننگ کے متعلق سارے گھر کے متعلق پوچھتے رہے میں نے ان کے لہجے میں تنہائی کا جاں گسل احساس پایا تو ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''آپ کو کوئی پرابلم ہے چاچو؟''

وہ جھٹ سے ہنسنے لگے لیکن آج ان کے قہقہے میں دم نہیں تھا یوں لگتا تھا جیسے سینے سے ہونٹوں تک آتے آتے قہقہہ بھی تھک جاتا تھا ان کی طرح۔

''چاچو کیا بات ہے آپ ٹھیک نہیں لگ رہے؟''

''ہاں بس ویسے ہی یار عمار آج کل میں بہت جلد تھکنے لگا ہوں پتا نہیں کیوں مگر مجھے لگتا ہے جیسے اپنا چیپٹر کلوز ہونے والا ہے۔''

''فضول نہ بولیں چاچو میری آپ کی عمر میں ایک سال کا فرق ہے نا میں تو نہیں تھکا۔''

''ہاں تم نہیں تھکے شاید اس لیے کہ تم ہر رشتے سے سیراب ہو اور میں نے ہر رشتے سے جان چھڑا لی، پتا نہیں میں نے دانستہ جان چھڑائی تھی یا ہر رشتے نے مجھے خود دھتکار دیا تھا، کسی بے کس سائل کی طرح میرے دونوں ہاتھ خالی ہیں عمار اور تم۔ تم اندر تک محبت سے پر ہو تم میں کوئی کمی نہیں اور میں سر تا پا انیمیا کا شکار ہوں۔'' آخری جملہ انہوں نے جان کر شوخی سے کہا مگر مجھے ہنسی نہیں آئی۔

''کیا ہوا بھئی انیمیا پر بحث نہیں کرو گے؟'' انہوں نے مجھے جان کر چھیڑا وہ شروع سے یونہی تو کرتے تھے موقع دے کر کوئی غلط بات کہہ دیتے اس کا دفاع کرتے اور میں انہیں غلط ثابت کرنے کے لیے مطالعے کی دھاک بٹھانے لگتا وہ مان جاتے اور بعد میں پتا چلتا کہ ان کی یہ عادت یہ شرارت بھری ڈوئل محض اس لیے ہوتی تھی کہ مجھے زندگی کے ہر شعبے اور دنیا پر مکمل معلومات ہو سکے وہ مجھے بہت آگے دیکھنا چاہتے تھے اور آج میں ان کی اس ''چالاکی'' پر کتنا کامیاب تھا۔

''کیا سو گئے عمار؟''

''نہیں چاچو سوچ رہا تھا آپ آج کل اتنے ڈسٹرب کیوں ہیں؟''

''کوئی خاص بات نہیں ہے بس یونہی آج کل ایک نئے کیس پر کام کر رہا ہوں۔''

''یعنی وہی بلیک میلنگ چاچو بری بات۔''

وہ ہنسنے لگے میں نے ہی خدا حافظ کہا پھر دو ہفتے بعد ان کا فون آ گیا آج وہ پہلے سے زیادہ اداس تھے۔

''میں۔ میں نے محض بلیک میلنگ کرنی چاہی تھی عمار پھر پتا نہیں میں اس گورکھ دھندے میں کیسے پھنس گیا یہ دلدل ہے یار جتنا نکلنے کے لیے ہاتھ پیر مارتا ہوں اتنا ہی اندر دھنستا چلا جاتا ہوں۔''

''کیا ہوا چاچو کچھ بتاؤ بھی تو؟''

''تم چھٹی پر آؤ گے ناں تب بتاؤں گا تفصیل سے۔''

انہوں نے یہ بات وہیں ختم کر دی گھر میں ہونے والی نئی نئی تبدیلیوں کے متعلق مجھے بتانے لگے اور میں نے سر پکڑ لیا۔

''چاچو یہ سب محرم سے پہلے اتنی شادیاں کیوں کرنے لگتے ہیں۔ جیسے دوبارہ کبھی موقع ہی نہیں ملے گا لگتا ہے سب کو میرج فوبیا ہو گیا ہے اب یہ کوئی موقع ہے ایسا ٹاپک چھیڑنے کا مجھے ٹریننگ ختم کر کے کہیں سیٹل تو ہونے دیا جائے ان نئے رشتوں سے مجھے اختلاف نہیں پر چاچو یہ سب بہت جلدی ہو رہا ہے حیرت ہے بابا دادو اور چاچا جانو کو آپ کیوں نظر نہیں آتے صرف میں ہی خاندان کا پہلا لڑکا تو نہیں۔''

وہ ہنسنے لگے پھر ہنستے ہی چلے گئے۔

''اس لڑکے کو عرصہ ہوا اس کیٹیگری سے نکال دیا گیا ہے تمہیں پتا نہیں تمہارے دادو کیا کہتے ہیں میرے بارے میں۔''

''جانتا ہوں۔'' میں نے سوچا اور ہنسنے لگا دادو ہر کسی کے سامنے چاچو کے تذکرے پر یہی کہتے ہیں۔

''کیا بتاؤں کیا لڑکا ہے وہ، عمر سے بہت آگے ہے اپنی نظر میں میں تو اسے لڑکا ہی نہیں مانتا سو بڈھوں کا بڈھا ہے۔''

''کیوں بھئی ابھی تک ہمیں انجوائے کر رہے ہو؟''

''نہیں وہ بس دادو کی باتیں یاد کر رہا تھا آپ کو پتا ہے چاچو آج کل دادو بڑے بیمار رہنے لگے ہیں۔''

''جانتا ہوں نئی کہو یہ تو ان کی عمر کا تقاضا ہے۔''

''چاچو شیم آن یو۔'' میں نے خفگی دکھائی تو ہنسنے لگے پھر تھمے تو بولے۔

''بچے عرصہ ہوا میں نے شرم کو کافی میں گھول کر پی لیا تھا تم تو جانتے ہی ہو گے جس نے کی شرم اس کے پھوٹے کرم اور یہ میں نے کبھی نہیں چاہا۔'' انہوں نے کہنے کے بعد دعا سلام کر کے ریسیور کر دیا۔

پھر میں فارن منسٹری میں ایک عدد بیوی کے ساتھ داخل ہوا اس زمانے میں دل چاہتا تھا کہ کسی لڑکی کو خود منتخب کیا جائے ہزاروں لاکھوں میں سے کسی ایک کو مگر ابھی تک میں اس طرف سے نل (NIL) تھا سو اپنی پسند نہ ہونے کے باعث یہ فیصلہ مجھے اتنا گراں نہیں گزرا یہ اور بات کہ چاچو جب بھی ملتے یہی پوچھتے۔

''سچ بتانا عمار فارن منسٹری بیوی کی وجہ سے ملی ہے یا فارن منسٹری کی وجہ سے بیوی۔''

''ففٹی ففٹی والا معاملہ ہے چاچو بیوی کے قدم سے شاہوں کو گدا اور گدا کو شاہ بنتے اکثر دیکھا گیا ہے۔''

''دعا ہے یہ حسن ظن تازندگی قائم رہے۔'' انہوں نے میری پیشانی چوم لی پھر میں فارن منسٹری کے تحت انگلینڈ میں تھا جب اچانک چاچو کا فون آیا وہ رو رہے تھے۔ ہچکیوں سسکیوں سے اور میرے دل میں اتھل پتھل ہو رہی تھی۔

''کیا ہوا چاچو بابا چچا جان دادو سب۔ سب ٹھیک ہیں ناں؟''

''سب، سب ٹھیک ہیں۔ بس بس میرا دل اجڑ گیا اور میں۔ میں اس کا غم بھی نہیں منا سکتا۔''

''کیا۔ چاچو کیا ہوا؟''

میں نے ہر طریقے سے پوچھا مگر انہوں نے کچھ اور نہیں کہا پھر پانچ سال گزر گئے اور میں اپنی بیوی اور تین بچوں کے ساتھ ملکوں ملکوں گھومتا رہتا بستا واپس اپنے گھر لوٹ آیا سب نے بڑھ کر گلے لگایا مگر ان میں چاچو نہیں تھے۔ میں سفر سے آیا تھا تھک گیا تھا لیکن شام گئے چاچو کی طرف جانے کے لیے بالکل تیار تھا کہ نشاء نے ناک سکوڑ کر کہا۔

''بس آتے ہی چل پڑے چاچو کی طرف۔''

''ظاہر ہے وہ میرے چاچو ہیں۔''

''اور کسی کو تو ان سے اتنا انس نہیں۔''

''ظاہر ہے اور کوئی بھی ان کے اتنے قریب رہا بھی تو نہیں پھر وہ مجھ سے ایک سال ہی تو بڑے ہیں۔ یہی ایڈوانٹیج تو رہا ہے ساری زندگی۔''

میں نے مسکرا کر اسے دیکھا مگر اس کی تیوری میں بل ابھی تک تھے۔

''کیا بات ہے؟'' میں نے آہستگی سے پوچھا تو وہ بلاسٹ ہو گئی۔

''مجھے مجھے آپ کا چاچو سے زیادہ میل جول پسند نہیں پہلے بھی اچھا نہیں لگتا تھا مگر اس وقت میرا آپ پر کوئی حق نہیں تھا لیکن اب۔ اب آپ میرے شوہر ہیں اور ایک شوہر کی حیثیت سے آپ کا فرض بنتا ہے کہ آپ میری بات مانیں جس طرح میں آپ کی مانتی ہوں۔''

''یقیناً تمہاری اس عادت کا میں قائل ہوں لیکن صرف چاچو والے معاملے میں، میں معذرت چاہتا ہوں۔''

''کیوں آخر ہے کیا چاچو میں، آپ کو ان میں کیا گریس دکھتا ہے۔''

''صرف اتنا ہی کہ وہ میرے چاچو ہیں یار کیا یہ بات انہیں چاہنے کے لیے کافی نہیں۔'' میں نے کہتے کہتے اسے دیکھا پھر مدہم سا ہو کر مزید بولا۔

''تمہاری ساری نفرت چچی جان کی انڈیلی ہوئی ہے تمہارا اس میں کوئی قصور نہیں نشاء لیکن یہ تو سوچو وہ تمہارے اپنے چاچو ہیں تمہارے بابا

کے سگے بھائی وہ مجھ سے زیادہ تمہیں چاہتے ہیں تمہیں یہ بات بھی خوشی نہیں دیتی۔''

''نہیں مجھے ان کی کوئی بات کوئی ذکر خوشی نہیں دیتا اور ایسا ہو بھی کیوں انہوں نے آخر دیا کیا ہے ساری زندگی ہمیں، خوف دوسروں کی نظروں میں موجود تحقیر۔''

''تم زیادتی کر رہی ہو نشاء میرے چاچو نے ہمیشہ ہمارے لیے آسانیاں پیدا کی ہیں کتنی ہی جگہ ان کی جان پہچان کی وجہ سے ہمارے لیے آسانیاں پیدا ہوئی ہیں۔''

''آپ کے لیے ہمارے لیے نہیں۔''

''ٹھیک ہے تم جو سمجھو۔'' میں تیز تیز قدموں سے کمرے سے نکل آیا۔ وہ مجھے پیچھے سے پکارتی رہ گئی مگر میں رکا نہیں چاچو کے فلیٹ پر جا کر ہی دم لیا مگر یہ کیا چاچو تو پیکنگ میں مصروف تھے۔

''چاچو کہیں جا رہے ہیں کیا؟''

''اوہ تم۔ مجھے تمہارا ہی انتظار تھا، ہاں میں جا رہا کہیں۔''

''کہاں چاچو؟'' میں نے ہونق پن سے دیکھا تو انہوں نے مجھے کاندھوں سے تھام لیا پھر جذب سے بولے۔

''تھینکس گاڈ عمار آج تم نے۔ تم نے میرا بھرم رکھ لیا تمہیں نہیں پتا تم نے یہاں آ کر مجھے کتنی خوشی دی ہے۔ میں یہ سوچتا رہا کہ ماہ و سال کا وقفہ درمیان میں آنے سے تمہاری محبت میں کتنی تبدیلی ہوئی ہوگی مگر۔ مگر تم نہیں بدلے صرف ایک تم ہی تو میرا آخری جزیرہ تھے۔ جہاں میں سکون کے چند لمحے گزار سکتا ہوں تمہارے آنے سے جان گسل لمحات کا تدارک ہوا نہیں آتے ناں تو رہا سہا قرار بھی جاتا رہتا۔''

''چاچو ٹیک اٹ ایزی کیا ہوا ہے؟ ان پانچ سالوں میں آپ نے تو بالکل ہی رابطہ توڑ لیا تھا مجھ سے اور کوئی مجھے کچھ بتاتا ہی نہیں تھا۔''

''کوئی کیا بتاتا میں یہاں ہو کر بھی یہاں جو نہیں تھا ان پانچ سالوں میں تین بار نروس بریک ڈاؤن بھگت چکا ہوں بس اس لیے تم سے بھی رابطہ توڑ لیا کہ کچھ بچا ہی نہیں ہے کہنے کو پوچھو گے تو کیا بتا پاؤں گا۔''

''نروس بریک ڈاؤن چاچو۔'' میں نے گھبرا کر چاچو کو دیکھا آج پہلی بار مجھے وہ بری طرح ٹوٹے ہوئے لگے کمزور بے حال سے ان میں اور مجھ میں ایک سال کا ہی تو فرق تھا مگر وہ مجھ سے کس قدر مختلف ہو گئے تھے۔ ورنہ پہلے تو لوگ ہمیں ایک دوسرے کا پر تو کہتے تھے میں نے ساری شباہت چاچو کی لی تھی سوائے بابا کی آنکھوں کے اور مجھے یاد ہے امی ہمیشہ اسی بات پر مجھے دن میں کتنی ہی بار ٹیز کرتی تھیں یوں جیسے چاچو کی صورت لے لینا میری ذاتی غلطی تھی۔

''چاچو۔'' میں نے ہاتھ تھام لیا اور چاچو رونے لگے بچوں کی طرح۔ دل کا غبار کم ہوا تو بولے۔

''آج۔ عمار آج میں نے بہت اہم کام کر لیا ہے میں بہت مطمئن ہوں۔''

''کیا کام چاچو؟'' میں نے انہیں دیکھا وہ کرسی پر ٹنک کر گہرا سانس لے کر آہستہ سے بولے۔

''میرے پاس جس جس کا بلیک میلنگ اسٹف موجود تھا آج میں نے اسے اس کے اصل پتے پر پوسٹ کر دیا میں نہیں چاہتا عمار کہ میرے مرنے پر لوگ روئیں نہیں نقلیں پڑھیں شکرانے کے، پتا نہیں یہ کمینی سی خواہش کیوں اٹھی مگر خون میں دوڑتی پھرتی ہے۔ کبھی کبھی کتنا دل چاہتا ہے ناں کہ لوگ ہمیں روئیں۔ ہم ہر کسی کے لیے اہم نہیں ہوتے عمار لیکن دل چاہتا ہے اہم ہونے کو اور مجھ جیسے شخص کے لیے یہ بھی بہت بڑی خواہش ہوگی مجھے اپنے نہیں روتے تو غیروں سے کیا توقع کرتا بس اس لیے ان کی روح آزاد کر دی تاکہ انہیں دکھ نہ ہو سب کو اطمینان رہے میرے اچھے ہونے کی ایک مکر جانے والی دلیل ہی سہی پر دل چاہتا ہے کوئی اس دلیل پر ہی میرے وجود کی جنگ لڑے۔ لیکن نہیں شاید مجھے اب خود کو ثابت کرنے سے کوئی لگاؤ ہی نہیں رہا بھلا تم ہی بتاؤ میں کس کے لیے اپنی ذات کی جنگ لڑوں؟''

کہتے کہتے انہوں نے خالی الذہنی سے مجھے دیکھا پھر بولے۔

''تمہیں پتا ہے عمار ایک مہینے پہلے وہ سالار جنید بھی مر گیا۔''

''سالار جنید۔ کون۔ اُفوہ کہیں آپ مشہور و معروف سیاست دان سالار جنید کی تو بات نہیں کر رہے۔''

''ہاں وہ سالار، وہ مر گیا عمار پہلے جاناں مری پھر کئی برس بعد سالار مر گیا وہ...... وہ زیادہ سچا محب تھا وہ مر گیا عمار اور میں۔ میں زندہ ہوں۔''

''چاچو'' میں نے گھبرا کر انہیں اپنے قریب کر لیا وہ مجھے ذہنی طور پر بہت زیادہ ڈسٹرب لگ رہے تھے اور وہ کسی ایسے چھوٹے سے بچے کی طرح میرے کاندھے پر سر ٹکائے بیٹھے تھے جو دن بھر گلی میں کھیل کھیل کر تھک گیا تھا اور اب سونا چاہتا تھا۔

''چاچو کہاں جانے کے لیے تیاری کر رہے تھے۔'' انہوں نے چونک کر سامان کو دیکھا مجھے دیکھا پھر ذہن پر زور دینے لگے کتنی ساعتیں دبے پاؤں گزر گئیں تب وہ پکارے۔

''گھر۔ میں گھر جانا چاہتا تھا عمار لیکن مجھے تمہاری آمد کا انتظار تھا مجھے یہ تو پتا ہے کہ مجھے دیکھ کر کوئی مجھے گھر سے دھکے دے کر نہیں نکالے گا لیکن پھر بھی ڈر لگتا تھا کہ اگر یوں ہی ہو گیا تو میں کہاں جا سکوں گا اس شہر میں وہی ایک گھر تو میری جائے پناہ ہے۔'' وہ لمحے بھر کو تھمے پھر اور آہستہ سے بولے۔

''پتا نہیں عمار یہ ایسا کیوں ہوتا ہے ہم جو ساری زندگی ہر چیز کے بزعم خود مالک رہتے ہیں اپنی ملکیت پر اکڑتے ہیں تو کبھی کسی لمحے اتنے کمزور کیوں ہو جاتے ہیں کہ ہمیں اپنی ذات پر اعتبار بھی فریب دکھائی دیتا ہے ہم اپنے ہی گھروں میں داخل ہونے کے لیے کسی حوالے کے منتظر ہوتے ہیں ڈرے سہمے بچے کی طرح جس کی ماں نے کسی نافرمانی پر اسے گھر سے نکال دیا اور پھر ساری رات چھت پر کھڑے ہو کر جاگ کر پہرا بھی دیتی رہی پتا نہیں اس لیے کہ بچہ دیوار پھلانگ کر گھر میں نہ آ جائے یا اس لیے کہ بچہ مایوس ہو کر غصے میں کہیں اور نہ نکل جائے کسی ایسی راہ پر جہاں سے اس کی واپسی ناممکن ہو۔ میں بھی تو راستہ بھول گیا تھا عمار مگر میرے لیے کوئی نہیں تھا جو انتظار کرتا میری ماں نہیں تھی عمار جو میرے لیے رات بھر جاگ کر پہرا دیا کرتی لیکن نہیں وہ ہوتی بھی تو کیا کر لیتیں عمار میری ماں بہت سیدھی تھیں سمجھتی تھیں کہ بس دنیا میں لا کر ان کا فرض پورا ہو گیا ان کے پاس دو ہی تو کام تھے۔ لمبی لمبی بیماریاں بھگتنا یا بابا کی نااہلی کی طویل داستانیں سنانا وہ ساری زندگی کلستی رہیں لیکن کتنا حیرت کا مقام ہے نا عمار کہ ان کے

تینوں بیٹے ان کے کہنے میں نہیں آئے ان کی اتنی تاویلوں کے باوجود ان کی بدحالی کے نوحے سن سن کر بھی اور میں۔ میں نے ماں کا سا حرف آخر سمجھا مگر مجھے بھی کیا ملا کچھ بھی نہیں صبر شکر واقعی زندگی گزارنے کے لازوال اصول ہیں مگر اس کی سمجھ کتنی دیر بعد آئی، یہ ہمیں سمجھ اس وقت ہی کیوں آتی ہے عمار جب ہمارے پاس کچھ نہیں بچتا نہ گنوانے کے وقت، نہ پانے کے لیے خوشیاں۔"

"چاچو آپ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہے۔" میں بری طرح گھبرا گیا تھا ساتھ ہی مجھے گھر کے ہر شخص پر غصہ بھی آ رہا تھا جنہوں نے چاچو کو پلٹ کر پوچھا بھی نہیں تھا وہ سب تو چلو بھائی تھے لیکن دادو۔ انہیں تو چاچو کی خبر رکھنی چاہیے تھی۔

"چلیے چاچو گھر چلیے ہم صبح ہی کسی اچھے ڈاکٹر کے پاس چلیں گے لاپرواہی سے کیا حالت کر لی ہے آپ نے اپنی۔"

میں نے ان کا سامان کار میں رکھا یہاں تک کہ پچھلی سیٹ بھی بھر گئی تھی اور چاچو کے ہاتھوں میں صرف دو چیزیں تھیں جو ان کے سینے سے لگی ہوئی تھیں میں نے اس وقت پوچھنا مناسب نہ سمجھا اور گھر کی طرف لوٹ آیا گھر پر سب ہی کھانے پر میرے منتظر تھے مگر خلاف توقع چاچو کو دیکھ کر سب ہی کے چہرے سکڑنے پھیلنے لگے خاص طور پر نشاء نے باقاعدہ اظہار ناپسندیدگی کے لیے ڈرائنگ روم سے اٹھ جانا ضروری سمجھا تھا اور چاچو کی طرح یہی منظر مجھے بھی بہت برا لگا تھا۔

بابا اور دونوں چچا، چاچو کو یوں اپنے درمیان پا کر عجیب گومگو کیفیت میں تھے شاید ان کی منہ پھٹ طبیعت اور ان کے غصے سے خوف زدہ تھے اور ان کی اتنے دنوں بعد کی آمد پر خوش آمدید کہنا چاہتے تھے لیکن اگر ایسا تھا تو کسی نے انہیں پلٹ کر پوچھا کیوں نہیں۔

دل میں یہی سوال چبھ کر رہ گیا اور سب دادو کا انتظار کرنے لگے وہ عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے اور چاچو ایک صوفے پر سر جھکائے یوں بیٹھے تھے جیسے کوئی جلاوطن سہما سا نئی سرزمین پر پہلا قدم رکھنے کے لیے زمین تلاش رہا ہو۔

"یہ۔ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے صائب حسین؟"

یک دم بابا کا دل سب سے پہلے پگھلا تھا اور چاچو بے بسی کی تصویر بنے بیٹھے تھے جواب دینے کے بجائے خاموش تھے، وہ اور باقی سب کی آنکھیں بول رہی تھیں بے تحاشا بے تکان۔ میں نے بابا کو مختصر لفظوں میں چاچو کے متعلق بتا دیا تھا مگر چاچو میں پھر بھی کوئی ہل چل نہیں ہوئی تھی جیسے ان کی ذات کہیں کسی حساب میں گم ہو گئی تھی حاصل ضرب کے بعد کچھ اتنا بچا ہی نہیں تھا کہ وہ اپنے لیے بحث کرتے۔

"اتنا شیر جوان ہوا کرتا تھا کیا کر لیا اپنا حال" وہ پھر بھی چپ خاموش رہے منجھلے چچا نے انہیں خود سے لپٹا لیا، بابا نے ہاتھ تھام لیا وہ دیکھتے رہے اُسی ازلی خاموشی سے پھر پتا نہیں کیا ہوا جیسے کسی پہاڑ کا سینہ شق ہوتا ہے چاچو کا کلیجہ بھی پھٹ گیا وہ آسمان زمین ایک کر کے روئے تھے (اور پتا نہیں اس لمحے کس کس کو رو دیا تھا انہوں نے جاناں کو سالار جنید کو یا پھر سب سے زیادہ خود اپنے آپ کو۔ کون جانے) مجھے کچھ نظر آ رہا تھا تو اُن کا ویران چہرہ، روح میں بھنور بن کر اٹھتی ہچکیاں سسکیاں"۔ دروازے کی دہلیز پر دادو کھڑے تھے اور یہ سب دادو کو اپنے سامنے پا کر ہی تو ہُوا تھا۔

ایسی بے قراری سے کہ کچھ اور نہیں سنائی دے رہا تھا دادو چاچو کے لیے اس لمحہ سب سے مضبوط حوالہ تھے یا شاید چلچلاتی دھوپ میں سائبان لیکن دادو نے بھی تو چاچو کی خبر نہ رکھی تھی مجھے دادو سے بھی خفگی محسوس ہونے لگی مگر چاچو کل سے اٹھے تھے اور دادو کے لاکھ جھٹکنے پر بھی ان کے

ہی گلے کا ہار ہو گئے تھے دادو کی ایک رٹ تھی ان کے صرف تین ہی بیٹے تھے اور چاچو اس پر بضد تھے کہ ''نہیں ان کے چار ہی بیٹے تھے وہ چاہنے کے باوجود ان کے وجود سے انکار نہیں کر سکتے۔'' بابا نے میں نے سب نے دادو کو سمجھایا پھر پتا نہیں کیا لہر اٹھی چاچو کے من میں دادو کا ہاتھ تھام کر بولے۔

''آپ کو تین بیٹوں کا ہی باپ کہلوانے کا شوق ہے تو بابا بس کچھ دن اور رک جائیے میں یہاں ساری عمر نہیں رہنے آیا تھوڑا سا تھک گیا ہوں تھکن اترتے ہی چلا جاؤں گا پتا ہے میں آپ کے لیے کبھی باعث تسکین نہیں رہا میری آمد نے بھی آپ کو خوشی نہیں دی مگر کیا کروں کہ میں دور رہ کر بھی آپ سے کسی کو بھی خود سے جدا نہیں کر سکا پلیز بابا چند دن رہنے دیں صرف چند دن۔''

دادو نے چاچو کے بال مٹھیوں میں جکڑ لیے۔

''سچ کہتا ہے تو مجھے تیری آمد نے بھی خوشی نہیں دی مگر میں نے اور میری دلہیز نے ہمیشہ تیری آمد کی امید رکھی ہے تیرے قدم ثبت ہیں یہاں۔ یہاں اس گھر میں اس دل میں تو کچھ دن کی بات کرتا ہے باپ نہیں ہے ناں وگرنہ جانتا لفظ کتنا گھائل کرتے ہیں یہ تیرے قابل نہیں لیکن یہ تیرا گھر ہے رہ جتنا جی چاہے۔''

چاچو نے دادو کے گھٹنوں سے سر ٹکا دیا پھر دنوں میں انہوں نے سب کو جیت لیا وہ پہلے بھی رہتے تھے مگر کھونے کے بعد پانے میں انسان اتنا ہی حساس ہو جاتا ہے وہ اب کسی کو کھونا نہیں چاہتے تھے۔ سو سب پاتے چلے گئے ہمیں اُن عادت سی ہونے لگی۔

انہیں آئے ہوئے ایک مہینہ ہو چلا تھا اور یہ ایک مہینہ انہوں نے گھر کے اندر رہ کر سب میں مقید ہو کر گزارا تھا۔ دادو کے ساتھ وہ اتنے گھل مل گئے تھے جیسے بچپن سے کر اب تک کی کسی نافرمانی کا داغ دھونا چاہتے ہوں دادو ان کا انداز دیکھتے تو کہتے۔

''میرے گھٹنے سے لگ کر کیا بیٹھا رہتا ہے صائب گھر میں دل لگا شادی کر لے بھائیوں سے تعلق جوڑ میں تو چراغ سحری ہوں اب بجھا تب بجھا تجھے ان کے ساتھ باقی عمر گزارنی ہے مجھے جانا ہے بچے آج نہیں کل نہیں تو......'' دادو کہتے کہتے تھم گئے اور چاچو انہیں دیکھے گئے اور میں جو چاچو کو دیکھ کر لان میں داخل ہونے والا تھا پام کے درخت کی اوٹ میں ہو گیا اور چاچو کی آواز سنائی دی۔

''نہیں بابا آپ کو کہیں نہیں جانا آپ کی بہت ضرورت ہے ان سب کو، جانا تو مجھے ہے بس کچھ دیر ہے میرے فیصلے میں۔''

میں نے دادو کا چہرہ نہیں دیکھا تھا لیکن اپنے دھڑکتے دل کی قسم کھا کر کہہ سکتا تھا کہ ان کا چہرہ میرے دل سے زیادہ مختلف رنگ سے نہ رنگا ہوگا ایک سایہ سا لہرایا ہوگا دادو نے زرد چہرے سے گھبرا کر چاچو کو دیکھا ہوگا مگر چاچو یہ سب کہہ کر رہے نہیں اپنے کمرے میں چلے آئے جہاں آج کل ان کا زیادہ تر وقت گزرتا تھا۔

وہ زیادہ تر یا تو پڑھتے رہتے یا ڈائری لکھا کرتے لکھتے لکھتے ایسے کھو جاتے جیسے ان کے جسم میں روح ہی نہ بچی ہو ساری لفظوں میں سرایت کر کے دھڑکنے لگی ہو ایسے میں چاچو میرے متوجہ کرنے پر بھی میری طرف نہ دیکھا کرتے یہاں تک کہ میں ان سے ایک دن اسی بات پر لڑ پڑا۔

''کیا فضول کام ہے یہ ڈائری لکھنا؟''

''واہ تم کیا جانو ڈائری لکھنے میں کیا ملتا ہے وہ سارے لمحے زندہ ہو کر آپ کے سامنے آجاتے ہیں جو ماضی میں کھو چکے ہیں آپ کو تفصیل

یاد نہیں رہ سکتی تو یہ ڈائری ہی تو آپ کو ماضی کی ان گزرگاہوں کی یاد کرواتی ہے۔“

”یہی تو! اسی وجہ سے تو مجھے یہ کام برا لگتا ہے یعنی بندہ خوامخواہ اوپن ہو جائے چاچو بعض باتیں ہوتی ہیں ناں جو ہم کسی سے شیئر نہیں کر سکتے اپنے کسی عزیز ترین رشتے سے بھی نہیں سوائے خود سے لیکن جب ہم یہ سب لکھ دیتے ہیں تو ہمارے راز سے ہر شخص واقف ہو جاتا ہے ہونہہ چاچو پھانسی کا پھندا اپنے گلے میں خود ڈالنے والی بات ہوتی ہے۔“

”ہاں تم جیسے شادی شدہ شخص کے لیے ویسے شادی سے پہلے انسان کو پہلا کام ان ڈائریز کو تلف کرنے کا ہی انجام دینا چاہیے رنگین داستانیں یوں تو چھپتی نہیں لیکن ثبوت نہ ہو تو انہیں جھٹلایا جانا زیادہ آسان ہے۔

”بہت بری بات چاچو آپ ابھی تک نہیں بدلے میں تو سمجھ رہا تھا بہت تبدیلی آ گئی ہو گی آپ میں۔“ چاچو ہنستے ہنستے یک دم سنجیدہ ہو گئے پھر بھرائے لہجے میں بولے۔

”تبدیلی۔تبدیلی تو واقعی بہت آ گئی ہے یار میں میں نہیں رہا ہوں کہیں بٹ گیا ہوں بکھر کر رہ گیا ہوں اور آج کل خود کو سمیٹنے کی جستجو میں مبتلا ہوں۔“ میں نے چاچو کو دیکھا پھر موڈ بدلنے کو بولا۔

”کیوں چاچو ان پانچ سالوں میں آپ نے کتنی ڈائریز بھریں۔“

”بھریں۔ یہ لفظ بڑا فضول سا لگتا ہے ڈائری لکھنا تو ایک ملاقات کا سا مزا رکھتا ہے یوں جیسے کوئی تھک کر لوٹا ہو لفظوں کے در کھٹکھٹا کر خود سے ملنے کی سعی کرے خود سے ملنا بڑا دلکش لگتا ہے عمار اس وقت تو اور زیادہ جب آپ کچھ کھو چکے ہوں یہ لفظ ہی تو آپ کو ڈھونڈتے ہیں۔“
وہ تھکے پھر آہستگی سے بولے۔

”عمار یہ لفظ ہی ہمیں ڈھونڈتے ہیں مگر کبھی کبھی یہ لفظ ہی تو ہمیں کھو دیتے ہیں کوئی لفظ خالی نہیں ہوتا عمار ہر لفظ میں انرجی ہوتی ہے ہم سمجھتے ہیں جو ہم نے ادھر اُدھر مصرف بے مصرف کہہ دیا وہ سب بس بے معنی ہے ہمیں اس سے کیا سروکار کہ کس لفظ نے کسی کے دل میں کتنے پھول کھلائے کتنے کانٹے اگائے مگر عمار یہی تو ہماری بھول ہوتی ہے لفظ اپسرا کی طرح خوبصورت ہوتے ہیں تو کالے دیو کی طرح جان لیوا بھی، بند کر لیتے ہیں ہماری روحیں کچھ لفظوں کے منتر سے، اور پھر ہم ساری عمر انتظار کرتے ہیں کہ کوئی شہزادہ آئے اور ہمیں اس زنداں سے چھڑائے نہیں جانتے یہ زنداں تو خود ہم نے تراشا ہے قیدی بھی ہم خود ہیں اور نگراں بھی خود۔“

”چاچو آر یو آل رائٹ۔“ میں نے ان کا کاندھا تھپک کر پوچھا تو انہوں نے آنکھیں بند کر لیں پھر سوئے جاگے لہجے میں بظاہر مجھ سے بولے لیکن لگا کسی اور سے مخاطب ہوں۔

کتنے دن ہوئے عمار میں نے جینا چھوڑ دیا تھا میں نے لکھنا چھوڑ دیا تھا مگر اب دل چاہتا ہے لکھتا رہوں پانچ سالوں میں ایک دن بھی میں نے ڈائری نہیں لکھی صرف شروع کے دو مہینوں کے علاوہ اور اب۔ اب وہ سب کچھ جو ان سالوں میں مجھ پر گزرا وہ سب صفحات پر بکھیر دینے کو دل کرتا ہے عمار کیسا لگتا ہے تمہیں۔ اپنے دل کے داغ نمایاں کر کے کاغذ کے سینے پر سجا دینے میں، ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ کتھارسس کا عمل ہر ذی روح کے

لیے ضروری ہے دل کے کہنے میں دل سے بوجھ ہٹ جاتا ہے لیکن میں کتھارسس کر رہا ہوں تو لگتا ہے میں مسلسل کسی کنفیشن باکس میں کھڑا ہوں اپنی صفائی دیتا اپنے وجود کی جنگ لڑتا ہوا تنہا بالکل تنہا عمار کبھی کبھی کہہ دینے سے یہ دل کا بوجھ کم ہونے کے بجائے بڑھ کیوں جاتا ہے؟''

''بس ایسے ہی چاچو، ہوتا نہیں ہمیں لگتا ہے ہم جو قنوطیت سے سوچنے لگتے ہیں ورنہ ایک ہاتھ کے فاصلے پر ہی تو ہوتی ہے روشنی۔''

''صرف ایک ہاتھ کے فاصلے پر۔'' انہوں نے مجھے دیکھا پھر جیسے فضاؤں سے مخاطب ہوئے۔

مگر ایک موڑ کے فرق سے
ترے ہاتھ سے مرے ہاتھ تک
وہ جو ہاتھ بھر کا تھا فاصلہ
کئی موسموں میں بدل گیا
اسے ناپتے اسے کاٹتے
میرا سارا وقت نکل گیا

گنگناتے ہوئے وہ تھمے تو آہستہ سے بولے۔

''عمار محبت ہو، روشنی ہو بس ہاتھ بھر کے فاصلے سے جیون راکھ ہو جاتے ہیں تمہیں کبھی کوئی سیانا ملے تو اس سے ایک بار پوچھنا ضرور کہ جو لوگ ہمیں ملتے ہیں وہ ہماری قسمتوں میں کیوں نہیں ہوتے وہ ہمارے لیے نہیں ہوتے تو ہمیں ملتے ہی کیوں ہیں۔''

''چاچو کیا ہو گیا ان پانچ سالوں میں کیا لکھ رہے ہو اس ڈائری میں؟'' میں گھبرا کر قریب ہو گیا تو چاچو نے میری طرف سے پشت کر لی آہستگی سے بولے۔

''عمار یہ جو ہم لکھتے ہیں اگر ان لفظوں میں چھپی اذیت صفحہ قرطاس اپنے اندر جذب نہ کرے تو ہمیں لوگ ایک جلا ہوا شہر سمجھیں راکھ اڑاتا شہر اور اس شہر کے دروازے پر ہجر کھڑا ہو ہر موسم کو راستے ہی سے واپس موڑ دینے والا ہجر۔ یہ صرف ہجر ہی ہمارا نصیب کیوں ہوتا ہے؟''

یک دم وہ مڑے مجھ سے ایسے مخاطب ہوئے جیسے یہ سب میری ہی کاوش تھی میں گھبرا گیا ان کے انداز سے اور وہ میرے کاندھوں پر ہاتھ دھرے مجھے دیکھے گئے۔

''چاچو آپ بتا کیوں نہیں دیتے آپ پر کیا بیتی؟''

انہوں نے نگاہ موڑ لی پھر میری طرف دیکھا ہی نہیں جیسے میں ان کے زاویہ نگاہ میں ایک لایعنی نقطہ رہ گیا۔ میں نے ہی بور ہو کر کمرے سے چلے جانا مناسب سمجھا۔

☆☆☆

ایک خوشگوار صبح تھی جب وہ چائے پیتے ہوئے مجھ سے مخاطب تھے۔

''کل میں دیر تک ایک بات سوچتا رہا عمار۔''

''کیا بات چاچو؟''میں نے ان کی طرف اسنیک کی پلیٹ بڑھائی اور وہ مسکرائے۔

''صرف ایک بات نے مجھے کل بہت پریشان کیا میرے بعد یہ ڈائریاں تم سب کے ہاتھ لگیں تو میرے رہے سہے بھرم کا ستیاناس ہو جائے گا تمہاری یہ بات واقعی وزنی ہے کہ ہمارے بعد ہماری یہ ڈائریز ہمیں سب کے سامنے بڑا ایکسپوز کر ڈالتی ہیں۔''

میں نے غصے سے چاچو کو دیکھا مگر کچھ کہا نہیں تو حیرت بھرے لہجے میں بولے۔''کیوں یار یہ منہ کیوں پھلا لیا ہے؟''

''بس آج میں ایک بات پر متفق ہو گیا ہوں چاچو۔''

''کیا بات؟''

''یہی کہ آپ میرے خیال سے بھی کہیں زیادہ برے ہیں۔''

''تمہارے چاچو واقعی بہت برے ہیں اور یہ واحد بات ہے عمار ڈیئر جس پر کبھی مجھے شک نہیں ہوا۔''

''میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں تھا چاچو میں تو آپ کی یہ دن رات کی جانے جانے کی رٹ سے خفا تھا۔''

''جانے کی رٹ۔''وہ ہنس پڑے پھر بولے۔

''جانا تو واقعی ہے عمار بس کچھ دیر لگتی ہے لیکن سوچتا ہوں اگر مرنے سے ایک دن پہلے مجھے اپنی موت کا یقین ہو جائے تو میں کئی کام نپٹا لوں اور ان میں ایک خاص کام تو لازمی کرنا چاہوں گا۔''

''کون سا کام چاچو؟''میں نے دھک دھک کرتے دل سے انہیں دیکھا تو انہوں نے شرارت سے کہا۔

''ان جاسوسی ڈائریز کو نذر آتش کرنے کا واحد کام اور کیا کروں گا ویسے میری تمہیں وصیت ہے اگر میں اچانک مر جاؤں ناں۔''

''چاچو یہ میری برداشت سے بہت زیادہ ہے۔''

میں اٹھ گیا مگر انہوں نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

''سنو تھوڑے سے حقیقت پسند بنو مرنا تو ہر ذی روح کو ہے۔ جمادات ہو نباتات حیوانات یا پھر ہم تم انسان سب نے ایک دن مرنا ہی ہے ناں پھر خوامخواہ کا یہ ایکسٹرا آرڈنری ایموشنل لک دینے سے فائدہ۔''

''فائدہ نقصان میں نہیں جانتا سوائے اس کے کہ دنیا کی ہر چیز ختم ہونے کے لیے ہو تب بھی آپ کے بارے میں۔میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔میری تو دعا ہے میری عمر کی باقی سب گھڑیاں بھی اللہ آپ کی عمر میں لگا دے۔''

''پاگل مت بنو ایسی فضول خواہشات سے کیا فائدہ سنو میں اپنی اس ایک زندگی سے کافی مطمئن ہوں تمہاری زندگی لے کر میں نے اب کون سا تیر مارنا ہے۔''وہ گہرا سانس لے کر بولے۔

''سچ تو یہ ہے عمار اب تو میرا دل چاہتا ہے اللہ میری باقی بچ جانے والی سانسیں بھی کسی ایسے شخص کے نام کر دے جسے ان کی اشد ضرورت ہو کہیں بھی دنیا میں زندگی میں یا خوشیوں میں کہیں بھی اور مجھے اس برزخ سے نکال لے۔''

''بور مت کرو چاچو۔''

''او کے بس آخری بات۔'' چاچو نے موڈ دیکھ کر پھر سے وہیں سے سلسلہ کلام جوڑا جہاں سے میں چاہتا تھا بات کبھی نہ شروع ہو مگر انہوں نے آج تک میری نہیں سنی تھی پھر کیسے میرے من کی کرتے سو اپنے دل کی کہنے لگے۔

''اگر کبھی ایسا ہو جائے تو عمار تو یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ ان ڈائریز کو تم آگ لگا دو گے یہ ڈائریز کبھی کسی کے ہاتھ نہیں لگنی چاہئیں۔ ان میں پورا کا پورا میں بند ہوں لفظوں کے حصار میں بالکل ویسا جیسے میں ہوں اور میں نہیں چاہوں گا کہ میرے بعد سب پر میری شخصیت منکشف ہو۔''

میں نے اقرار کیا نہ انکار اور یونہی بھاری جی سے اٹھ گیا۔

دسمبر کی ایک سرد شام تھی جب میں نے دادو کے کمرے میں تکیہ اور کمبل لے جاتے چاچو کو دیکھا وہ اس وقت سفید کرتے شلوار میں تھے کل ساری رات ان کے کمرے کی لائٹ جلتی رہی تھی اور آج یہ دادو کے کمرے میں تھے میں دبے قدموں دادو کے کمرے کے سامنے جا کھڑا ہوا ابھی اندر جانے نہ جانے کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ چاچو کی آواز سنی۔

''بابا کیا آج میں آپ کے پاس سو جاؤں۔''

''کیوں؟ یہ نئی کیا سوجھی کیا پھر سے بچہ بننے کا خبط سوار ہوا ہے۔؟''

''خبط! نہیں تو بابا یہ تو محبت ہے بس دل چاہ رہا ہے ناں آپ کے پاس سونے کو۔''

''ٹھیک ہے میاں لیٹ جاؤ لیکن سنو ہوش میں سونا تمہاری یہ بڑی پرانی عادت ہے سوتے میں بالکل اڑیل بھینسے کی طرح کروٹیں بدلتے ہو ہاتھ پیر مارنے کی بری عادت ہے مانو ابھی جنگ کا طبل بجا ہے اور تم میدان کارزار میں اترے ہو۔''

''افوہ بابا۔ یہ سب تو بچپن کی باتیں ہیں اب تو میں بڑا ہو گیا ہوں ناں۔'' چاچو کے شرماتے لہجے کی لرزش میرے دل میں مسکراہٹ بکھیر گئی اور دادو بولے۔

''اپنی نظر میں ہو گئے ہو گے بڑے مجھے تو ابھی تک دس سال سے زیادہ کے نہیں لگتے۔ مجبوری ہے تو نام کو نہیں۔''

چاچو نے جواب میں کچھ نہیں کہا پھر میں بیس پندرہ منٹ بعد دادو کے کمرے میں گیا تو چاچو سنگل بیڈ پر مزے سے خراٹے لے رہے تھے اور دادو بیڈ لیمپ جلائے ایک کروٹ پر نیم دراز کتاب پڑھنے میں مگن تھے۔

''عمار! تم ابھی تک سوئے نہیں؟''

''وہ بس دادو نیند نہیں آ رہی۔''

''خبردار لڑکے اب بیڈ پر بالکل جگہ نہیں اپنے کمرے میں جا کر سوؤ۔'' انہوں نے بے ساختہ ایسے کہا کہ ہنسی چھوٹ گئی اور مجھے دادو کو

شب بخیر کہتے ہی بن پڑی۔ میری ہنسی نے انہیں تپا جو دیا تھا سو میں کمرے میں آ کر لیٹ تو گیا تھا لیکن میری آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی پتا نہیں عجیب سی کسلمندی سی چھا گئی تھی جسے تھکن تو کہا جا سکتا تھا لیکن وہ جو نیند کی ایک خواہش ہوتی ہے اس کا نام و نشان نہیں تھا میں چاچو کے متعلق ہی سوچ رہا تھا جب رات گئے ہولے سے دستک ہوئی۔

گو میں جاگ تو رہا تھا لیکن پھر بھی ذہن کو دروازے تک لے جانے کے لیے دو تین منٹ تک آمادہ کرنے میں لگ گئے نشاء اور بچے گہری نیند میں تھے میں اٹھ کر دروازے تک آیا دروازہ کھولا تو سامنے ہی چاچو کھڑے تھے۔

''کیا بات ہے چاچو۔''

''وہ بس یونہی دل گھبرا رہا تھا چلو باہر گھوم آئیں۔''

''چاچو تین بجے رات کے ہم کہاں گھوم آئیں۔''

''تم چلو تو پھر بتاؤں گا۔''

میں نے کندھے اچکائے کی رنگ ٹیبل سے اٹھایا اور ان کے ساتھ باہر آ گیا پھر ہم آدھے راستے میں تھے یعنی گھر سے آدھے راستے میں چاچو نے منزل کے متعلق نہیں بتایا تھا اس لیے میں گھر کا فاصلہ سوچ رہا تھا کہ اچانک چاچو کا رنگ بے انتہا زرد ہو گیا۔

''چاچو کیا ہوا؟'' میں ان کی طرف مڑا سڑک سنسان تھی ورنہ یک دم بریک لگاتے ہی حادثہ ہو جاتا اور چاچو خفگی سے پکارے۔

''تم نے کار کیوں روک دی چلتے رہو میں تمہیں راستہ بتا رہا ہوں ناں'' اور یہ درست تھا وہی اتنی دیر سے مجھے راستہ بتا رہے تھے پھر یک دم ایک جگہ انہوں نے رک جانے کا حکم دیا تو میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

''چاچو آر یو آل رائٹ۔''

''تمہارا کیا خیال تھا میں رات کے تین بجے واقعی سیر کرنے نکلا تھا۔ چلو مجھے سہارا دو میں اچھا فیل نہیں کر رہا کچھ، لیکن پریشان مت ہونا میں نے ڈاکٹر منصوری کو گھر سے ہی فون کر دیا تھا وہ میرا ہی منتظر ہوگا تمہیں زیادہ بھاگ دوڑ کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔''

''چاچو۔'' میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھا یہ چاچو کیا چیز تھے انسان تھے کہ فولاد۔

''عمار دیر مت کرو کہاں گم ہو گئے۔'' چاچو کی چیخ سے مشابہہ آواز سنائی دی تو میں جیسے گھبرا کر باہر نکلا دوسری طرف کا دروازہ کھول کر چاچو کو سہارا دیتا ہاسپٹل کے اندر داخل ہوا پہلے ڈور پر ہی ڈاکٹر منصوری سے ٹکراؤ ہو گیا فوراً ہی چاچو کو انہوں نے ایمرجنسی میں لے لیا پھر ایمرجنسی روم میں چاچو کاؤچ نما بیڈ پر لیٹے تھے اور فوری طبی امداد کے بعد انہیں فریش بلڈ دیا جا رہا تھا یہ سارا پروسیجر اتنا خوفناک تھا کہ مجھ سے کچھ بولا ہی نہیں گیا اور چاچو ڈاکٹر منصوری سے یوں ڈسکشن میں مصروف رہے جیسے یہ سب تکلیف کوئی اور جھیل رہا ہو۔

''چاچو کیا محسوس کر رہے ہیں؟'' میں قریب آ گیا ڈاکٹر منصوری چاچو کے دائیں جانب بیٹھے تھے۔ چاچو کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا مگر ڈاکٹر منصوری متفکر تھے۔

''تمہیں اور کچھ نہیں سوجھا تھا صائب حسین دنیا میں بڑی بیماریاں پڑی تھیں پھر یہ ایسی نادر بیماری ایڈاپٹ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''نادر بیماری! کم آن یار یہ تو بڑی گھسی پٹی بیماری ہوگئی ہے بلکہ اب تو سوچ کر ہی منہ کا مزا خراب ہونے لگتا ہے جیسے ایک زمانے میں لوگ ٹی بی کو آ کورڈ ڈیزیز کہتے تھے۔''

''تم نہیں بدلو گے صائب حسین زمانہ بدل جائے لیکن تم نہیں بدلو گے تمہیں پتا ہی نہیں ہے کہ مجھے اس وقت تمہارے لیے یہ خون مہیا کرنے میں دانتوں پسینہ آ گیا تھا۔''

''میں جانتا ہوں یہ گروپ واقعی نایاب ہے پوری دنیا میں اس گروپ کے لوگوں کے نام انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔''

''ہاں۔ پچھلے برس تو سالار جنید نے یہ پرابلم سالو کر دی تھی لیکن اب۔ اب تو یہ مستقل دردسر ہے۔''

''سالار جنید کا بھی یہی گروپ تھا منصوری صاحب۔'' ڈاکٹر منصوری نے چونک کر مجھے دیکھا۔

''یہ کون ہے بھئی صائب۔''

''میرا بھتیجا ہے ون اینڈ اونلی جسے مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوئی کبھی۔''

''پھر تو یہ بہت اونچا انسان ہے۔''

''بہت اونچا اس کی عظمت میری محبت سے کہیں زیادہ ہے منصوری۔'' چاچو میرے سوال کو جان کر باتوں میں گم کر گئے پھر ساری رات چاچو یا تو باتیں کرتے رہے یا تڑپتے رہے۔ ڈاکٹر منصوری انہیں ٹریٹمنٹ دے رہے تھے۔ مگر چاچو سر تکیے پر دائیں بائیں مارتے ہوئے ایک ہی بات کہتے تھے۔

''منصوری دی گریٹ آج تمہاری مسیحائی کام نہیں دکھا رہی یوں لگتا ہے جسم میں جیسے کسی نے سیال کی صورت میں آگ چھوڑ دی ہو۔''

میں نے گھبرا کر چاچو کو دیکھا ان کے بلڈ ڈریس کی دوسری بوتل جوں کی توں تھی قطرہ قطرہ ٹپکتی زندگی تھم سی گئی تھی چاچو کی ہتھیلی کی پشت سے خون رسنے لگا تھا۔

''او مائی گاڈ صائب یہ۔ یہ سب ٹھیک نہیں ہو رہا۔'' ڈاکٹر منصوری نے گھبرا کر چاچو کو مخاطب کیا اور چاچو نے گھبرا کر پہلی بار مجھے دیکھا۔

''منصوری ٹائم از اوور یار۔''

''چاچو۔'' میں چلایا ڈاکٹر منصوری بھاگتے ہوئے راہداری میں گم ہو گئے دو منٹ بعد ہی ڈاکٹر منصوری سے سینئر ڈاکٹر نے چاچو کا کاندھا تھپکا۔

''بالکل ٹھیک ہیں آپ گھبرائیں نہیں۔'' میں نے چاچو کو دیکھا وہ تو پہلے ہی کب گھبرا رہے تھے ان کی تو ساری گھبراہٹ جیسے مجھ میں سما گئی تھی پھر وہ چاچو کے بیڈ سے ہٹ گئے میں نامحسوس طور پر ان کے قریب کھسک گیا اور پھر جیسے میرے اردگرد دھماکے ہونے لگے۔

''سوری منصوری اِٹ از گیٹنگ لیٹ۔ جسم نے خون قبول کرنا چھوڑ دیا ہے اور تم جانتے ہو ایسے مریض کے لیے یہ گھنٹی کس بات کی علامت ہے۔''

''پھر بھی ڈاکٹر بچنے کا چانس کتنے فیصد ہے۔''

''مجھے افسوس ہے منصوری یہ پیشنٹ اس وقت جتنی سانسیں لے رہا ہے یہ اس کی باقی ماندہ سانسیں ہی ہیں۔''میں نے مڑ کر چاچو کو دیکھا انہیں نرس آگے بڑھ کر آکسیجن لگا رہی تھی۔

''کیا ہوا چاچو۔''میں تیزی سے آگے بڑھا۔

''کچھ نہیں بس ویسے ہی کچھ دقت ہو رہی تھی سانس لینے میں شاید ڈسٹ الرجی کی وجہ سے۔''

''چاچو۔''میں ان کا ہاتھ تھام لیا پھر نہیں رونا چاہتا تھا مگر رو ئے گیا۔ڈاکٹر منصوری واپس لوٹ کر چاچو کو پھر سے چیک کرنے لگے اور چاچو مجھے دیکھے گئے۔

''عمار!سنو یہ خبر بابا کو بہت آرام سے سنانا تم تو جانتے ہو وہ ہارٹ پیشنٹ ہیں۔''

''کون سی خبر چاچو۔''میں نے نگاہ موڑ لی مکرنے لگا تو وہ ہولے سے ہنسے مجھے جھٹلانے کو کچھ نہیں بولے آہستگی سے نیم دراز ہونے کی خواہش کی ڈاکٹر منصوری نے بیڈ تھوڑا سا اونچا کر دیا چاچو نے ڈاکٹر منصوری کو دیکھا کچھ کہا نہیں مگر ڈاکٹر منصوری پردہ برابر کر کے باہر چلے گئے میں اور چاچو ایک دوسرے کے سامنے تھے۔

''عمار میری ڈاریز تلف کرنا تمہاری ذمہ داری ہے۔''

پھر میں کچھ سمجھا نہیں تھا انہوں نے سوئی ہتھیلی کی پشت سے نکال کر اسٹینڈ پر لٹکا دی۔میں چیختا رہا۔

''یہ کیا کر رہے ہیں چاچو۔''مگر انہوں نے سنا نہیں کھینچ کر مجھے سینے سے لگا لیا پھر بھرائے لہجے میں بولے۔

''تم سے جدا ہونا بہت کرب انگیز سہی لیکن عمار آج مجھ میں بڑی آسودگی ہے اگر ہمیں یقین ہو ہم مرنے کے بعد اپنے پسندیدہ لوگوں سے مل سکیں گے تو موت بھیانک نہیں لگتی جیسے مجھے۔''

''نہیں چاچو یہ سب غلط ہے آپ کو کچھ نہیں ہو رہا میں ابھی فون کرتا ہوں دادو کو بابا کو اور......''

''نہیں تم ابھی کسی کو تنگ مت کرنا صبح ہونے میں ابھی ایک گھنٹہ ہے بابا فجر کی نماز کے لیے جاگیں گے نا تم تب کرنا تب تک سب اٹھ چکے ہوں گے۔''

''چاچو......آپ۔آپ کیا ہیں چاچو۔''چاچو نے جواب نہیں دیا ان سے اب بولا نہیں جا رہا تھا بس جیسے سارا کچھ وہ شروع کے تین گھنٹوں میں بول گئے تھے اور اب خاموش لیٹے تھے کبھی آنکھیں کھول لیتے ڈاکٹر منصوری بار بار آکر انہیں دیکھ رہے تھے ڈرپ کی سرنج ان کی ہتھیلی کی پشت میں پیوست تھی چاچو نے ایسا کرتے ہوئے شکوہ سے ڈاکٹر منصوری کو دیکھا تھا پھر اشارے سے انہوں نے تکلیف کا اظہار بھی کیا تھا سرخ سفید ہتھیلی کی پشت پر خون جم سا گیا تھا اور میں انہیں تکلیف کا احساس کم کرنے کے لیے کسی بچے کی طرح بہلا رہا تھا ہتھیلی ہاتھ میں لیے کبھی پھونک مارنے لگتا کبھی ہتھیلی چوم لیتا چاچو بار بار مجھے دیکھتے ان کی آنکھوں میں آنسو بھر بھر کے آجاتے پھر فجر سے آدھے گھنٹے پہلے اچانک ہی ان کی طبیعت خراب ہوگئی میں نے قریب ہونا چاہا تو غیر متوقع وہ چلائے۔

''چلے جاؤ تم یہاں سے۔'' میں نے گھبرا کر دو تین قدم پیچھے رکھے ڈاکٹر منصوری اور نرس اس آواز پر تیزی سے اندر آ گئے چاچو نے ڈاکٹر منصوری کے کاندھے سے اچٹتی سی نظروں سے مجھے دیکھا۔

''منصوری اس سے کہو میری نظروں کے سامنے سے چلا جائے۔''

''چاچو نہیں، فارگاڈ سیک چاچو۔''

''میں چاچو کو چھوڑ کر کیسے چلا جاؤں؟'' میں لڑنے کے سے انداز میں مڑا چاچو سے باقاعدہ لڑنے والا تھا مگر ان کی حالت تو انتہائی خراب تھی۔

''چاچو۔'' میں نے ان کا ہاتھ بھینچ لیا تھکے تھکے انداز میں انہوں نے مجھے دیکھا پھر اشارے سے جانے کے لیے کہا۔

''میں کیوں جاؤں آخر کیا ہو گیا ہے مجھ سے، جو آپ مجھ سے ناراض ہو رہے ہیں۔''

میں لڑنے بیٹھا تھا مگر رونے لگا تھا نرس زبردستی مجھے باہر کھینچ کر لے گئی میں گم صم کھڑا تھا نرس نے کولر سے میرے لیے شیشے کے گلاس میں پانی نکالا تھا میں نے ایک ہی گھونٹ بھرا تھا کہ ڈاکٹر منصوری باہر آ گئے۔''عمار..... تمہارے چاچو.......''

''کیا ہوا میرے چاچو کو۔'' میں گلاس تھماتا اندر گیا بیڈ بالکل سیدھا تھا چاچو کے چہرے پر چادر ڈھانپ دی گئی تھی۔

''یہ آپ نے کیا کیا چاچو کو سانس لینے میں دقت ہو رہی تھی ناں پھر۔ چاچو۔'' میں نے ان کا شانہ ہلایا۔

ڈاکٹر منصوری نے مجھے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا۔

''تمہارے چاچو جا چکے ہیں عمار۔''

''نہیں بھلا چاچو کیسے جا سکتے ہیں۔'' میں چاچو کے ساکت چہرے کو یوں دیکھنے لگا تھا جیسے وہ بھی میرے اس بیان کی تصدیق کریں گے مگر وہ ساکت ہی رہے اور میں رونے لگا۔

مجھے تو یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ چاچو نے آخری لمحوں میں مجھے باہر کیوں نکال دیا تھا۔ ڈاکٹر منصوری چپ تھے مگر وہ نرس جو میری کچھ بھی نہیں لگتی تھی کسی بڑی بہن کی طرح مجھے سمجھانے لگی۔

''وہ بہت تکلیف میں تھے اور چاہتے تھے جلد چلے جائیں لیکن تمہارے ہوتے ہوئے وہ جا نہیں پا رہے تھے یہ تو تم نے سنا ہوگا جس سے انسان بے تحاشا محبت کرتا ہے اگر وہ سامنے ہو تو روح اٹکی رہتی ہے اس میں۔''

میں نے نم آنکھیں اٹھا لیں خاموشی کی زبان میں مجھے باہر جانے کا اشارہ کرتے چاچو دل میں درد بن کر مقیم ہو گئے میں نے گھر میں فون نہیں کیا تھا چاچو کو لیے خاموشی سے گھر آ گیا تھا۔ کئی کھڑکیاں کھلی بند ہوئی تھیں ایک کھڑکی میرے گھر کی بھی تو کھلی تھی۔ یہ پریشان سی نشاء تھی مجھے ایمبولنس سے اترتے دیکھا تو نیچے چلی آئی منجھلے چچا نے بڑھ کر مجھے جھنجھوڑ دیا۔

''کیا ہوا ہے کس کو لائے ہو۔''

''چاچو! منجھلے چچا، چاچو چلے گئے۔'' منجھلے چچا نے حیرت سے مجھے دیکھا وارڈ بوائے اسٹریچر اٹھا کر اندر لے آئے اندر کے دالان میں

ایک تخت پر چاچو کو لٹا دیا گیا باقی سب لوگ نماز پڑھنے گئے ہوئے تھے میں چاچو کے برابر گم صم بیٹھا تھا جب اچانک دادو کی بوڑھی دلگیر آواز سنائی دی۔

''خاموشی سے چپکے چپکے سب کر آیا مجھے بتایا بھی نہیں کہ کیا قیامت ٹوٹنے والی ہے مجھ پر۔'' میں خالی آنکھوں سے دادو کو دیکھنے لگا کیسے کہتا کہ اس قیامت کا تو مجھے بھی نہیں پتا تھا۔

''صائب۔کیا کر لیا یہ کیا ہو گیا میرے بچے۔'' دادو بین کرنے لگے گھر کے سارے لڑکے لڑکیاں منہ چھپائے رو رہے تھے سب کے لیے ایک شاکڈ خبر تھی وگرنہ ہماری غیر موجودگی کو سب نے معمولی ہی لیا تھا۔اس سے پہلے بھی تو ہم راتوں کو اٹھ کر یونہی شہر خوباں سے چھلیں کرنے نکل جایا کرتے تھے مگر اب یہ شہر سنسان تھا کیا رکھا تھا یہاں اور دادو تھے کہ چاچو سے لڑ رہے تھے۔

ہمارے خاندان میں پہلے بڑوں کے جانے کا رواج تھا مگر یہ۔یہ لڑکا تو شروع سے باغی ہے ہر رسم کا ہر رواج کا مگر میں کیسے یہ بار گراں اٹھاؤں گا صائب......صائب حسین......دادو پھر رونے لگے اور وہ آج جتنا روتے کم تھا وہ جو کچھ دیر تھی وہ جلدی بن کر ہمارے گھر پر دستک دے چکی تھی بابا اور دونوں چچا سارے کزنز چاچو کو رخصت کرنے کے لیے تیاریوں میں مصروف تھے اور میں ساکت چاچو کو تک رہا تھا سب انہیں رو رہے تھے بس میں ہی چپ تھا۔چاچو دیکھ لیتے تو کتنا برا مانتے مگر میں خود کو یہ باور کروانے کے باوجود رونے کے لیے تیار نہ کر سکا پتا نہیں میرے آنسو کہاں چلے گئے تھے میں تو چاچو کی معمولی سی تکلیف پر ان سے زیادہ تڑپ کر رویا کرتا تھا مگر آج چاچو ہمیشہ کے لیے جا رہے تھے مگر میں نہیں رویا تھا پھر چاچو چلے گئے اور میں پھر بھی نہیں رویا مجھے اپنی طرف متوجہ کرتے رہے مگر آخری چند گھنٹے جیسے مجھ میں جم گئے تھے۔

دن پر دن آئے گزرتے چلے گئے چاچو کا چالیسواں تھا جب ان کا کمرہ کھولا گیا کتابیں ترتیب سے لگی ہوئی تھیں دادو ہر چیز کو چھو چھو کر رو رہے تھے پھر ڈائریوں کے ذخیرے کی طرف سب کی توجہ گئی تو میں نے دو ٹوک انہیں منع کر دیا۔

''یہ چاچو کی وصیت تھی کہ میں ان ڈائریوں کو نظر آتش کر دوں۔''

''نہیں یہ میرے بچے کی ہاتھ کی لکھی تحریریں ہیں۔''

''بابا ٹھیک کہتے ہیں عمار یہ اس کی نشانیاں ہیں۔''

''مگر میں ان کی مرضی کے خلاف نہیں کروں گا۔'' میں نے ایک نہیں سنی آتش دان میں آگ دہکا کر ہر برس کی ڈائری اس میں رکھتا چلا گیا دادو کتنی دیر مجھے دیکھتے رہے جلتی ڈائریوں کو غم و اندوہ سے تکتے رہے پھر وہ باہر چلے گئے کمرے میں میں تنہا تھا اور آخری پانچ سالوں کی ڈائریاں میرے سامنے تھیں۔

''چاچو بتایئے ناں ان پانچ سالوں میں آپ پر کیا بیتا۔''

کہیں اچانک مجھ میں اپنا ہی سوال گونجا تو میں نے نظر بچا کر وہ ڈائریاں اٹھا لیں سامنے چاچو کی تصویر مجھے گھور رہی تھی مگر میں نے ان سے نظریں چرا لیں آخر کیا غم تھا جو چاچو کو کھا گیا۔تجسس تھا مجھے سو میں نے ڈائریاں اپنے سیف میں رکھ کر مقفل کر دیں اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

پھر کتنے ہی دن آنکھیں بند کئے گزر گئے میں جاب بھی اسی سوئی جاگی کیفیت میں کر رہا تھا کہ میرے آفیسر نے مجھے لمبی چھٹیوں کا مشورہ

دیدیا، درخواست انہوں نے ہی تیار کی تھی مجھے صرف دستخط کرنے تھے اور آج کل میں واقعی صرف تنہا رہنا اور آرام کرنا چاہتا تھا اس لیے میں نے دستخط کردیئے مگر گھر میں مسلسل خاموشی کے ڈیرے تھے۔ نشاء بچوں کی سمر ویکیشنز کے باعث اپنے ماموں کے ہاں ملتان گئی ہوئی تھی اس لیے میں نے اتنے طویل عرصے بعد چاچو کی ڈائریاں باہر نکالیں کمرہ بند کر کے میں رائٹنگ ٹیبل پر کرسی گھسیٹ کر سامنے آبیٹھا۔ ایک تجسس میرے اطراف بکھر کر رہ گیا پہلی ڈائری 1991ء کی تھی جنوری کے بیس بائیس دن چاچو کی عام روٹین سے بھرے ہوئے تھے میں نے مزید صفحے الٹے مگر اچانک ہی تجسس کو مہمیز لگی، لکھا تھا۔

25 جنوری 1991ء

اور پھر ہمیشہ کی طرح جو میں حرکت کر رہا تھا وہ کسی بھی معاشرے میں اچھی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی میری کار اس وقت سبک رفتاری سے رات کے اندھیرے میں محو سفر تھی اور میری آنکھیں اگلی مرسیڈیز کے اسٹیئرنگ وہیل کو مہارت سے گھماتی اس خوش جمال پر تھیں جو لاکھوں کی نہیں کروڑوں کے دل کی دھڑکن تھی اس حالت میں اگر اس وقت مجھے کوئی دیکھ لیتا تو شاید مجھے اغوا برائے تاوان والے کسی گروہ کا کارکن سمجھتا لیکن خیر میرا کام اس سے کچھ مختلف بھی نہیں ہے لوگ مجھ سے کبھی بھی تعلق رکھنے کے خواہاں نہیں ہوتے لیکن انہیں مجھ سے رواداری نبھائی پڑتی ہے میری بات میں بڑا دم ہے یہ میں نہیں وہ لوگ کہتے ہیں جو میری ان ہی باتوں سے بے دم رہا کرتے ہیں۔

مجھ سے تعلق رکھنے والے سب ہی لوگ مجھے سراہتے ہیں لیکن ان کا انداز مختلف ہوتا ہے اور اسی انداز کو میرے حاسد غلط رنگ میں ہائی لائٹ کرتے ہیں ان کا ایک ہی نعرہ ہوتا ہے۔ ''زرد صحافت'' لیکن یہاں کوئی ایک کام بھی درست ہو رہا ہوتا تو میں ان کا احتجاج مان بھی لیتا جب آوے کا آوا بگڑ گیا ہے تو میں مختلف نظر آنے کی کوشش میں متروک زمانہ کیوں بن جاتا اپنے بابا کی طرح جن کا اب سارا وقت گھر سے باہر کین کی کرسی پر بیٹھے گلی کے بچوں کو اخلاق کا سبق دینے میں گزر جاتا ہے۔

بابا کے اندر ابھی تک ایک لوئر کلاس کی روح زندہ ہے اب سویٹ ڈائری تم سے کیا پردہ۔ دراصل وہ چاہتے ہیں جیسا ان کا اپنے بچوں پر حق ہے گلی کے دوسرے بچے بھی ان کے بچوں ہی کے برابر کا درجہ رکھتے ہیں اور یہ ان کا فرض ہے کہ وہ انہیں اچھے برے کی تمیز دکھائیں کتنی پرانی ہے ناں ان کی سوچ۔ مجھے بھی یہی لگتا ہے لیکن انہیں میری ہر بات سے اختلاف کا کوئی نہ کوئی نکتہ مل ہی جاتا ہے وہ میری یہ معمولی سی بات سمجھ ہی نہیں پاتے کہ جن بچوں پر ان کے والدین کا حق ہونے کے باوجود کوئی حق نہیں ہوسکتا یا۔ یا جو اپنے والدین کو نہیں پوچھتے وہ ان کو کیا پوچھیں گے؟

وہ وقت گیا جب گلی کا ہر بزرگ بچوں اور نوجوانوں کا اتالیق اور استاد مانا جاتا تھا اب تو بزرگوں کی اپنے گھر میں دال نہیں گلتی تو کیا یہ بہتر نہیں کہ نازیبا القابات سننے کی بجائے اپنی ہی طرف دیکھا جائے۔ مگر ڈیر ڈائری کیا کروں میرے بابا بھی اپنے نام کے ایک ہی ہیں اس نفسا نفسی کے دور میں اسے خود غرضی سے تشبیہ دیتے ہیں لیکن میں اس قسم کے خناس میں مبتلا نہیں ہوں میں نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے اتنے قریب سے کہ میں اس پر غزل کہنے کی ہمت نہیں کرسکتا۔

زندگی کوئی حور شمائل بھی تو نہیں کہ میں اس پر شاعری کروں تمہاری بات ہوتی تو میں کوشش بھی کرتا مگر ڈیر ڈائری مجھے زندگی ہی پر

شاعری کرنے کا عندیہ ملا تھا جو مجھے قبول نہیں تھا زندگی تو میرے لیے سدا رقیب کی طرح رہی ہے جس نے ہمیشہ مجھے منہ کے بل گرانا چاہا میں نے جس طرف قدم بڑھائے اس نے وہیں کانٹے بچھا دیے اور یہ تم سے بہتر کون جان سکتا ہے۔ میری کوئی بات تم سے چھپی نہیں لیکن کبھی کبھی دل چاہتا ہے نا خود کو دہرائے کو تو میں کیا کہہ رہا تھا......

ہاں یاد آیا میں تمہیں یہ بتا رہا تھا کہ اس زندگی نے مجھے کتنا تنگ کیا ہے مجھے سدا ایسا ہی لگا جیسے میرا سفر بند گلی کا سفر ہے جہاں سے کوئی راستہ نہیں نکلتا مجھے جتایا گیا کہ زندگی اور دنیا اسی کی ہے جو اسے خرید کر غلام بنانے کی استطاعت رکھتا ہو۔ سو یہی حقائق اور زمینی سچائیاں تھیں جنہوں نے مجھے اپنے بابا اور دوسرے بھائیوں کے خیالی یوٹوپیا میں رہنے بسنے سے اجتناب کرنا سکھایا میں نے اتنی تعلیم اسکول کالجز سے نہیں حاصل کی جتنی رلتے پھرتے گلیوں میں ایسے نام نہاد انقلابیوں کے کارناموں سے سیکھی ہے جنہیں اس زندگی نے دھوکا دیا تھا بس انہی راستوں کے باعث میں اس سے بددل ہو چکا ہوں۔

بلکہ اگر کوئی خلق خدا کا راج کرنے کی بات کرتا ہے تو میں ایک اونچا سا قہقہہ لگا کر اس جھوٹ کو مضبوط ہونے سے پہلے مار دیتا ہوں کہ کہیں میرے اندر بابا کی بلڈ کیمسٹری کا کوئی عنصر بغاوت کر کے انکے راستے پر نہ مڑ جائے تمہیں تو پتا ہے میں باہر سے کچھ بھی کیوں نہ ہو جاؤں کسی رنگ میں ہی کیوں نہ رنگ جاؤں اندر سے بابا کا رنگ اترتا نہیں اور یہ بڑی ناکامی ہے، خیر مجھے اس ناکامی نے ہی تو ہر وقت چوکنا رہنا سکھایا ہے۔ یہ میری بابا کی بے تحاشا اچھائی کا ردعمل ہی تو ہے جو میں اتنا برا بن گیا ہوں کہ اپنی شکل پہچاننے لگتا ہوں تو آئینہ دھندلا جاتا ہے یہ ان کی بے بسی کا احساس ہی تو ہے جو میں دوسروں کو اپنے سامنے بے بس دیکھتے رہنے کا خواہاں ہوں۔

میرے بابا نے بہت ایمانداری سے صحافت کی وہ جب یہاں آئے تھے تو پاکستان کی بنیادیں اٹھ رہی تھیں۔ تنظیم، اتحاد اور یقین محکم ہر اینٹ کے نیچے خوابوں بھرے ریشم کے ساتھ رکھا جا رہا تھا اور ہر شخص دوسرے شخص پر اس ایثار میں بازی لے جانا چاہتا تھا بس بابا اسی مسمریزم میں آگئے اپنا سب کچھ اپنے پیشے کی سچائی کے دفاع، اپنے ملک کی اچھائی کی جنگ میں لگا بیٹھے اور تم تو گواہ ہو کہ پھر وقت بدل گیا لیکن بابا کی سوچیں نہیں بدلیں وہ ساری زندگی چناب اور دریائے سندھ کے منہ زور پانی کی طرح بہتی رہیں لوگ اپنی سچائی کی قیمت لے کر کہیں سے کہیں پہنچ گئے اور بابا سچ تمغے کی طرح سجائے جیل میں قید رہے اور شاید ان ہی دنوں مجھ پر یہ کھلا تھا کہ انسان کو انسان ہی رہنا چاہیے وہ اوتار یا فرشتہ نہیں بن سکتا اس لیے کہ اس کی بیوی بچے بھی ہوتے ہیں ان کا مستقبل بھی پیش نظر رہتا ہے لیکن بابا نے یہ کبھی نہیں سوچا۔

برے دن گزر گئے اچھے دن آئے تو انہیں ان کی سچائی کا یہ سرٹیفکیٹ ملا کہ نوکری سے برخاست کر دیا گیا اس دن سب بابا کی دلجوئی کر رہے تھے اور میں ان پر ہنس رہا تھا اور مجھے ہنسنا بھی چاہیے پلیز سویٹ ڈائری اس بات پر خفا مت ہو کیونکہ میں حق پر تھا تم ہی بتاؤ کوئی شخص اس قدر نا انصافیاں سہے پھر بھی وہ یہی گردان کرے کہ وہ ایک صحافی ہے سچ کا علمبردار صحافی تو تم ہی کہو غصے میں طنز بھرے قہقہے سینے سے پھوٹیں گے کہ نہیں، سو اس دن میں بھی خوب ہنسا اور بابا خود کو یہ تسلی دیتے رہے کہ سچائی نوکری نہیں ہوتی کہ برخاستگی کے بعد اس کام سے ہاتھ ہٹا لیا جائے وہ سچ بولتے رہے، بولتے رہے۔

تو ہوا یوں بابا فری لانسر کالم نگار بن گئے مگر مجھے ان کی سچائی سے کوئی سکھ نہیں ملا میری ماں روتے روتے بابا کے غم میں گھل کر مر گئیں اور میں زندہ رہا سو اس روش اس راستے پر نکل آیا اور لوگ جانتے تھے میں اوروں سے کس قدر کامیاب صحافی تھا میرے گلے میں کسی کا پٹہ نہیں تھا میں آزاد گھوم سکتا تھا۔

تم ہی بتاؤ فرینڈ مستقل نوکری میں کیا ہاتھ آ سکتا تھا صرف ڈھائی تین ہزار اور ڈھائی تین ہزار میں روز کمانا چاہتا ہوں اور اس کام میں ناکام بھی نہیں بس کچھ بزعم خود اچھے لوگوں اور میرے بابا کو میرا یہ کام ایک آنکھ نہیں بھاتا خیر نہ بھائے مجھے اس کی پرواہ بھی نہیں ہوتی محض اچھا بننے کی تسلی پر میں اپنا مستقبل کیوں داؤ پر لگاؤں، میں یہ کیوں سوچوں کہ لوگ کیا سوچتے ہوں گے میں تو صرف اتنا جانتا ہوں جب بھوک میں یہ لوگ آپ کے لیے من و سلویٰ نہیں لا سکتے تو انہیں یہ حق بھی نہیں پہنچتا کہ وہ آپ کے بارے میں کچھ سوچیں بالفرض وہ پھر بھی اپنا یہ شوق پورا کرنا ہی چاہتے ہیں تو شوق سے کریں مجھے ان کے ان افسانوں یا گیتوں بھری کسی کہانی کا کردار بننے سے کوئی لگاؤ نہیں۔ نالہ زیادہ لمبا ہو جائے تو اپنا ہی گلا چھلتا ہے۔ بس میں اسی بات کا قائل ہوں کہ یہ سب چیخ چیخ کر آپ ہی اپنی آواز کھو کر مطمئن ہونا چاہتے ہیں تو سو بسم اللہ مجھے تو اسی طرح سے جینا ہے آزاد اور بااختیار۔ کیا بتاؤں تمہیں جب کسی بہت بڑے بزنس ٹائیکون یا کسی بڑی سیاسی شخصیت کو محض ایک تصویر کے عوض میں اپنے قدموں میں جھکا دیکھتا ہوں تو مجھے کتنی مسرت حاصل ہوتی ہے اس لمحے اگر بابا میری آنکھوں میں جھانک لیں تو انہیں اپنی ہر تذلیل کا سود سمیت حساب برابر ہوتا نظر آ جائے لیکن وہ ایسا نہیں کریں گے۔"

"چاچو" میں نے گھبرا کر ڈائری بند کر دی آنسو رخساروں پر بہہ آئے میں نے کھڑکی سے سرمئی ہوتی شام کو دیکھا۔

یہ موسم کتنا پسند تھا چاچو کو کہتے تھے۔ "سرمئی شام ہو بادلوں کا جمگھٹا ہو اور زیورچ میں کسی لکڑی کے گھر کے سامنے بیٹھے گرما گرم کافی کا مگ لگا ہو ہونٹوں سے، سچ عمار لطف ہی آ جائے۔" مگر سب کچھ ویسا ہی تھا مگر ایک چاچو ہی نہیں تھے زیورچ سے نرم رو ہوائیں جیسے چاچو کی تعزیت کے لیے میرے اطراف میں بکھر رہی تھیں کسی کشتی میں کوئی ملاح اب بھی کوئی گیت گا رہا تھا مگر اس منظر میں چاچو کہاں تھے۔ یکلخت دماغ بہت پیچھے چلا گیا تھا۔

میں اور چاچو ان دنوں سمندر سے عشق کرنے نکلتے تھے ساحل سے ہم نے ففتھ آئی لینڈ کے لیے بوٹ لی تھی چاچو بہت ماہر تھے اس معاملے میں ہمارا ارادہ تھا کہ ہم ویک اینڈ ففتھ آئی لینڈ کی چھوٹی سی بستی سوناری میں کسی ہٹ وغیرہ میں گزاریں گے ہمارے ساتھ صرف ہمارے بیگ تھے یا دادو کی نصیحتیں اور بابا کی محبت امی کی خفگی وہ شروع سے چاچو سے چڑتی جو تھیں خیر ہم ففتھ آئی لینڈ کے لیے روانہ ہوئے چاچو خود کو بڑا ماہر سیلر اور کیپٹن سمجھ رہے تھے اس لیے انہوں نے اپنے ساتھ کوئی سمتوں اور راستے کی جان پہچان رکھنے والا ہیلپر بھی نہ لیا۔ چاچو جو مکمل طور پر خود پر یقین رکھتے تھے مگر آدھے راستے ہی میں تھے کہ اچانک چاچو کی نگاہیں کمپاس کی طرف مڑ گئیں کمپاس کی سوئی کی طرح ان کی آنکھیں بھی ہل جل رہی تھیں۔

"ایک چھوٹی سی گڑبڑ ہو گئی ہے۔"

"کیسی گڑبڑ چاچو۔"

"وہ یار ہم راستہ بھول گئے ہیں۔"

''راستہ بھول گئے ہیں اور آپ اسے چھوٹی سی گڑبڑ کہتے ہیں آپ کو پتا ہے ہم اس طرح تو کسی نہ کسی خفیہ چٹان سے ٹکرا کر جا ہو سکتے ہیں۔''

''ہاں یار یہی تو میں سوچ رہا ہوں کہ دس آدمیوں کو بیک وقت بھی بلیک میل کروں تب بھی اس کا ہرجانہ نہیں بھر سکتا۔''

''چاچو زندہ بچو گے تو ہرجانہ بھرو گے نام نہیں جانتے کہ یہاں چھوٹی بڑی ظاہر اور پوشیدہ چٹانیں سینکڑوں کی تعداد میں بکھری پڑی ہیں۔''

''وہ تو ہے لیکن عمار یار ایک تسلی ہے یہاں شارک فیملیز نہیں ہوتیں ورنہ ہماری لاشیں بھی نہ ملتیں۔''

''آپ کو دفن ہونے کا بڑا شوق ہے چاچو۔''

''کیوں نہ ہو بھئی بندہ مرے تو یہ تو اس کا حق ہے ناں، اس کی ایک کچی ہی سہی اپنی قبر ہوتا کہ لوگ اس پر ہار پھول چڑھائیں فاتحہ پڑھیں۔''

چاچو شوخی سے مسکرائے اور پھر یہاں تک کہ رات ہوگئی اور میں ڈرنے لگا۔

''چاچو اب کیا ہوگا۔'' چاچو نے مجھے دیکھا پھر جھلا کر بولے۔

''میں تو راستہ بھول گیا ہوں تم تو گھر جاؤ۔''

''ہیں چاچو۔'' میں نے حیرت سے دیکھا تو چاچو ہنسنے لگے۔ پاگلوں کی طرح پھر اس سے پہلے کہ میں چھ فٹ چھ انچ کا پورا مرد ہو کر رونے بیٹھ جاتا کوسٹ گارڈ نے ہمیں آ لیا۔

''تم کون ہو یہاں کیا کر رہے ہو۔''

''گھومنے نکلے تھے اب اپنی قسمت کو رو رہے ہیں۔'' چاچو نے شگفتگی برقرار رکھی پھر وہی ان کی جان پہچان نکل آئی تو اس آفیسر نے ہمیں سوناری تک پہنچایا چاچو کاندھے پر ہاتھ مار کر ہنسے۔

''بچ گئے بچو ورنہ بڑی بری ہوتی مجھے اپنی تو پروا نہیں تھی مگر تم اپنے ماں باپ کے اکلوتے لخت جگر تھے تمہاری بڑی فکر تھی۔'' میں نے گھور کے دیکھا تو چاچو مسکرانے لگے۔

''چاچو۔''

''ویسے کیا خیال ہے اگلی بار پھر نہ نکلیں فقط آئی لینڈ کے لیے سنا ہے کولمبس بھی تو ایسے ہی نکلا تھا اور امریکا دریافت کر بیٹھا ویسے زندگی میں پہلی بار کسی کی حماقت کی اتنی مدح سرائی سنی ہے کیوں نہ ہم بھی کر بیٹھیں ایسی کوئی حماقت۔''

''کیوں نہیں ضرور کیجیے لیکن آپ کی حماقت پر کوئی تالی بجانے والا بھی نہیں ہوگا۔''

''چلو بور نہ کرو۔'' چاچو نے خاموش کروا دیا پھر ہٹ کے باہر کین کی کرسی پر بیٹھے انہوں نے مجھے مخاطب کیا۔

''عمار میرا دل چاہتا ہے کبھی کوئی سرمئی شام ہو بادلوں کا بہت سارا جمگھٹا ہو اور میں بالکل اسی طرح زیورچ کے کسی ہٹ کے سامنے بیٹھا ہوں اور تم میرے سامنے کشتی میں بیٹھے وہیں کا کوئی الوہی گیت سناؤ۔''

میں نے شرارت سے انہیں دیکھا۔

''چاچو آپ مجھے اتنا بدذوق سمجھتے ہیں کہ اتنی دور جا کر بھی میں وہ الوہی گیت آپ کو سناؤں گا کیا وہاں کی حسینائیں مرگئی ہیں۔''

''عمار کے بچے۔'' انہوں نے میرا کان پکڑ لیا میں نے قہقہہ لگایا چاچو بھی میرے ساتھ ہنسنے لگے......لیکن میں اس وقت اتنے دل سے کیوں ہنسنے لگا تھا یہاں تو نہ سوناری کی بستی تھی نہ چاچو نہ ان کے ہاتھ میں کافی کا بھاپ اڑاتا مگ سب کچھ ختم ہوگیا تھا باقی بچا تھا تو میں تنہا ان کی ڈائری ہاتھ میں پکڑے ان کے جذبوں کی چوری کرتے ہوئے بالکل تنہا۔

ہنسی پھر آنسو بن گئی تو میں نے پھر ڈائری کھول لی چاچو ڈائری سے مخاطب تھے۔

''میں اس خوش جمال کا تعاقب کررہا تھا کئی دنوں سے ہر بار یہ مجھے چکمہ دے جاتی تھی لیکن آج میں نے ہر صورت اسے جادو سے اپنے قبضے میں کرنا تھا تاکہ کوہ قاف کی کنجی حاصل کرسکوں پرانے زمانے میں کالے دیو ہوتے تھے لیکن نئے زمانے میں مجھ جیسے دیوداس ہوتے ہیں جو صورت سے حلیم الطبع لگتے ہیں لیکن حقیقتاً......اب سب کیا بتاؤں تم تو مجھے بہت اچھی طرح جانتی ہو ہاں تو میں نہایت چابک دستی سے اسے فالو کررہا تھا کہ کار مون کلب میں داخل ہوگئی میں نے بھی کار اندر ہی داخل کردی مگر میرے سوچتے دماغ کو وہاں یکدم جھٹکا سا لگا۔

''پلیز سر! اپنی گاڑی پچھلی طرف لے جائیے آج کچھ وی آئی پی گیسٹ آنے والے ہیں سامنے کار پارکنگ لاٹ اسی لیے خالی رکھنے کا حکم ہے۔''

باوردی دربان نے گو نہایت اخلاق سے کہا تھا مگر مجھے ایسے اخلاق سے کوئی سروکار نہیں تھا۔خوش اخلاقی سے لپیٹ کر اوقات یاد دلانے کا یہ حربہ بہت پرانا ہوگیا تھا سو میں نے بھی کار واپس موڑنے کی بجائے مزید اچھی سی جگہ دیکھ کر اور آگے بڑھا دی۔

''پلیز سر! دیکھیے یہ آپ زیادتی کررہے ہیں آج کا حکم یہ ہے۔''

''ایک منٹ مسٹر دربان یہ حکم صرف آپ کے لیے ہوسکتا ہے میں اس سے مستثنیٰ ہوں۔''

''میں منیجر صاحب کو بلاتا ہوں۔''

''شوق سے، منیجر صاحب کم لگیں تو دس بارہ ویٹرز اور ہوٹل کے مالک کو بھی ساتھ لیتے آنا تاکہ تمہیں باور کروانے میں آسانی ہو کہ میں تمہارے لیے کتنا اہم لائق عزت و تعظیم ہوں۔''

دربان چلا گیا میں کار لاک کرکے باہر نکل آیا پھر سگریٹ کا چوتھا پانچواں کش لیا تھا میں نے کہ مون کلب کا منیجر غصے میں جھنجھناتا ہوا مجھ تک آیا میں نے دانستہ پشت کرلی تھی اور وہ میری ڈریسنگ سے متاثر ہوگیا تمہیں پتا ہے مجھے اس وقت کتنا لطف آیا تھا بائی گاڈ یار یہ مذاق نہیں ہے منیجر سے واقعی ایک لمحے تو کچھ بولا ہی نہیں گیا تھا میں اس کی بدحواسی سے حظ اٹھا رہا تھا جب دربان نے آگے بڑھ کر میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''سر! میرے منیجر۔''

''اوکے لیکن غریب لوگوں سے بے تکلفی مجھے قطعاً پسند نہیں۔'' اس کا ہاتھ کاندھے سے ہٹا کر میں مڑا تو منیجر کا غصہ یکدم جھاگ کی طرح

بیٹھ گیا منہ کھلا اور آنکھیں مجھ پر جمی کی جمی رہ گئیں اسے اپنی پوزیشن کا احساس ہوا تو گلا کھنکار کے بولا۔

''افوہ آپ ہیں مسٹر صائب پہلے نام بتا دیا ہوتا تو اتنی بدمزگی نہ ہوتی ویسے آپ نے کل تو اس پروگرام میں عدم دلچسپی کا اظہار کیا تھا پھر یہاں اچانک۔''

''بس یونہی موڈ بن گیا تو میں چلا آیا لیکن اندازہ نہیں تھا اب تمہارے ہوٹل کے رولز اور تمہارے اخلاق میں اس قدر تبدیلی آ گئی ہو گی۔

''افوہ بھول جائیے مسٹر صائب حسین یہ دربان بس ذرا شاہ کی وفاداری میں کچھ حد سے ہی بڑھ جاتا ہے۔''

''میں جانتا ہوں مسٹر منیجر یہ اس ملک کا پرانا چلن ہے۔''

منیجر نے میرا موڈ بہتر دیکھا تو میرا ہاتھ یوں تھام لیا جیسے ہم بچپن سے ایک ساتھ ہی کھیلے کودے ہیں اور آج برسوں بعد پرانی یادیں تازہ کرنے اولڈ کیمپس کی روشوں پر ٹہلنے کا سفر اختیار کرنے لگے ہیں۔ میں اس طرح دار اداکارہ کے بارے میں سوچ رہا تھا اور منیجر تھا کہ مجھے مزید شیشے میں اتارنے کے لیے لفظوں کی بربادی کرنے پر تلا ہوا تھا اسے پتا ہی نہیں تھا میں جتنا باہر سے خبیث ہوں اندر سے اس سے کہیں زیادہ اس خزانے سے بھرا ہوا ہوں۔ منیجر کے جملوں کو کسی چکنے گھڑے کی طرح خود پر سے پھسلتے دیکھا میں کون سا شاہ تھا جو اسے خلعت عطا کر دیتا میں تو تیسری دنیا کے ایک تیسرے درجے کا برعم خود سچے صحافی کا بیٹا تھا بس اس لیے ایسی خوشامد مجھ میں اطمینان بھرنے کی بجائے اور احساس کمتری کی آگ بھڑکا دیتی تھی۔

''مسٹر منیجر مجھے تمہاری غیر قانونی سرگرمیوں سے فی الحال کوئی سروکار نہیں اس وقت میں صرف ریکریشن ہال کا ایک وی آئی پی ٹکٹ چاہتا ہوں اور بس، کبھی تسلی سے بیٹھے تو تمہارے ہوٹل کی شہرت پر قصیدہ بھی سنیں گے اور سہ غزلہ بھی عرض کریں گے لیکن اس وقت تو میں نہایت عدیم لفرصت ہوں۔''

میں نے اس سے پھر فرمائش کی وہ سر ہلا کر آگے بڑھ گیا اور دس منٹ بعد خود ہی واپس لوٹا۔

''یہ آخری ٹکٹ تھا آپ تو جانتے ہیں یہ طائفہ کس قدر مشہور طائفہ ہے۔''

''میرے خیال میں لوگوں کا یہ پہلا تجربہ نہیں وہ تو اس صنف کے پیچھے ازل سے پاگل ہیں جنت سے بے دخلی کا واقعہ تمہیں بھول گیا ہو گا مجھے نہیں، ہاں تو میں ذرا ملاحظہ تو کروں مادام گلوریا کس قسم کا فن پیش کرتی ہیں۔''

منیجر کے نقش کی ایک ایک لکیر میرے لیے ناپسندیدگی کا اتنا واضح تاثر رکھتی تھی کہ مجھے غصہ آ جانا چاہیے تھا لیکن ایسا ہوا نہیں مجھے خود سے نفرت کرنے والوں پر شروع سے ہی کبھی غصہ نہیں آیا کیوں کہ خود سے محبت کرنے کے لیے شاید میں خود ہی کافی ہوں یا وہ عمار ہے جو پاگلوں کی طرح مجھے چاہتا ہے بہت اسٹوپڈ بوائے ہے، ہے تو مجھ سے ایک سال چھوٹا مگر مجھ سے بڑا لگتا ہے۔ اس کا بھی عجیب خبط ہے میری طرح مجھے چاہے جانا بھلا کوئی اس سے پوچھے مجھ میں بھی کوئی چاہے جانے والی بات ہے۔ نہیں ناں لیکن یہ بات اس کی ننھی عقل میں نہیں آتی۔

آنسو پھر ٹپکنے لگے۔

آگے پڑھا لکھا تھا۔

''اور بالکل اس کی عقل کی طرح میرا دل ہے میں اپنی محبت میں خود سے اتنا مخلص ہوں کہ مجھے کبھی کسی سے شکایت نہیں ہوئی اور یہ بہت پرانا مقولہ ہے خوش وآسودہ رہنا چاہتے ہو تو اپنے کانوں کو غیبت اور اپنی زبان کو شکوہ سے روک لو اول الذکر کا چونکہ میری روزی سے بالواسطہ تعلق ہے اس لیے میں اس پر تو بہت ہی کم کاربند رہتا ہوں مگر دوسری بات پر میں نے ہمیشہ عمل کیا اس لیے کبھی کسی طرح کی نفسیاتی الجھن کا شکار نہیں ہوا۔ یہ اور بات ہے لوگ مجھے چلتا پھرتا نفسیاتی کیس کہتے ہیں مگر مجھے اس کی پرواہ نہیں سو میں نے منیجر کی پشت کو گھور کے دیکھا اور ہال کی طرف قدم بڑھا دیے پروگرام کی ایک کاپی مجھے ہال میں داخلے کے فوراً بعد ہی تھمادی گئی تھی اس لیے میں اپنی مطلوبہ میز کا نمبر دماغ میں دوہراتا بالآخر میز تک پہنچ ہی گیا میری آنکھیں مسلسل گردش میں تھیں اور چند منٹ کی توجہ کے بعد میں نے اسے پا ہی لیا وہ خالی میز پر خود بھی خالی محل کا دریچہ لگ رہی تھی ایسا دریچہ جس سے نہ آنکھیں جھانکتی ہیں نہ ہی چراغ کی تھرتھراتی لو دکھائی دیتی ہے وہ لو جسے سحر کا انتظار مار ڈالتا ہے اور وہ بجھنے سے پہلے اک بار اس منظر سے لپٹنا ضرور چاہتا ہے مگر تیز آندھیاں اسے بجھا کر ہی دم لیتی ہیں اور اس وقت وہ کسی بجھے ہوئے چراغ کا دھواں ہی تھی اپنے اردگرد مرغولے بناتا دھواں جس سے دم گھٹ جائے۔

''آرڈر سر۔'' یکدم کان کے قریب شستہ لہجہ سنائی دیا تو میری سوچ کا ردھم وہیں درہم برہم ہوگیا آرڈر دے کر میں نے دوبارہ میز کی طرف دیکھا میز خالی تھی۔ ''یہ کہاں چلی گئی۔''

''ایکسکیوز می کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟'' ترنم بھرا لہجہ بالکل میرے کہیں قریب ہی جھرنے کی طرح پھوٹا بے ساختہ نظریں اٹھ گئیں یہ اور بات کہ انہیں دوبارہ جھکا لینے میں مجھے دانتوں پسینہ آگیا۔

''کیا آپ حسین ہی اتنی ہیں یا میری آنکھیں جواب دے گئی ہیں؟''

''ہاہاہا۔'' نقرئی قہقہہ پھلجھڑی کی طرح چھوٹا میں اس قہقہے کی شگفتگی میں پورپور بھیگا ہوا تھا۔

''تم بہت اسمارٹ ہو صائب حسین۔'' اس نے شرارتی لہجے میں مجھے دیکھا تو یوں ایکسپوز ہونے پر میں خجل ہونے کی بجائے ڈھٹائی سے اسے دیکھنے لگا اور یہی میرا اسکریٹ آف پاور ہے۔

''آپ! تو آپ مجھے جانتی ہیں مس جاناں۔''

''کیوں نہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو کیا تم مجھے اس وقت پاسکتے تھے۔''

''مگر اس سے پہلے تو آپ نے مجھے کئی بار ڈاج دیا تھا پھر آج کیوں؟'' میں نے اس کی بڑی بڑی غلافی آنکھوں میں جھانک کر پوچھا تو وہ مسکرا کر بولی۔

''بس دل چاہ رہا تھا تم سے ملنے کو آج میری ساری شوٹنگز پیک اپ ہوگئی ہیں تمہیں پتا ہے کیوں؟'' اس نے میری آنکھوں میں غور سے دیکھا میں نے نظریں جھکالیں پھر گلا کھنکار کے کہا۔

''شاید آپ کا موڈ نہیں ہوگا سامنے کی بات ہے آج کل فلم انڈسٹری سرمائے اور قابلیت کی بجائے ہیروئنز کے موڈ پر ہی تو چل رہی ہے۔

شاید اسی لیے ہی روزنامہ چمک کے سب سے زیادہ چمکیلے باب کا فری لانس ایڈیٹر ہوں۔"

"تم واقعی ایسے ہی ہو لیکن یہ فری لانسر کیوں؟ ایسا ہوتا تو نہیں ہے کوئی اخبار کسی فری لانسر کو ایڈیٹری دے۔"

"ہوتا تو نہیں ہے بس چمک کے مالک یعنی میرے نام نہاد باس کی کچھ یادگار یادیں میرے قبضے میں ہیں اس لیے وہ یہ عنایت کرنے پر مجبور ہیں۔"

"اوہ بلیک میلنگ۔" میں نے اس کے چہرے پر دیکھا وہاں اس لفظ سے کسی طور نفرت ہویدا تھی نہ ہی خوف یوں لگتا تھا جیسے وہ میری بلیک میلنگ کو بھی انجوائے کر رہی ہو۔

"تمہیں بلیک میلنگ پسند ہے کیا؟"

"نہیں خیر میں ابھی اتنی بھی خبطی نہیں ہوئی مگر یہ تم جیسے ڈیشنگ بندے کو آخر اس گھٹیا کام کی کیا سوجھی۔"

اس نے سگریٹ سلگا کر مجھے دیکھا لیکن میں نے ہیروئنز کو اتنے قریب سے دیکھ رکھا ہے محض اسموکنگ کرتی کسی لڑکی کو دیکھ کر میں چونکنے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا۔

"مسٹر صاحب تم نے بتایا نہیں تم کیوں کرتے ہو یہ گھٹیا کام۔"

میں یہ سوال ہضم کر جانا چاہتا تھا کہ وہ مجھے چھیڑے مگر اس نے مجھے اکسایا تو میں بلاسٹ ہو گیا۔

"محض اس لیے میم کہ آپ جیسے سو کولڈ بڑے لوگ مجھے جاننے لگیں۔ آپ کا خیال ہے اگر میں ایم اے جرنلزم کی ڈگری لیے ایک نوکری کا سوال کرتا پھرتا میرے کپڑے انتہائی گھٹیا اور عام سے ہوتے میرے چہرے کا ماس بھوک و افلاس کے باعث ہڈیوں سے لگ چکا ہوتا تو آپ جیسی کوئی حسین و جمیل لڑکی جو خود لاکھوں دلوں کی دھڑکن ہو میری طرف متوجہ ہوتی؟ نہیں مس جاناں آپ مجھے سڑک پر کھڑا دیکھتیں تو ہو سکتا ہے مترحم جذبے کے تحت مجھے فقیر سمجھ کر میری طرف کچھ نوٹ اچھال کر آگے بڑھ جاتیں یہ بھی محض ایک خیال ہے۔

میں جانتا ہوں بلیک میلنگ ایک غلط کام ہے مگر یہاں کون ہے دوسرے شخص کو بلیک میل نہیں کر رہا والدین اپنی محبت کو بلیک میلنگ کے طور پر استعمال کرتے ہیں تو بھائی بہن الگ اپنی محبتوں کو اس کام میں لاتے ہیں کیا سمجھیں آپ؟"

"یہی کہ تم میری سوچوں سے کہیں زیادہ ذہین شخص ہو۔" اس نے نہایت کھلے دل سے میری تعریف کی اور یہی ادا تو مجھے بھا گئی سو میں نے پوچھا۔

"کیوں مس جاناں کیا آپ کسی نئے اسکینڈل کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو کر آئی ہیں۔"

"کیا مطلب؟" اس کے چہرے پر ایک رنگ آ کر چلا گیا تو میں ہنسنے لگا۔

"آپ آن دی سیٹ سے ہٹ کر آف دی سیٹ بھی اداکاری کرتی ہیں مس جاناں۔"

"ہوتا ہے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔"

"لیکن اسے میں اداکاری کی کمزوری سمجھتا ہوں مس جاناں۔"

''بکومت مجھے اس بات سے اتفاق نہیں جب ایک فلاسفر سدا فلاسفر رہ سکتا ہے تو اداکار نے کیا بگاڑا ہے۔''

''صرف اتنا ہی گدھے اور گھوڑے میں کچھ تو فرق ہونا ہی چاہیے مس جاناں۔''

''اوہ تمہیں ڈر نہیں لگتا اتنی شارپ زبان استعمال کرتے ہوئے اگر کسی فلاسفر نے یا کسی اداکار نے برا منالیا تو۔''

''تو کیا ہے مس جاناں دو روٹیاں زیادہ کھالے گا اور بس۔'' وہ مجھے دیکھے گئی پھر آہستگی سے بولی۔

''اس ہال میں واقعی تقریباً سب ہی مجھے جاننے والے ہیں۔''

''یقیناً مس کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ ایک سیٹ پر یہ جو گرے سوٹ کی پشت ہے ناں یہاں الماس زبیری براجمان ہے روزنامہ سچائی کے کرتا دھرتا۔''

''مگر تم نے کیسے دیکھ لیا؟'' اس نے ہراساں ہو کر مجھے دیکھا تو میں نے سامنے کی طرف اشارہ کیا۔

''وہ سامنے گلاس ڈور اور وہ جو آرائشی شیشے نصب ہیں وہاں سے اس کا چوکھنا بہت واضح نظر آرہا ہے۔'' اس نے مجھے تحسین سے دیکھا پھر بولی۔

''صاحب کیا تم پرائیویٹ ڈیٹیکٹو ہو؟۔'' میں ہنسنے لگا۔

''نہیں مادام اگرچہ میں پرائیویٹ ڈیٹیکٹو نہیں لیکن میری جاب اس سے مختلف بھی نہیں۔''

''میں جانتی ہوں تم کتنے خطرناک ہو سکتے ہو۔''

''نہیں مادام یہ درست نہیں میں اب اتنا برا بھی نہیں شہرت کی خرابی اور بات ہے لیکن شرافت نجابت میں کسی طور کم نہیں۔''

اس نے مجھے دیکھا ہنسنے لگی مگر مجھے اس کے یقین نہ کر لینے سے دکھ پہنچ سکتا تھا نہ سکھ سو میں نے کرسٹل کے گلاس میں تیرتی اسٹرا کو قابو کیا لیمن اسکوائش......حلق سے اتر کر سینے میں ٹھنڈک کا احساس دے رہا تھا اور وہ مجھے محبت پاش نظروں سے دیکھ رہی تھی اتنے یقین سے کہ مجھے اپنی ذات کے اپنے ہونے پر شبہ ہونے لگا بدقت میں نے کہا۔ ''مس جاناں۔''

''نہیں آج سے صرف تم مجھے جاناں کہو گے اور ایسا کہنے والے تم دوسرے شخص ہو۔''

''ٹھیک ہے میں اس پہلے شخص کے متعلق نہیں پوچھوں گا جو مجھ سے زیادہ خوش نصیب تھا۔''

''تھا نہیں ہے، سنو میں تمہیں اس کے متعلق ضرور بتانا چاہوں گی۔''

''لیکن کیوں مجھ پر یہ عنایت کیوں جب کہ میں ایک ماہر بلیک میلر ہوں تم میری شہرت سے واقف ہو۔''

''ہاں مگر تمہاری شہرت پر یقین ہونے کے باوجود تم پر اعتبار کر لینے کو جی چاہتا ہے۔''

''اس کے باوجود کہ آج کی اس میٹنگ کی روداد نمک مرچ کے ساتھ کل چھپ بھی سکتی ہے۔''

''ہاں اس کے باوجود کیوں کہ میں چاہتی ہوں کوئی مجھے بلیک میل کرے وہ تم بھی ہو سکتے ہو اور یہ الماس زبیری بھی۔''

''ٹھیک ہے پھر وہ صرف میں ہوں گا تم بے فکر ہو کر اس پہلے شخص کی بابت بتاؤ جو تمہیں جاناں کہتا ہے۔'' اس نے مجھے دیکھا پھر آہستگی

سے بولی۔

''کل بتاؤں گی آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے کل ہم ڈائمنڈ ہٹ میں ملیں گے۔''

''او! وہ تو جنت ہے۔''

''ہاں اس لیے ہم وہیں ملیں گے۔'' وہ ہونٹ ہلکے سے دانتوں تلے دبا کر چپ ہوگئی اور میں اسے دیکھے گیا۔

''کیا دیکھ رہے ہو؟'' میری محویت دیکھ کر اس نے بلش ہو کر مجھے دیکھا تو میں ہنسنے لگا۔

''سوچ رہا تھا ایسے موقعوں پر ڈنر کی دعوت دوں یا جوس کی۔''

وہ ہنسنے لگی پھر شرارت سے بولی۔

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے ڈیر صاحب میں یہاں ڈیٹ پر نہیں آئی جو تم مجھے آفر دو میں تو بس محض دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی تھی رہی جوس کی آفر تو یہ لیمن جوس کا ہاف گلاس ہی میرے لیے کافی ہے۔''

سگریٹ ایش ٹرے میں بجھا کر اس کی باتوں کی وجہ سے جو جوس بچ گیا تھا اس نے اس بچے ہوئے جوس کے گلاس کو اٹھا کر اپنے سامنے رکھ لیا میں نے ہونق ہو کر اسے دیکھا تو سوال پوچھا۔

''کیوں صاحب تمہیں اعتراض ہے اگر میں یہ جوس پی لوں؟''

''نہیں جاناں میں تو یہ سوچ رہا تھا یہ حرکت آپ کی ہائی سوسائٹی کو سوٹ نہیں کرتی۔''

''اوہ ہائی سوسائٹی، چھوڑو تم اس چکر کو نہیں شاید تم اس طرح بھی مجھ پر کوئی طنز کر رہے ہو۔''

''نہیں جاناں میری مراد وہ ہائی سوسائٹی نہیں جو آج کل اخبارات میں ہیروئن کی شہرت کے ساتھ ہائی لائٹ ہے یہ سب جانتے ہیں کہ تم ان میں سے ہو ہی نہیں۔''

''کن میں سے مائی ڈیئر صاحب۔'' وہ لحہ بھر کو تھمی پھر بولی۔

''سچ پوچھو تو صاحب میں حقیقت میں کسی گروپ سے ہوں ہی نہیں، دنیاداری اور تھوڑی سی دینداری میں آدھی آدھی بٹی ہوئی روح ہوں نہ میں اس جہاں کی رہی نہ اس جہاں کی تمہیں پتا ہے صاحب کبھی کبھی مجھے موت سے خوف کیوں آتا ہے؟''

''عموی تکلیف اور نزع کی تکلیف سے۔''

''نہیں صاحب مجھے صرف اس لیے خوف آتا ہے اگر میں ان لوگوں میں ہوئی جن کے الٹے ہاتھوں میں نامہ اعمال پکڑایا گیا تو...... میں نے کبھی اللہ سے محبت نہیں کی پھر بھی یہ اندر سے بلڈ کمپوزیشن کے کسی باغی عنصر کے کمال کہو یا اس کی مٹی میں اپنی محبت گوندھ لینے کا ہنر سمجھو حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس کے ناراض ہو جانے سے کبھی کبھی بڑا ہی خوف آتا ہے۔''

''تم بتم یہ دنیا، یہ چکا چوند چھوڑ کیوں نہیں دیتیں۔''

''کیا تم نے یہ ہر ہیروئن کو مشورہ دیا ہے۔''

''نہیں بس یونہی کبھی کبھی تمہاری تصاویر دیکھ کر سوچتا ہوں تمہیں اس لائن میں نہیں آنا چاہیے تھا۔''

''حالانکہ کوئی لائن اور کوئی شعبہ خود سے......''

''برا نہیں ہوتا یہ ہم ہی ہیں جو ماحول بناتے اور بگاڑتے ہیں بہت فضول سا گھسا پٹا سا فقرہ ہے حفظ ہو چکا ہے مجھے۔'' میں نے اسے درمیان سے ٹوک کر اس کا جملہ پورا کیا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنسنے لگی۔

''صائب مجھے تم کبھی کبھی ایسے بچے کی طرح لگتے ہو جو بڑے زعم میں اپنوں سے، دنیا سے روٹھا بیٹھا ہے تو قع رکھے کہ کوئی اسے منانے آئے گا لیکن نہ منانے کے غصے نے اس سے اس کا مزاج چھین لیا ہو سنو صائب تم کمال کے آدمی ہو چاہو تو دنیا سے خود سے مزید روٹھنے کا پروگرام ترک کر دو یہاں کسی کو کسی کی نہیں پڑی کسی کے پاس کسی کو منانے کا وقت نہیں ہم بس یونہی وقت برباد کرتے ہیں چاہو تو تم اس بربادی وقت سے بچ سکتے ہو۔''

''کیا میں اسے تجربہ کہہ سکتا ہوں؟''

''ہاں تم اسے تجربہ بھی کہہ سکتے ہو اور نصیحت بھی۔''

''ابھی عمر تو نہیں نصیحت پکڑنے کی۔''

''شاید ہم یہی سمجھتے رہتے ہیں تمام عمر اور وقت یوں نکل جاتا ہے جیسے ہاتھوں میں سے سنہری مچھلی یا پھول میں سے خوشبو پھر بہتر یہ نہیں کہ ہم وقت کو یہ موقع ہی نہ دیں۔''

''ٹھیک ہے لیکن کیا تمہیں پتا ہے میں یہاں کیوں آیا تھا۔؟''

''ہاں تم مجھے فالو کر رہے تھے شاید کسی ہاٹ اسکینڈل کے لیے لیکن خوش قسمتی یہ رہی تمہاری کہ میں خود اسکینڈل لائز ہونے کی تمنائی نکلی۔''

''عموماً اس فن کی گھاک فنکارائیں اس بل پر ان رہتی ہیں مگر تم ان میں سے نہ ہونے کے باوجود ان ہی کے ٹولے میں سے ہو۔''

''ہاں سوچنے کی بات ہے میں اس وقت صفحہ اول کی اداکارہ ہوں اور شائقین فلم مجھے دیوانوں کی طرح پسند کرتے ہیں میرے ساتھ کوئی بھی ہیرو ہو لوگ صرف مجھے دیکھنا چاہتے ہیں مجھے پیئر سسٹم سے ہٹ کر پسند کرتے ہیں دراصل میں بھی چاہتی ہوں کہ میں اسکینڈلائز ہو جاؤں جب کہ اب تک میں نے ہر اسکینڈل سے انکار کیا ہے۔''

''ہاں یہی تو میں کہتا ہوں''

''تو سنو میں شہرت سے زیادہ اپنا گھر بسانے کے لیے یہ سب چاہتی ہوں۔''

''تم، تم شادی شدہ ہو۔''

''بائی گاڈ لطل فرینڈ مجھے اس وقت واقعی حیرت ہوئی تھی اور وہ مزے سے کہہ رہی تھی۔''

''کل ڈائمنڈ ہٹ میں اسی لیے تو میں تمہیں بلا رہی ہوں تا کہ تم ایک اچھی سی تصویر اتار کر مجھے اسکینڈلائز کر سکو۔''

''میں نہیں سمجھ سکا۔''

''ہاں کل سمجھ جاؤ گے چلو میوزک شروع ہوگیا ہے ہم کچھ دیر رقص کریں۔'' رقص کی فرمائش میری طرف سے ہوئی تھی اور اس نے ناز سے اس فرمائش کو قبول کیا تھا خیر کسی حسین چہرہ کے ساتھ رقص کرنے کا میرا یہ پہلا تجربہ نہیں تھا اس لیے میں نے بنا پس وپیش کے اس کا ہاتھ تھام لیا ہال میں بیٹھے تقریباً تمام ہی لوگ نوبل پرائز کے سوا ہر قسم کے خطاب اور لقب سے نوازے گئے تھے لیکن جاناں نے اس وقت سب ہی کو ٹھکرا کر میری طرف پیش قدمی کر کے سب کی نظروں میں مجھے پزل سا کر دیا تھا کسی تیسرے درجے کے شہری باپ کا بیٹا ہونے کا کمپلیکس فخر کے ایسے ہر لمحے میں مجھے مسرور ہی کر دیا کرتا ہے پتا نہیں مجھے کیوں لگتا ہے جیسے ابھی کوئی اٹھ کر میرے گریبان پر ہاتھ ڈال کر مجھے اپنی طرف گھسیٹے گا اور کہے گا۔

''او تم! ہمارے کمی کمین سے بدتر ہو کر ہماری محفلوں میں شامل ہو کیوں؟ تم نے یہ جرات کیوں کی تم یہ کیوں بھول گئے کہ تم ایک عام سے صحافی کے عام سے بیٹے ہو......اور بس اس کیوں کی وجہ سے میں ہمیشہ چوکنا رہ کر اتنا بدمزاج اور کھردرا ہو گیا ہوں میں سوچتا ہوں جانے کب سامنے والے کی کسی بات کا جواب دینے کے لیے مجھے اس سے کتنا زیادہ بلند اور برا لہجہ اپنانا پڑے۔

''اے صائب کیا سوچنے لگے چلو نا۔'' جاناں نے میرا ہاتھ تھام کر آگے قدم بڑھا دیا، ڈانس کرنے کے دوران جاناں نے میری تعریف کی، حالانکہ میں نے کالجز اور اسکولز سب ہی میں تیسرے درجے کے شہری کی حیثیت سے تعلیم پائی ہے۔''

''بہت برے ہو تم ہمیشہ اپنی کلاس کو کیوں بلیم کرتے ہو۔''

''شاید اس لیے کہ میں اس کلاس سے تعلق توڑ لینے کے باوجود بھی اس سے تعلق رکھتا ہوں میرا ماضی میرے انکار سے مٹ نہیں جائے گا اور جاناں میں آپ کی کلاس کا بھی نہیں اس کلاس کے نوٹ ہائی لائٹ کر کر کے اپنا نام بناؤں اور لوگوں میں بزعم خود دردمند انسان کا بہروپ بھر کر بیٹھا رہوں میرے باپ کے پاس اتنی رقم نہیں تھی جاناں کہ وہ اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھر سکتا لیکن پھر بھی ساری زندگی انہوں نے دوسروں کے آزار اور دکھ چنتے گزار دی وہ دوسروں کے راستے کے خار چن چن کر اپنے ہاتھوں کو لہولہان کرتے رہے لیکن یہ بھول گئے کہ فلش اور لائم لائٹ کے اس دور میں کوئی نیکی اس وقت تک نیکی نہیں گردانی جا سکتی جب تک اس کے بڑے بڑے پوسٹر نہ چھپ جائیں لمبے لمبے کالموں میں اس نیکی پر حاشیہ آرائی نہ کی جائے یہ ثابت نہ کیا جا سکے کہ اگر یہ نیک انسان نہ ہوتا تو انسانیت دھڑام سے کسی بوسیدہ عمارت کی طرح گر چکی ہوتی۔'' کہتے کہتے میں نے لمبا سانس کھینچا تو اس نے مجھے دیکھا۔

''صائب تم مختلف ہو اپنی کلاس میں رہتے ہوئے بھی مختلف، شاید تم اتنے کریٹیو ہو کہ کریٹیوٹی دکھانے کے باوجود تم میں ظاہر ہو جانے والی انرجی درست راستہ اختیار نہیں کر سکی پتا ہے صائب میں بھی کبھی تمہاری طرح تھی ایسے ہی چیخنے چلانے والی لیکن پھر اچانک مجھے پتا چلا یہ میں کہاں ہوں جو پتھر کے شہر میں انسانیت کی اور دل کی بات کرتی ہوں یہ سارا معاشرہ کسی سامری کے زیر اثر اب بھی سونے کے بچھڑے کو پوج رہا ہے لیکن ہم سب ہی انکاری ہیں یہ ہماری خرابی ہے ہم مکرتے اور بس مکرتے چلے جانے کے آزار میں مبتلا ہیں۔''

''شاید اس لیے کہ مکرنے اور مکرتے چلے جانے میں وہی احساس پوشیدہ ہے جو ہم جھوٹ بولتے اور بولتے چلے جانے میں محسوس کرتے

ہیں۔ تمہیں نہیں لگتا جاناں ہم ایک ہی جھوٹ کئی بار دوہرائیں اور پھر دوہراتے چلے جائیں تو پھر ایک وقت آتا ہے جب دوسروں کو لگتا ہے یہ سچ ہم نے پہلے کہیں پڑھا تھا سنا تھا بس یہی مکرنے میں مزا ہے ہم ہر چیز سے مکر جانا چاہتے ہیں۔ جیسے دولت کے پجاری اس بات سے کہ وہ خدا سے پہلے اس بے وقعت چیز کو افضل سمجھتے ہیں تم اس بات سے کہ تم اس دنیا کے ہو کر بھی اس دنیا کے نہیں اور میں اس بات سے کہ میں اس تیسری دنیا کا تیسرے درجے کا شہری ہو کر اس سچ سے مکر جاؤں کہ میں ایسا بھی تھا اور کہیں آگے کی کسی نسل میں میری شخصیت پر بحث چھڑے تو ثابت ہو کہ میں ابن فلاں ابن فلاں ابن فلاں تھا میرے نام کے آگے کوئی خوب صورت سا سنہری خطاب ہو اور سب یقین کر لیں کہ یہی حقیقت ہے اور باقی کچھ بھی نہیں۔

''ہاں شاید یہی سب کچھ ہے لیکن کیا اس جگہ پر ہمیں ٹی شاپ پر بیٹھے ادبی رائٹروں کی طرح کی باتیں کرنی چاہئیں۔''

''کرنی چاہیے تو نہیں لیکن یہاں کون سا کام صحیح ہو رہا ہے جو میں کروں۔''

میں نے کندھے اچکائے تو وہ ہنسنے لگی کچھ جوڑے نئے میوزک پر رقص کرنے کے لیے ابھی تک وہیں جمع تھے اور ہوٹل کا ماہر رقاص پیٹر فلپ انہیں اس نئے رقص کے متعلق اسٹیپ سمجھا رہا تھا سارے جوڑے غور اور محویت سے اسے دیکھ رہے تھے کچھ نے عملی مظاہرہ کرنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن تیز میوزک پر ان سے اسٹیپ سنبھالنا مشکل تھا تبھی پیٹر نے نہایت نیاز مندانہ انداز میں اعلان کیا تھا کہ یہ رقص صرف اکیس سے تیس سال کے نوجوان ہی کر سکتے ہیں۔

''کیا واہیات رقص ہے۔'' ایک پچاس پچپن کے تنومند آدمی نے جھلائے ہوئے انداز میں کرسی گھسیٹتے ہوئے رقص پر گوہر افشانی کی تو جاناں ہنستے ہنستے دوہری ہوگئی پھر گردن موڑ کر بولی۔

''مسٹر نوید قمر واقعی یہ بہت فضول سا رقص ہے پاپ میوزک نے واقعی ہر جگہ زندگی اجیرن کر دی ہے؟''

''اوہ میم، پہلے کی شاعری واقعی شاعری ہوتی تھی اب میوزک پہلے بناتے ہیں شاعری بعد میں لکھوائی جاتی ہے پہلے تو سر سے گھنٹوں سر کھپاتے تھے لوگ، سوچتے تھے کہ لفظ صوتی تاثر کے ساتھ ابھر کر آئے۔ انسٹرومنٹ محض خانہ پری کے لیے ہوتے تھے نہ کہ آواز کی بدنمائی چھپانے کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔ میوزک بنانے اور گانے والے گھنٹوں سر جوڑ کر بیٹھتے اور کہتے شاعر نے جو بین السطور کہا اسے ہم کیسے پس منظر سے منظر پر لائیں ایسے کہ باقی سب چھپ جائے کئی کئی ہفتے لگتے تھے ایک گانے پر لیکن اب جیسے گانے بن رہے ہیں ویسے رقص ہو رہے ہیں۔ بھونڈے بے ڈھنگے آپ ہی بتایئے ان میں سے اگر کوئی ایک بھی اچھا ناچ رہا ہو۔''

میری نظر مسلسل وہیں تھی سو میں نے بے ساختہ کہنا چاہا تھا کہ اکثر جوڑے بہت مہارت سے ناچ رہے تھے لیکن جاناں نے میرا ارادہ جانتے ہوئے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر مسٹر نوید قمر ہی سے مخاطب ہو کر کہا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مسٹر نوید آج کی نسل موسیقی اور رقص کو کیا جانے یہ تو گئے وقتوں کے لوگ تھے جو ٹھمک اور راگوں کے بادشاہ تھے۔''

''ایکسیلنٹ میم۔'' خوش ہو کر انہوں نے اپنی توجہ سامنے رکھی کافی کی طرف موڑ لی میں نے جاناں کو تیز نظروں سے دیکھا تو اس نے بہت آہستہ سے کہا۔

''کیا جاتا ہے تمہارا صائب اگر ہم کسی کو آج کا بہترین رخ ثابت کر دیں یہ کل تھا تو ہمارا آج اتنا شاندار ہے ناں بس یہ ہے کہ ہر کل کی مٹی میں آنے والے آج اور گزرنے والے آج کے لیے کچھ عناد قدرت کی طرف سے شامل کر دیا جاتا ہے یا شاید ہم جس طرح انہیں نظر انداز کرتے ہیں یہ خیال اسی وجہ سے انہیں ستاتا ہے اور وہ ہماری حقیقی کامیابیوں اور کارناموں پر بھی So bad کا لیبل لگا دیتے ہیں اس لیبل سے ہمارے چہرے پر جتنی دراڑیں اپنی کامیابی کی بے قدری پر جتنا افسوس پھیلتا ہے وہ انہیں اپنی اہمیت کا احساس کروا کر انہیں تسکین دیتا ہے کیا سمجھے۔''

اس نے نہایت سنجیدگی سے کہا مجھے تو یقین فوراً ہی آ گیا تھا وہ کہیں سے اداکارہ لگتی نہیں ہے نہ چال ڈھال ہے نہ اطوار سے مجھے تو محسوس ہوتا ہے جیسے وہ کسی یونانی داستان کا کوئی لیـــــــجنـڈ ہے اپسرا کی تشبیہ تو بہت بودی لگنے لگی ہے اس کے سامنے خیر اگلی ملاقات ڈائمنڈ ہٹ میں ہونا قرار پائی ہے۔ دیکھو وہاں اس کا کیا روپ کھلتا ہے اچھا اب میں بہت تھک گیا ہوں کل کی باتیں کل کریں گے اب سوئیں گے بھی آرام کرو۔ اچھا باقی کی بکواس کل گڈ نائٹ مائی کیوٹ ڈائری۔

آنسو تواتر سے بہنے لگے تھے اور دل نے مجھے بہت زیادہ بلیم کیا تھا۔ ''تمہارے ہوتے ہوئے چاچو کتنے تنہا تھے حقیقتاً تم ان کے قریب ہوتے ہوئے بھی ان تک نہیں پہنچے تھے۔'' میں نے دل کے کہنے پر آنکھیں بھینچ لیں اور سوچا واقعی یہ تو سچ تھا میں چاچو کو سامنے پا کر ان کی تو بہت ہی کم سنتا تھا ہر ہفتے کی اتنی ڈھیر ساری باتیں ہوتیں تھیں جو مجھ میں اس وقت تک اودھم مچاتی رہتیں جب تک وہ سب میں چاچو سے شیئر نہیں کر لیتا بظاہر وہ ایک برس ہی بڑے تھے لیکن ان کے سامنے میں چھوٹا ضدی سا عمار بن جاتا فرمائشیں کر کے انہیں ستاتا ان فرمائشوں کو پورا کروانے کے لیے انہیں خوار پھرانا میرا محبوب مشغلہ ہوتا تھا اور میں اس وقت یہ سوچتا بھی نہیں تھا کہ چاچو بھی میری طرح ہی مجھ سے بہت کچھ شیئر کرنا چاہتے ہیں بڑوں کو دیکھ کر بچے بس خود بخود ان کی ذمہ داری بن جاتے ہیں ان سے اعتماد احساس تحفظ مستعار لیتے ہیں اور میں بھی یہ بھول گیا تھا کہ یہ سب کچھ دینے اور دیتے چلے جانے میں چاچو کس قدر خالی اور مقروض ہو گئے ہوں گے اپنے دل کے اپنے خوابوں کے اور اپنے آپ کے۔

بے ساختہ ہی ماضی کے ورق پھڑ پھڑانے لگے۔ جب بھی چاچو کہتے۔

''عمار یار ایک بات سنو۔'' تو میں جواباً کہتا۔

''چاچو پہلے میری بات سنیں'' میں کہے جاتا پھر ختم کر کہتا۔

''ہاں چاچو کیا کہنا تھا۔'' چاچو کوئی فارمل سی بات کہہ کر بات ختم کر دیتے اور میں خود کو ساری زندگی یہ پوز دیتا رہتا کہ میں چاچو کے دل کی سننے میں کس قدر مخلص اور خاص ہوں ہمدم و ہمراز بننے کا مجھے کتنا جھوٹا زعم تھا یا شاید چاچو کے اندر باتوں اور رازوں کا اتنا ذخیرہ تھا کہ وہ جتنا مجھے بتا دیتے میں اس سے ہی دوسروں کو خود سے کمپیئر کرتا اور سوچتا یہ بات چاچو نے اور کسی سے نہیں کہی اس لیے ثابت ہوا میں ان کا چہیتا ہوں لیکن چاچو جتنا بتا دیتے تھے اس سے کتنا زیادہ چھپا لیتے تھے آج ان کی ڈائریز کے لفظوں اور ان لفظوں میں دوڑتی پھرتی تنہائی سے مجھ پر عیاں ہو رہا تھا۔ سر جھٹک کر میں نے پھر ڈائری کھول لی۔

26 جنوری 1991ء

''ہیلو مائی ڈارلنگ فرینڈ کیسی گزری رات، سچ بتاؤں آج صبح کے خیال اور جاناں سے ملنے کے تصور سے تو میری ساری رات ہی غارت ہوگئی پتا نہیں اس میں کیا بات ہے جو دوسروں میں نہیں یا شاید جو بات دوسروں میں ہے وہی اس میں نہیں، اس لیے وہ خاص لگتی ہے جیسے سلمٰی ستارے کے سوٹ کے سامنے سادہ سا ایمرائیڈری والا سوٹ ناک بھوں مت چڑھاؤ تمھیں پتا ہے میں تشبیہات میں بڑا ڈفر ہوں مجھے یہ سب باتیں آتی نہیں۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا ضروری تو نہیں ہم ساری زندگی ناپسندیدہ لوگوں میں رہیں اس لیے اب سنجیدگی سے سوچ رہا ہوں کہ اپنے پسندیدہ لوگوں کے لیے مجھے اب ادب کی کلاسز جوائن کر لینی چاہئیں۔

شام کو میں تیار ہوا تو آئینہ کہہ رہا تھا تم اور کچھ نہیں تو یونان کے اپالو ضرور ہو۔ ارے یہ اس کا کمنٹ ہے میرا اپنے منہ میاں مٹھو بننے کا خبط نہیں اچھا تو میں اپنی کار میں ڈائمنڈ ہٹ کے لیے روانہ ہوگیا۔ ساڑھے سات بجے میں وہاں پہنچا تو کیا بتاؤں کیا منظر تھا اُفوہ مائی ہارٹ فرینڈ شام کا ڈوبتا سورج اور ڈائمنڈ ہٹ کی سفید سنگ مرمر کی عمارت، جگمگاتی روشنیوں نے شام کو کتنا سنوار دیا تھا مجھے اس لمحے فرانس اور اسپین بے ساختہ یاد آ کر رہ گئے وہاں کے باغات اور خوشبوؤں کا سنگم زندگی کی طرح خوبصورت محسوس ہوا ڈائمنڈ ہٹ کی پشت پر ڈوبتے سورج کو دیکھ کر میں نے کتنی دیر تک یہی سوچا، کیا یہ سورج روز اتنا خوبصورت لگتا ہے یا آج محض جاناں کو دیکھ لینے کی خوشی اور نہ ملنے کے افسوس نے مل کر اس کو حسن بخش دیا۔

کتنی دیر تک میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا رہا اور جانے کب تک ڈائمنڈ ہٹ کی فرسٹ فلور کی بالکونی سے یہ نظارہ کرتا ہی رہا کہ اچانک میرے کاندھے پر کسی نے ہاتھ رکھا میں بے ساختہ اس بے تکلفی پر مڑا اور بس دیکھتا رہ گیا۔

سفید کرتے بلیک جینز میں وہ شگی کٹ بالوں کی چھوٹی سی پونی باندھے۔ میرے سامنے اس جاناں سے بہت مختلف لگ رہی تھی جو مجھے مون کلب میں ملی تھی محض ساڑی نے اس کے وجود میں کتنے ماہ و سال کو بردباری کے ساتھ نتھی کر دیا تھا اس وقت وہ اس لاپرواہ حلیہ میں کوئی کالج گرل لگ رہی تھی اور لٹل فرینڈ سچ پوچھو تو وہ اس دن سے زیادہ متاثر کرتی محسوس ہوئی تھی۔

''ہیلو صاحب کہاں ہو؟'' اس نے میرے سامنے ہاتھ لہرا کر پوچھا تو میں نے تصحیح کی۔

''یہیں ہوں۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''ہونہہ جو شخص ہماری طرف متوجہ نہیں ضروری تو نہیں وہ حاضر ہو، ہو سکتا ہے ہماری بات سے بھی زیادہ کسی اہم بات نے اس کو اپنی طرف متوجہ کر رکھا ہو یعنی وہ کہیں اور حاضر ہو پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ محض خود کو اہمیت نہ دیئے جانے پر ہم اسے غیر حاضر ہونے کا الزام دیں۔'' میں ستائش سے اسے دیکھتا رہ گیا اور اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر اوپن ایئر ہوٹل کی ریزرو میز تک لے جا کر بیٹھتے ہوئے شوخی سے بولی۔

''تم نے تو کمال کر دیا صاحب۔''

''کون سا کمال؟'' میں نے سوالیہ انداز میں دیکھا تو کھل کھلا کر ہنسنے لگی۔

''صبح کی خبر! تم نے اپنے اور میرے بارے میں جو خبر الماس زبیری کے نام سے چھپوائی اس نے تو کمال کر دیا۔ زبیری نے اس بات کا

سخت برا منایا ہے کہہ رہا ہے مس جاناں، صائب اور آپ نے میری گوسپ اینڈ اسٹائل کی چٹ پٹی اسٹوری کا جو ستیاناس کیا ہے وہ مجھے دیر تک اداس رکھے گا۔"

"ہاں میں جانتا ہوں وہ ہمیشہ اسکینڈل اس وقت ہی طشت ازبام کرتا ہے جب چٹخارے لینے کو بہت سارا مواد ہو میرے خبر دینے سے تو اس کا ایک خوبصورت موقع گیا ناں کامیابی کا تم سے پہلے اس نے مجھے فون کیا تھا۔ کہہ رہا تھا۔

"مجھے معلوم تھا تم برے ہو مگر یہ نہیں پتا تھا کہ اتنے برے ہو۔" میں کہتے کہتے مسکرایا تو جاناں نے مجھے دیکھا پھر آہستہ سے بولی۔

"شاید اس نے تمہیں دل کی آنکھوں سے نہیں دیکھا ورنہ تمہارے اندر کی اچھائی پر تمہیں سیلوٹ کرتا۔"

"پلیز جاناں تم میری قصیدہ گوئی نہ بھی کرو میں تب بھی تمہاری مدد ضرور کروں گا۔" نہایت کھردرا لہجہ تھا میرا اپنی تعریف کرنے والے کو میں دوبارہ نہیں دیکھا کرتا اس لیے نہیں چاہتا تھا کہ جاناں بھی ان ہی لوگوں میں شامل ہو جائے سو میں نے اسے اس انداز میں ٹوکا چند لمحے کے لیے تو وہ گم صم ہوگئی پھر کندھے اچکا کر بولی۔

"تمہاری مرضی صائب ورنہ میرا خیال تھا کہ ہم اچھے دوست ہیں تو دوستوں کی طرح ایک دوسرے کو لفظی طور پر ہی سہی کافی حد تک سپورٹ کر سکتے ہیں۔"

میں نے اثبات میں سر ہلایا پھر بولا۔

"ٹھیک ہے تمہارا خیال اتنا برا بھی نہیں یہ بتاؤ آج تم نے مجھے کیوں بلایا تھا۔"

"ایک تصویر لینی تھی لیکن میں دیکھ رہی ہوں تم اپنا کیمرہ تو لائے ہی نہیں ہو۔" اس نے خفگی سے مجھے دیکھا تو میں نے سامنے رکھے کار کے کاغذات والے پرس کی طرف اشارہ کیا۔

"کیمرہ ہر وقت میرے ساتھ رہتا ہے تمہارا خیال تھا کہ میں گلے میں کیمرہ ڈالے فلموں یا ڈراموں والے بلیک میلرز کی طرح گھوموں گا۔ جاناں میں پروفیشنل آرٹسٹ ٹائپ کیمرہ مین نہیں ہوں جو قدرت کی ثنائی یا اپنی حسیات کو متاثر کرتے مناظر کو فوراً ہی شوٹ کرنے کے لیے گلے میں پڑے کیمرے کو حرکت میں لانے کے لیے بے تاب ہوگا۔ میں ایک پروفیشنل بلیک میلر ہوں اس لیے اپنے ہر شکار پر پورا ہوم ورک کرتا ہوں اپنے شکار کے ٹائم ٹیبل سے آگاہ اور اپنے کام سے انصاف کرنے والا انسان ہوں اس لیے میرے کسی کام میں بدنظمی نہیں ہوتی۔"

"ہاں تم ایسے ہی لگتے ہو حالانکہ یہ بات مجھے ہمیشہ تحیر میں ڈالے رکھے گی کہ تم اس لائن میں آئے ہی کیسے۔؟"

"ٹھیک کہتی ہو تم مجھے تو اپنے بابا کی تربیت کے تحت کسی اسکول کا ماسٹر ہونا چاہیے تھا یا اپنے تینوں بڑے بھائیوں اور بھتیجوں کی طرح کسی گورنمنٹ ادارے کا ادبی ڈینٹ اینڈ اونسٹ سرونٹ ہونا تھا جو صرف حلف برداری کی تقریب تک نہیں بلکہ عمل کے میدان میں بھی "آپ کے خادم" ہونے کا شہرہ رکھتے ہیں۔" اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

"تمہارا بھی کیا یہی خیال ہے کہ بابا جیسے بندے ان عہدوں پر کیسے پہنچ گئے۔" میں نے پوچھا۔

''نہیں خیر تمہارے والد کی شہرت اور ان کی ہمہ صفت خوبیوں کے باعث میرے لیے یہ سب اتنا حیرت انگیز نہیں جتنا یہ خیال کہ تمہارا بھتیجا تمہارے ہی برابر ہے۔ صائب تمہیں تو بڑا مزا آتا ہوگا ناں۔''

''ہاں آتا ہے لیکن تم اتنی ایکسائٹمنٹ کا شکار کیوں ہو؟''

''صرف اس لیے کہ مجھے شروع سے یہ سب رشتے بڑے دلکش لگتے تھے لیکن میرے پاپا کا مزاج۔''

''کون تھے تمہارے پاپا؟'' میں نے سوال کیا تو وہ ہنسنے لگی۔

''بہت چالاک ہو وہ سب اگلوانا چاہتے ہو جو آج تک پریس کو نہیں پتا چلا جس کے لیے تمہارا پریس سردھڑ کی بازی لگائے رکھتا ہے یہ جاننے کے لیے کہ میں کون ہوں؟ کیا ہوں؟ تم بیسٹ رپورٹر کا ایوارڈ لینا چاہتے ہو صائب۔''

''نہیں مجھے ان خالی خولی ایوارڈز سے کوئی سروکار نہیں، رہا تمہارے متعلق جاننا تو یہ میں نے کبھی خود ہی کوشش نہیں کی ورنہ مجھ سے کیا چھپا رہ سکتا تھا۔''

''ہاں میں نے سنا ہے پوری فلم انڈسٹری تمہارے نام سے کانوں کو ہاتھ لگاتی ہے۔''

''یہ سطحی اور دنیاداری میں مبتلا افراد کا پرانا دردِ سر ہے جاناں میں ایسے لوگوں کی نفسیات جانتا ہوں یہ لوگ نیکی کرتے ہیں تو صرف پبلسٹی کے لیے کسی گناہ سے ڈرتے ہیں تو صرف اس لیے کہ لوگ کہیں ان سے بدظن نہ ہو جائیں ان کی باکس آفس پوزیشن نہ خراب ہو جائے ان کی الگ ہی سوچ ہوتی ہے فائدے ان کے الگ ہوتے ہیں اور خسارے میں بھی دھیان رکھتے ہیں کہ نقصان کم سے کم ہو۔''

جاناں نے مجھے دیکھا اور کن نظروں سے دیکھا مائی سویٹ ہارٹ میں تمہیں کیسے بتاؤں چند لمحوں کے لیے میں گڑبڑا گیا تو اس نے میرے ہاتھ پر نرمی سے ہاتھ رکھ دیا اور آہستگی سے بولی۔

''صائب جب تم میرے ساتھ ہوتے ہو ناں تو مجھے صرف ایک دوست سمجھا کرو میری صنف کو بھول کر جیسے تم کسی اپنے ہم صنف سے ملتے ہو بے دھڑک کہتے ہو ''باکمال'' بس مجھ سے ایسے ہی بی ہیو کیا کرو مجھے ایک اچھے دوست کی شدید ضرورت ہے ہمیشہ سے تھی مگر شروع سے میں نے اپنی صنف میں لڑکیوں کو زیورات کپڑوں سے آگے جاتے اور اپنی ذات سے اوپر اٹھ کر سوچتے نہیں دیکھا ان کے لیے شادی گھر اور بچے بھی اتنے اہم نہیں ہوتے جتنا ان کی گیٹ ٹو گیدر پارٹیز غزل کی محفلیں اور این جی اوز کی ہائی لائٹ کورنگ میں تمہیں بتاؤں صائب وہ سب وہاں بھی صرف ایک دوسرے کے فیشن اور اسٹائل پر بحث کیا کرتی تھیں خود سے دوسروں کو کمتر ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کرتیں اور یہ سب شروع سے میرے مزاج کے مطابق نہیں تھا بچپن سے میں نے ایک الگ ماحول میں پرورش پائی میرے پاپا مجھے کمرشل پائیلٹ بنانا چاہتے تھے مگر میں کیا بن گئی......'' کہتے کہتے وہ اداس ہوگئی تو میں نے موڈ بدلنے کو ہنس کر کہا۔

''حالانکہ کمرشل پائیلٹ اور اداکارہ بننے میں بہت زیادہ فرق تو نہیں ہے کہ تمہاری فلم فلاپ ہو جائے تو جانی نقصان نہیں ہوتا سوائے پروڈیوسر کے نقصان کے۔''

''بکومت صاحب پائیلٹ ہونا اور اداکار ہونا بالکل دو مختلف حیثیتیں ہیں بیچ ہواؤں میں اڑنے کا اور اپنی صلاحیتوں کو آزمانے ذمہ داری لینے کا مجھے بھی بڑا کریز ہوتا تھا مگر جب یہی بات پاپا نے کہی تو مجھے اس فیلڈ سے ہی چڑ ہوگئی اور ان دنوں ہی جمیلہ نازش کا اسکینڈل ہارٹ فیورٹ تھا اخبار بھرے رہتے اور پاپا اس اداکارہ کے بارے میں وہ وہ کچھ کہتے جو اگر خود جمیلہ سن لیتی تو شاید......دوسرے لمحے میں مرجاتی اور بس میں نے اسی لمحے سوچا مجھے اداکارہ ہی بننا ہے۔''

''کیا اتنی ضد اتنا غصہ تھا تمہیں اپنے پاپا پر۔''

''ہاں کیوں کہ میں ان کی ہی بیٹی ہوں نا ان کی طرح خوبصورت ان کی طرح ضدی اور بہت ڈھیر ساری غصیلی مجھے پاپا کی ہر بات سے چڑ ہے ان کی ہر پسند سے ناپسندیگی محسوس ہوتی ہے اور صاحب حسین مجھے اپنے آپ سے بھی اس لیے نفرت ہے کیوں کہ مجھ سے پاپا بہت محبت کرتے ہیں۔''

''محبت، محبت تو تم بھی اپنے پاپا سے بہت کرتی ہو اخبارات میں دیے گئے ہر انٹرویو میں تمہارے لفظوں سے شہد ٹپکتا ہے ان کے لیے، مجھے کبھی کبھی رشک آتا ہے کہ وہ کس قدر خوش قسمت ہیں کہ انہیں تم جیسی سراہنے والی بیٹی ملی جسے لفظوں پر ہی نہیں لہجے پر بھی دسترس ہے ایک میں ہوں اچھی بات کرنا چاہتا ہوں تو بھی بابا کو خفا کر بیٹھتا ہوں۔''

''وہ مسکرانے لگی ایسے جیسے میں نے کوئی بچکانہ بات کی ہو سوچڑنا لازمی تھا (تم تو جانتی ہو لٹل فرینڈ مجھے کوئی شخص ڈفر سمجھے تو مجھے پتنگے لگ جاتے ہیں) بس اسی لیے میں نے تلخی سے دیکھا تو پوچھا۔

''کیوں بھئی یہ کس حماقت پر مسکرا رہی ہو۔''

''صرف ایک بات پر کہ تم جیسا جینئس شخص بھی میری باتوں کو ویسے سمجھا جو میرے فینز سمجھتے ہیں۔ بات دراصل یہ ہے صاحب میں پاپا کی طرح اذیت پسند بھی ہوں۔ تمہیں نہیں پتا وہ محبتوں میں کس کس طرح بے مہری کا زہر پلانے کے ماہر تھے وہ جب خفا ہوتے تو آپ جناب پر اتر آتے تھے اور کسی سے مستقل برگشتہ ہوتے تو پھر محبت میں طنز لپیٹ لپیٹ کر یوں مارتے کہ آپ زخمی ہونے کے باوجود بھی صرف مسکرانے کے سوا کچھ نہیں کر پاتے بظاہر وہ آپ کی صلاحیتوں کو سراہ رہے ہوتے مگر درحقیقت وہ آپ پر یہ ثابت کر رہے ہوتے تھے کہ آپ نے جو کچھ کیا اس میں کوئی نئی بات نہیں یہ سب تو ہر وہ شخص کر سکتا ہے جس کو آپ جیسی سہولیات اور سپورٹ حاصل ہو۔

تو بس صاحب یہی حربہ میں استعمال کرتی ہوں جب بھی میں کوئی نیا انٹرویو دیتی ہوں ناں تو، پاپا کی کال ضروری آتی ہے وہ ڈمپ کال کرتے ہیں مگر میں پاپا کی سانسوں سے انہیں پہچان لیتی ہوں ان کے لہجے میں ہی نہیں سانسوں میں بھی حساسیت، جذباتیت اور ضد بولتی ہے اور تب میں دل سے ہنستی ہوں۔ میں ہنستی ہوں صاحب اس لیے کہ کوئی کبھی ان سے بھی زیادہ دلگیری سے رویا تھا مگر انہوں نے کبھی کسی کی پروا نہیں کی تو پھر میں کیوں پروا کروں ان کی۔''

میں اس کی طرف دیکھتا رہ گیا وہ بڑی سنگدلی سے مسکرا رہی تھی تب میں نے اپنی توجہ ہٹانے کو اس سے پوچھا۔

''تم نے آتے ہی وہ جو بھونچال کی بات کی تھی وہ محض الماس زبیری کے زندگی میں آیا تھا یا کوئی اور اس سے گھائل ہوا۔''

''یہ کوئی اور...... ہاہاہا۔ صائب یو آر گریٹ تم نے واقعی میرے مسئلے کو حل کر دیا میں صرف یہ جاننا چاہتی تھی کہ میں جس بندے پر اپنی محبت لٹا رہی ہوں وہ اس قابل ہے بھی یا نہیں۔''

''پھر کیا ثابت ہوا؟'' میں نے سانس روک لی پتا نہیں لطل فرینڈ میری یہ کیفیت کیوں ہوئی میں اس سے کیا سننے کا منتظر تھا اور کیا سن رہا تھا، اور ایک وہ تھی بے پروا کہہ رہی تھی۔

''ثابت یہ ہوا صائب کہ وہ شخص واقعی محبت جیسے جذبے کے لیے اتنا بھی غیر موزوں نہیں ہاں بس پاپا کی طرح ضدی، غصیلا ہے اور یہی عادتیں تو مجھے اس کی طرف کھینچتی ہیں فرائیڈ اس معاملے میں کہتا ہے۔''

''نو پلیز میں بڑا پیارا بچہ ہوں مجھے فرائیڈ کی نفسیات نہ سمجھاؤ ورنہ میری اپنی نفسیات بگڑنے کی خدشہ ہے۔''

''ہاہاہا۔ تم صائب تم اتنے قدامت پسند تو نہیں لگتے کم آن یار فرائیڈ ہو ڈارون ہو یہ سب تو ہماری زندگیاں آسان بنا لینے والے لوگ ہیں وگرنہ لوگ ابھی تک تو ہم پرستی میں مبتلا ہوتے ان کی چھوٹی چھوٹی الجھنیں آج بھی مسائل کا انبار بنی رہتیں اور لوگ بھاری آواز میں بولتی دھمال ڈالتی لڑکی پر بھوت پریت کا سایہ یا جن آنے پر بحث کرتے۔''

''تو تمہارا کیا خیال ہے اب ایسا نہیں ہے۔ نو مائی ڈیر تم ابھی تک یہاں کے ماحول کو سمجھ ہی نہیں سکی ہو۔ ڈارون نے تو ہم پرستی کے بت کو پاش پاش کر کے ارتقاء کی بنیاد ڈالی لیکن ذہنی ارتقا میرے خیال میں ایک وقت کی بھوک اور پیاس کے آگے دیوانے کی بڑ کے سوا کچھ نہیں معدہ دماغ سے نہیں سوچتا جب شکم خالی ہو تو دماغ معدے میں اتر آتا ہے اور ایک سوکھی روٹی کسی کیک سے زیادہ لذیذ لگتی ہے یہ تو ہم سو کولڈ انٹلکچوئل ٹاپ کے لوگوں کی دردسری ہے جو ہم اپنی دھاک بٹھانے کو کچھ نہ کچھ ہانکتے رہتے ہیں رہے فرائیڈ تو ہمارے اسی فیصد گھرانے غربت کے مارے ہیں غریب نہ بھی ہوتب بھی مڈل کلاس کے تقریباً ہر گھر میں بدتہذیب بچے کے لیے ایک خوفناک تھپڑ اور کچھ ٹھسے دار گالیوں کے سوا نفسیاتی غذا کچھ اور نہیں، باقی رہے بیس فیصد تو جاناں ان میں بیس فیصد والدین کے پاس اتنا وقت ہی نہیں ہوتا کہ وہ اپنے بچوں کی نفسیات کی گتھیاں سلجھا سکیں انہیں اور بھی بہتیرے اہم کام ہوتے ہیں سو یہ سب لوگ بس کتابوں تک محدود ہیں یا محض ڈگری لینے اور اچھے نمبروں کے حصول تک سمٹ کر رہ گئے ہیں۔ ڈارون کہتا ہے دنیا کی ہر چیز اپنے ارتقائی ادوار سے گزرتی رہتی ہے بہتر سے بہتر ہونے کے لیے اس کی ایک نسل دوسری نسل سے بہتر کارکردگی دکھانے کی کوشش کرتی ہے وہ کہتا ہے یہ بندروں کا ارتقاء تھا کہ وہ انسان بن گئے تم بتاؤ جاناں اب انسان جو اپنی ہیئت میں کامل اور دماغی استطاعت بڑھا کر چاند پر پہنچ چکا ہے مگر جو اپنے پڑوسی تک رسائی نہیں رکھتا وہ مزید ارتقاء کرے گا تو کیا بنے گا سپر ہیومن۔ روبوٹ یا پھر واپس دو پیروں پر چلنے والا افتاریہ'' جاناں مجھے دیکھنے لگی کچھ نہیں بولی کتنی دیر تک ہمارے درمیان طویل خاموشی بکل ڈالے کھڑی رہی یہاں تک کہ اس نے لمبی سانس کھینچ کر کہا۔

''صائب۔ تم۔ تمہارے اندر بڑا زہر بھرا ہے۔ کیا تم کبھی مجھے اپنے متعلق بتاؤ گے؟''

''ہوسکتا ہے کبھی ایسا بھی ہو لیکن ابھی فی الحال میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے درمیان ایسا کوئی گہرا تعلق استوار ہوا ہے جس کی بنیاد پر میں تم پر خود کو آشکار کر دوں۔''

''چیٹر۔'' وہ میرے چہرے کے سامنے انگلی لہرا کر ہنسی۔ ''تم بڑے اسٹوپڈ ہو مجھ سے سب سنتے رہے لیکن میرے بارے میں ابھی تک تمہیں اعتبار نہیں آیا۔ میری شخصیت اتنی اتھلی ہے کیا؟''

اور اس وقت مائی ہارٹ فرینڈ میں نفی میں سر ہلا کر کہنا چاہتا تھا کہ جاناں تم بالکل غلط کہہ رہی ہو میں تمہاری شخصیت کے سحر میں عرصے سے مبتلا تھا مگر سمجھتا رہا یا خود کو یہی سمجھاتا رہا کہ میں تم میں محض اس لیے دلچسپی لے رہا ہوں کہ تم اس وقت ایک مہنگی اداکارہ ہو لیکن ایسا نہیں تھا جاناں کو میں محض زیادہ سے زیادہ فالو کرنے اور خود میں اتارنے کے لیے اس کی سمت دوڑتا تھا اور یہ بات میں اسے کبھی نہیں بتا سکوں گا کیوں کہ وہ مجھے اپنا دوست کہہ چکی ہے ایسا دوست جس کی نظر میں صنف کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی لیکن لطل فرینڈ ایسا ہونا فطری امر ہو سکتا ہے؟ نہیں ناں دو مخالف صنفیں آپس میں ملیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آگ نہ بھڑکے ہمارا مذہب تو ایسے ہر تعلق کی نفی کرتا ہے مگر میں کیا کروں میں زیادہ سے زیادہ اس کے قریب رہنا چاہتا ہوں اس لیے مجھے خود پر یہ جبر کرنا پڑے گا۔ تو میں نے اس وقت اسے دیکھا نفی میں سر ہلانا چاہا تھا مگر صرف کندھے اچکا کر رہ گیا اس نے سوالیہ نظروں کو دیکھ کر کہا۔

''مطلب صائب حسین۔''

میں نے کافی کی طرف ہاتھ بڑھایا پھر آہستگی سے چمچ سی کھیلتے ہوئے اسے دیکھا۔

''کیا بتاؤں؟ جاناں درحقیقت میں خود ابھی مطمئن نہیں ہوں نہیں جانتا تم میرے لیے کیا ثابت ہو سکتی ہو۔''

''اوہو اگر تمہارا خیال ہے میں تمہارے لیے کسی بھی لحاظ سے نقصان دہ ثابت ہوں گی تو یہ لکھ لو صائب مجھے خود پر ایسا شبہ بھی ہوا تو میں خود تم سے قطع تعلق کر لوں گی۔ میں چاہے کتنی بری ہوں یہ حقیقت ہے صائب میں کبھی کسی کا برا چاہنے برا کرنے والوں میں سے نہیں ہو سکتی۔''

''میں کسی حد تک اتفاق کرتا ہوں لیکن مجھے کچھ وقت لگے گا۔''

اور لطل فرینڈ تم جانتی ہو میں جھوٹ بولنے مکرنے میں کتنا ماہر ہوں مگر اس لمحے میری زبان لڑکھڑا گئی تھی جھوٹ کو جھوٹ کہتے اور کسی سچ کو جھوٹ ثابت کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے اور اس کے لیے اور بڑا دل گردہ چاہیے۔

ہاں تو میں اس سے باتیں کر رہا تھا جب اچانک ہی میری نظر ایک چہرے پر پڑی یہ چہرہ میرا جانا پہچانا تھا مگر مجھے یاد نہیں آ رہا تھا میں نے جاناں کو دیکھا۔

''جاناں تمہاری تو بڑے بڑے لوگوں سے علیک سلیک ہے۔ کیا تم بتا سکتی ہو یہ بلیک ڈنر سوٹ میں جو شخص سامنے والی میز پر بیٹھا مجھے کینہ توز نظروں سے گھور رہا ہے یہ کون ہے؟''

''اچھا نہیں لگے گا اگر میں مڑ کر دیکھوں گی چھوڑو تم اگر نہیں یاد آ رہا تو کیا ضروری ہے اپنی یادداشت کا امتحان بھی ضرور لو۔''

''تم نہیں جانتیں یہ میری بری عادت ہے یقین کرو اگر مرتے وقت بھی میں اس مسئلے کا شکار ہوں یا ملک الموت کی صحیح آئیڈینٹی یاد نہ آئے تو میں آنے جانے کے درمیان ہی انکاری ہوں گا تاوقتیکہ مجھے یاد نہ آ جائے اچھا سنو میں یہ گلاسز لگاتا ہوں تم ان میں دیکھو کون حضرت ہیں۔'' میں نے

گلاسز لگائے روشنی میں اس کا مدھم سا عکس ان پر پڑا تو اس کی صورت ہونق ہو گئی۔

''افوہ۔ یہ سالار ہیں۔''

''کون سالار؟'' میں نے گلاسز اسٹائل سے اتار کر بے پرواہی سے میز پر ڈالتے ہوئے پوچھا بولی۔

''وہی سالار جن کے ساتھ میں چاہتی ہوں تم مجھے اسکینڈلائز کرو، افوہ تم نہیں جانتے یہ تو بڑے مشہور آدمی ہیں۔''

''کیا واقعی یہ آدمی ہیں؟'' میں تمسخر سے ہنسا پتا نہیں اس کی خواہش نے میرے اندر آگ کیوں لگا دی تھی تمہیں کیا بتاؤں فرینڈ جس دن میرے نام کے ساتھ جاناں کا نام اسکینڈلائز ہوا تھا مجھے کس قدر خوشی حاصل ہوئی تھی عجیب طرح کی تمانیت کا احساس ہوا تھا مگر اب یہی جاناں اس شخص کے ساتھ اسکینڈلائز ہونا چاہتی تھی تو مجھے حسد ہونے لگا تھا۔ وہ میری بات پر چپ رہی تھی سو میں نے کڑے لہجے میں پوچھا تھا۔

''اس میں کیا بات ہے کسی اچھے سے بندے کے ساتھ اسکینڈل بناؤ تا کہ لوگوں کی حس لطیف پر خوشگوار اثر پڑے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟ میں اس قدر فضول ہوں کہ محض لوگوں کی حس لطیف کے لیے یا مارکیٹ ویلیو بڑھوانے کے لیے اسکینڈلائز ہونا چاہتی ہوں۔''

''نہیں میرا ایسا کوئی خیال نہیں کیوں کہ یہ فلمی دنیا کا ستارہ ہے نہ اس قدر خوبصورت کہ تمہارے ساتھ سوٹ کرے خیر تمہاری مرضی میں تصویر لینے کے لیے آمادہ ہوں۔''

''ٹھیک ہے میں اب چلتی ہوں تم کل مجھ سے رابطہ کرنا میں تمہیں مایوس نہیں کروں گی۔''

وہ سنجیدگی سے کہہ کر اٹھ گئی میز پر بیٹھا ہوا وہ نوجوان اسے دیکھ کر کڑے تیوروں سے کھڑا ہو گیا اور میں نے سوچا۔ کیا یہ شخص یوں سب کے سامنے کوئی مس بی ہیو کرنا چاہے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا وہ تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگا تھا جاناں اس کے پیچھے لپکی تھی اور میں ان دونوں کے پھر پارکنگ ایریا سے اس کی کار کے پیچھے ہی روانہ ہوا۔ وہ ایک اور ہوٹل کی طرف رواں دواں تھے یہ ہوٹل شہر سے قدرے فاصلے پر تھا اور یہاں آنے والے زیادہ تر امراء ہی ہوتے تھے۔ سو سویٹ ڈاری میں بھی ان کے پیچھے چلتے ہوئے امراء بن گیا وہ ایک کیبن میں چلے گئے تھے میں دوسرے کیبن میں بیٹھا تھا کہ مجھے اس نوجوان کی تیز آواز سنائی دی۔

''تو تو تم بھی وہی نکلی ایک عام سی اداکارہ۔ میں نے تمہیں کیا نہیں دیا لیکن تم..... تم نے کتنی بے دردی سے اپنے اور میرے تعلق کو رگیدا ہے۔''

''نہیں سالار ایسی بات نہیں میں کوئی اس کے ساتھ وہاں تو نہیں گئی تھی وہ تو بس یونہی ملاقات ہو گئی تھی ایک طرح وہ ہماری فیلڈ کا ہی بندہ تھا اس لیے میں اس سے مل بیٹھی۔''

''آ خاہ تو صبح والی خبر بھی جھوٹی ہے کہ تم کل بھی اس کے ساتھ پائی گئی تھیں اور محبت کے اظہار میں تم نے اس کا جھوٹا جوس بھی پیا تھا۔''

''وہ بھی سچ تھا لیکن ہم صرف اچھے دوست ہیں۔''

''بکواس مت کرو تم سب لڑکیاں ایسی ہوتی ہو چمک دمک میں آ جاؤ تو..... تو پھر تو تمہاری وفاداری محبت سب کچھ کھیل مذاق بن جاتا

ہے۔ جیسے تم نے مجھ سے کھیلا لیکن سنو تم ابھی تک اسی سیڑھی پر ہو جہاں تھیں میں تمہارے پیچھے پاگل نہیں ہوا بس ہر اچھی چیز لینے اور گھر میں سجا لینے کا مجھے بچپن سے کریز ہے ماں باپ کا لاڈلا بچہ تھا ہر خوشی ہر پسند میری دسترس میں تھی پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں تمہیں پسند کرتا اور تمہیں پا نہیں لیتا۔"

"مطلب تم۔ میں تمہارے لیے محض شوپیس ہوں۔" جاناں کے لہجے میں سسکی تھی اور فرینڈ اس لمحے میں کس اذیت سے گزرا تھا میرا ارادہ تھا میں جھگڑ پڑوں لیکن میں کیمرہ سیٹ کرنے لگا، کیبن سے دوسرے کیبن میں کسی طرح داخلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ سو میں نے ہمت کر کے تھوڑا سا پردہ سرکایا اس شخص کے جوتوں کا رخ دیوار کی طرف تھا اس لیے میں یہ حرکت کر گزرا ورنہ بڑی پرابلم ہو جاتی۔

تو میں نے ایک سائیڈ پوز لیا۔ کیمرے کی مخصوص آواز گونجی وہ شخص پلٹا جاناں تیزی سے اس سے کلوز ہو گئی اور یہی میری دوسری کارگر تصویر تھی فلش کے جھماکے سے کچھ دیر کے لیے تو وہ مسمریزم میں آ گیا پھر دیوانوں کی طرح اس نے میرے کیبن کا پردا سرکا دیا میرا خیال تھا وہ میرے گلے سے کیمرہ چھین کر ریل نکال لے گا شاید گتھم گتھا بھی ہو جائے مگر میری سوچوں کے برخلاف وہ بالکل میرے سامنے آ رکا۔

ہونٹ بھینچے مجھے دیکھتا رہا پھر سرسرائے لہجے میں بولا۔

"تم۔ تم کیا سمجھتے ہو ہر ایک کو بلیک میل کرنا اتنا آسان ہوتا ہے میں چاہوں تو تمہیں اسی طرح زمین کے اوپر سے زمین کے اندر پہنچا دوں کہ تمہارے اہل خانہ اس حیرانی و پریشانی میں مبتلا ہو جائیں کہ واقعی تم اس دنیا میں تھے بھی یا نہیں۔"

"دیکھیے مسٹر سالار آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔"

"افوہ تو یہ حرکت ویل میڈ حرکت ہے۔ تو مسٹر صاحب تمہارے منہ سے حد اور تہذیب کی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ تم تو بس بلیک میلنگ کیا کرو یہی تمہاری اوقات اور یہی شاید آبائی پیشہ ہے تمہارا۔"

"مسٹر سالار یہ میری برداشت سے بہت زیادہ ہے میرے پیشے کا میرے اہل خانے سے تعلق جوڑنا ناانصافی ہے تمہاری۔"

"حالانکہ پوچھنا تو یہ چاہیے کہ ایک ایس پی، ایک قابل ایڈووکیٹ اور ایک سچے صحافی کا بیٹا یہ سب کیوں کرتا پھر رہا ہی، میں اس وقت پاور میں ہوں چاہوں تو تمہاری پوری فیملی انکوائری شروع کروا دوں لیکن میرا ابھی یہی خیال ہے کہ یہ سب تمہاری اپنی خواہش ہے۔

اس نے لحہ بھر کو مجھے دیکھا (اس دیکھنے میں کیا بتاؤں ڈیر فرینڈ کیا تاثر تھا یوں لگتا تھا جیسے وہ میرا اتالیق ہے اور میری کسی حرکت پر سرزنش کرنے آیا ہے۔) میں واقعی پزل ہو گیا جب کہ آج تک ایسا نہیں ہوا تھا وہ مجھے دیکھے جا رہا تھا پھر اس نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا میرے کیمرے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"تم یہ تصویر چھاپنا چاہتے ہو نہیں بلکہ مجھے بلیک میل کر کے اس تصویر کی اچھی قیمت لینا چاہتے ہو تو سنو اس کی قیمت مجھ سے کہیں زیادہ تمہیں میری مخالف پارٹی دے دے گی وہ تو مجھے ایکسپلائٹ کرنا ہی چاہتی ہے تمہاری چاندی ہو جائے گی تم اس سے لین دین ضرور کرنا میں تمہارے لیے دعا کروں گا۔" وہ آگے بڑھ گیا اور میں حیران رہ گیا جاناں اس کے ساتھ اس کے پیچھے لپکی تھی اور میں تب سے ابھی تک اس تصویر کو سامنے رکھے سوچ رہا ہوں میں اس کا کیا کروں یہ تصویر اخبار کے لیے تو نہیں تھی ناں؟ فرینڈ تم ہی بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے؟...... تو تمہارا خیال بھی یہی ہے مجھے صبح کا

انتظار کرنا ہی پڑے گا۔ او کے فرینڈ تمہاری کوئی صلاح ہو اور اسے میں رد کر دوں ناممکن ٹھیک ہے میں صبح کا منتظر ہی رہوں گا دیکھتا ہوں کیا ظہور میں آتا ہے اچھا تو پھر ایک دوسرے کو گڈ نائٹ کہتے ہیں ہاں بھئی پکا وعدہ کل کی روداد بھی تمہیں سناؤں گا۔ پورے سیاق و سباق سے بھئی تمہیں نہیں کہوں گا تو پھر کون ہے میرا سوائے خود میرے اپنے اچھا پھر ملیں گے گڈ نائٹ لٹل فرینڈ۔''

میں نے پڑھتے پڑھتے گھڑی دیکھی رات کا ایک بج رہا تھا میں نے ڈائری بند کر دی اٹھا ہی تھا کہ ایک صفحہ ڈائری سے نکل کر زمین پر گر گیا صفحہ اٹھایا چاچو کی تحریر تھی۔

''آج میں نے ایک بہت پیاری بات پڑھی تھی کسی بہت پیارے رائٹر نے لکھا تھا۔''

''دعا کرو میری آنکھوں میں میرا دل نہ رہے اور آج میں نے یہ دعا دن میں کتنی ہی بار مانگی مگر مجھے اس کار دشوار میں کامیابی نہیں ہوئی۔ شاید اس لیے کہ میرا باپ مجسم دل ہی تھا اور اس نے اب مجھے اس مٹی سے گوندھ کر بنایا یہ اور بات کہ میں خود کو اس فطری رنگ سے جدا کرنے کی کوشش میں سر سے پیر تک اس آذر کی طرح تھکن سے چور ہو گیا ہوں جس نے ترشے ہوئے مجسمے کو مزید خوبصورتی دینے کے لیے کاوش سے بھرپور ہاتھ چلائے مگر مجسمہ خوبصورتی میں ڈھلنے کے بجائے تجریدیت کا منہ بولتا ثبوت بن گیا آج میرا دل چاہتا ہے کاش میں ایسا نہ ہوتا یا کاش مجھے جاناں نہ ملی ہوتی کسی پسندیدہ شخص کے سامنے رہ کر خود پر جبر کرنا سر جھکائے رہنا کتنا دشوار ہے۔ دل ہی جانتا ہے۔''

میں نے کئی بار یہ سب پڑھا پھر بستر پر آ کر لیٹا کتنی ہی باتیں یاد آ کر رہ گئیں۔

چاچو کی ریش ڈرائیونگ ان کی محبتیں ان کا غصہ جب میں نے دنیا میں آنکھ کھولی چاچو ایک برس کے تھے اور دادی ماں بستر پر دراز تھیں دادو ماں کو اس لیے بیاہ لائے تھے کہ وہ گھر کی دیکھ بھال کے ساتھ دادی کی بھی خدمت کریں گی پاپا ان دنوں ایف اے میں ہوا کرتے تھے اور اب اس قدر جلد شادی حیرت ہوتی ہے گھر میں بہت سکون تھا جب میں نے ننھی آنکھوں سے دنیا کو دیکھا چاچو گھر کے واحد بچے تھے سو مجھے پا کر وہ دیوانے ہو گئے مگر ماں کو پتا نہیں ان سے کیا خلش تھی وہ مجھے چھونے کے لیے آگے بڑھتے میں ان کے لیے ہمکتا تو وہ چاچو کے بڑھے ہوئے ہاتھ جھٹک دیتیں۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے اتنے سے تو ہو تم، لے کر گراتا ہے میرا بچہ۔''

چاچو کچھ کہتے نہیں مگر میں جو کچھ بھی سمجھنے کی پوزیشن میں نہیں تھا پھر بھی ان کی محبت سمجھ کر خوش ہوتا رہتا پھر یوں ہوا میں پاؤں پاؤں چلنے لگا تو چاچو ہی میرے اولین رفیق بن گئے وہ اور میں دن بھر باتیں کرتے رہتے اور ماں کہتیں۔

''بگاڑ رہا ہے میرے بچے کو، نہ خود کسی گن کا ہے نہ اسے کسی جوگا چھوڑنا چاہتا ہے۔ عمار کے پا میں کہے دیتی ہوں مجھے یہ بچہ ایک آنکھ نہیں بھاتا پتا نہیں کس پر گیا ہے اطوار ہی نہیں شریفوں والے۔''

اور میں چاچو کو حیرت سے دیکھتا اتنے اچھے سے تو ہیں بلکہ کئی مواقع پر وہ مجھ سے کہیں زیادہ اچھے ثابت ہوتے پڑھائی کھیل کود میں اور ماں ایسے ہر موقعہ پر میرے ہاتھ میں سیکنڈ کپ دیکھ کر شاید حاسد بن جاتیں پاپا سے شکایتیں کرتیں دادی ماں کا شروع سے یہی وطیرہ تھا کہ وہ شکایت کرنے والے کے سامنے اپنے بچوں کا دفاع نہیں کیا کرتیں۔ جھنجلا کر اپنے ہی بچے کو پیٹ ڈالتیں اور ایسے وقت ان پر جنون طاری ہو جاتا یہاں تک کہ پاپا دادو کو

رحم آتا جاتا۔

''اب بس بھی کر نیک بخت۔''

''پلیز امی شکایت کرنے کا مطلب یہ تو نہیں کہ آپ اس بری طرح سے ماریں اگر آپ کو برا لگتا ہے تو آئندہ کچھ نہیں کہوں گا۔''

دادی چڑ کر پاپا کو دیکھتیں اوران کے ہاتھوں میں اور تیزی آ جاتی۔

''کرتا ہی کیوں ہے یہ شرارتیں جو مجھے سننی پڑتی ہیں۔نہیں میں آج اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔''

''پلیز اماں۔'' منجھلے چاچو چاچی بھی دخل دیتیں تو اماں رک جاتیں مگر چاچو سے پھر بات نہیں کرتیں دنوں نہیں ہفتوں اور چاچو جلے پیر کو بلی بنے گھومتے میں کچھ کہنے کی کوشش کرتا تو۔گھرک کر کہتے۔

''تمہاری می بہت بری ہیں عمار دیکھو ناں میری ممی کو ناراض کروا دیا مجھ سے، سچ اماں روٹھ جائیں تو دل ہی نہیں لگتا کسی شرارت میں کسی کام میں۔''

میں کیا کہتا چپ رہ جاتا پھر میں نو سال کا تھا چاچو دسویں سال میں لگے تھے کہ اچانک دادی کی طبیعت جو ہر وقت ہی خراب رہتی تھی بگڑ کر رہ گئی پاپا دادی کو ہسپتال میں داخل کروانے کی تگ ودو میں تھے اور می کی یہی رٹ تھی۔

''خوامخواہ کا چلن نکالا ہے اماں نے گھر کی ذمہ داریوں سے فرار حاصل کرنے کے لیے بس پڑی رہتی ہیں بستر پر۔''

پاپا گھور کر دیکھتے پھر درشت لہجے میں کہتے۔''شرم آنی چاہیے سیما وہ تمہاری ماں کی جگہ ہیں۔''

''ماں کی جگہ ہیں ماں تو نہیں''

''یہ تو عادت ہے تم لڑکیوں کی انہوں نے کیا نہیں دیا تمہیں، سارا گھر، تمہیں سونپ دیا نہ کسی بات میں ٹوکتی ہیں نہ اپنی مرضی چلاتی ہیں پھر بھی تمہیں ان سے شکایتیں ہیں۔''

''اس لیے کہ یہ سب وہ خوشی سے نہیں کرتیں یہ ان کی مجبوری ہے میں اس گھر کی مالکن نہیں نوکرانی ہوں تمہارے گھر کو تمہارے بچے کو تو سنبھالوں ہی اس جان کے روگ کی بھی ہر ذمہ داری مجھ پر ہے۔''

''مجھے سمجھ نہیں آتی تمہیں اس سے پرخاش کیوں ہے؟''

''بس مجھ سے نہیں دیکھا جاتا کمائیں آپ اور اس کی ذمہ داری بھی آپ کے سر رہے۔''

''وہ آل ریڈی بابا کی ذمہ داری ہے سیما تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے کہ میں اس پر کچھ خرچ کرتا ہوں۔''

''غلط بیانی مت کیا کریں۔جانتی نہیں بابا کے کالمز سے اتنی رقم نہیں آتی کہ وہ اپنے خرچہ اٹھائیں اور اس کے انگلش اسکول کی فیس اور تعلیمی اخراجات بھی برداشت کریں فاطمہ نے کل ہی مجھے بتایا تھا کہ تنخواہ پہلے بابا کو دی تھی آپ نے۔''

''تنگ آ گیا ہوں میں تم عورتوں کی اس ٹوہ والی حرکت سے۔''

''کیوں نہ کروں تو آخر کو یہ میرا حق ہے میرے بچے کی حق تلفی ہے میں یہ کیسے برداشت کرلوں۔''

''تم سے بحث کرنا فضول ہے۔'' پاپا کمرے سے اٹھ کر چلے گئے اور میں کمبل میں دبکا ہوا سب کچھ ذہن میں اتارتا رہا یہاں تک کہ دادی ماں اللہ کو پیاری ہوگئیں اور میں چاچو کے اور قریب ہوگیا ممی کی باتوں نے مجھے کبھی بھی چاچو سے بدظن نہیں کیا اور اس میں ساری کاوش چاچو ہی کی تھی وہ ہمیشہ مجھ سے قریب رہتے اتنے کہ دوسرے کزنز شکایت کرتے۔

''چاچو ہمارے ساتھ نہیں کھیلتے چاچو ہم سے مس بی ہیو کرتے ہیں چاچو ایسے ہیں چاچو ویسے ہیں۔'' اور دادو مجھ سے پوچھتے تو میرا ایک ہی جواب ہوتا ''چاچو ویسے ہیں جیسا میں ہوں۔'' کھل کھلاتا قہقہہ قریب ہی گونجنے لگتا تو دادو سب سے مس بی ہیو کی وجہ پوچھتے تو وہ مزے سے ٹانگیں پھیلا کر کرسی پر بیٹھ کر کہتے۔

''کوئی خاص نہیں بابا بس عمار کے علاوہ مجھے کوئی اپیل ہی نہیں کرسکا دراصل یہ واقعی ایسا ہی ہے جیسا میں ہوں اور بس۔'' دادو مسکرا دیتے اور میری آنکھوں کی چمک بڑھ جاتی لیکن میری آنکھیں آج انہیں رو رہی تھیں۔ بے تحاشا اور چاچو تھے کہ میرے آنسو نہیں پونچھتے آرہے تھے۔

ابھی کل ہی کی تو بات ہے جب میں این سی سی ٹریننگ میں اوپر چڑھ کر جمپ لگاتے ہوئے زخمی ہوگیا تھا تو چاچو پاگلوں کی طرح مجھے بازوؤں میں اٹھائے کالج کے سیک روم میں جا پہنچے حالانکہ زخم کچھ اتنا کاری بھی نہیں تھا۔ میں خود چل کر جاسکتا تھا مگر چاچو کی بدحواسی...... وہ بالکل رونے والے ہوگئے تھے ڈاکٹر نے میرے سر پر بینڈیج کردی چاچو پھر بھی...... مجھے دیکھتے رہے بار بار کہتے۔

''تم ٹھیک ہوناں عمار؟''

''بالکل ٹھیک'' میں انہیں یقین دلا دلا کر تھک گیا انہیں اس وقت تک چین نہیں آیا جب تک زخم ٹھیک نہیں ہوگیا پھر بہت سارے دن گزر گئے میں سی ایس ایس کا امتحان دے کر فارغ تھا اور ہم روز آوارہ گردی کے لیے نکل پڑتے کہ ایک دن اچانک شبنم اور کہرے کی وجہ سے ہماری موٹر سائیکل سلپ ہوگئی چاچو اڑ کر دور فٹ پاتھ پر جا گرے اور میں موٹر سائیکل سے الجھا رہ گیا زبردست چوٹیں تو آئیں مگر سب اندرونی چوٹیں تھیں اور چاچو تھے کہ شدید زخمی حالت میں بار بار اٹھنے کی کوشش کررہے تھے میں خالی الذہنی کی کیفیت سے نکلا تو دوڑ کر چاچو تک گیا اور انہوں نے میرے سارے جسم پر ہاتھ پھیر کر اطمینان کرنے کے باوجود پوچھا۔

''تم۔ تم ٹھیک ہونا عمار؟'' میں جواب بھی نہیں دے سکا اور وہ بے ہوش ہوگئے پھر تین دن بعد انہیں ہوش آیا تب بھی ان کا پہلا یہی سوال تھا۔

''تمہیں چوٹ تو نہیں لگی عمار؟'' میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

''آپ کیا ہیں چاچو؟'' میں صرف اتنا ہی کہہ سکا اور وہ مجھے دیکھتے رہے طبیعت پہلے سے کچھ بہتر ہوئی تو بولے۔

''عمار یار جب تم میری زندگی میں آئے تھے ناں تب مجھے لگتا تھا میں ادھورا ہوں بالکل تنہا اور بے مصرف، پھر تم چلے آئے تو مجھے لگا میرا وجود مکمل ہوگیا ایسا ہوتا نہیں ہے لیکن عمار مجھے تمہیں محسوس کرکے چھو کر ایسے ہی لگا کرتا تھا جیسے میرے وجود کا آدھا حصہ جو وہاں رہ گیا تھا اسے اس رب نے تمہارے قالب میں ڈھال کر بھیج دیا یوں جیسے کوئی گفٹ برسوں بعد آپ کو موصول ہو تم میرے لیے ایسا ہی تحفہ ایسی ہی عنایت تھے۔ بس اس

لیے خود سے زیادہ میں تمہاری حفاظت کیا کرتا تم سے محبت کیا کرتا۔"

میں نے ان کا موڈ دیکھا تو شرارت سے کہا۔"کیا کرتا سے کیا مراد ہے چاچو کیا اب نہیں کرتے۔" تو وہ دیوانگی سے مجھے تکنے لگے۔ پھر بھرائے لہجے میں بولے۔

"میں نے کبھی محبت کو تسلیم نہیں کیا عمار کیوں کہ کسی نے کبھی مجھ سے محبت کی بھی تو نہیں اماں ہمیشہ اپنی بیماریوں کا الزام میرے کھاتے میں ڈالتی رہیں تو بھابھیاں مجھے اپنے بچوں کے حق پر ڈاکا ڈالنے والا چور سمجھتی رہیں۔ رہے بھائی اور بابا تو یہ سب ساری زندگی اتنے مصروف رہے کہ میں کہیں غائب ہو گیا انہیں دکھائی ہی نہیں دے سکا اور میرے اندر جذبے بھرے تھے، اتنے اتنے زیادہ کہ اگر ان کو تمہاری صورت راہ نہ ملتی تو میں...... میں شاید بلاسٹ ہو جاتا عمار تم جان ہی نہیں سکتے کہ میں تمہیں کتنا چاہتا ہوں اس کا کوئی پیمانہ نہیں لیکن یہ سچ ہے تمہاری صورت میں میں نے محبت کو پایا ہے محسوس کیا ہے تمہاری محبت ہی میری زندگی کا اجر ہے میرا مال ہے۔" میں انہیں دیکھے گیا اور چاچو کا عکس دھندلا ہو گیا شاید میں رونے لگا تھا۔

"اوئے پاگل ہو گیا ہے ابھی میں مرا تو نہیں۔"

"چاچو ایسا تو نہ کہیں۔" میں نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ کر بے قراری سے کہا۔ مگر وہ لمحہ تو آ کر گزر گیا تھا چاچو مر گئے تھے وہ چاچو جن کے جسم کا میں آدھا حصہ تھا اور ان کے جانے پر خود میرے جسم کے آدھے حصے میں سناٹا اور تنہائی بھر گئی تھی جیسے بنجر زمین پر کلر جم جائے۔

"آئی لو یو چاچو۔ آئی لو یو سو مچ۔" میں نے سر اٹھا کر چاچو کی طرف دیکھا اور وہ سنہری فریم میں سجے مجھ پر مسکراتے رہے پھر ساری رات میں سوئی جاگی کیفیت میں ہی رہا دوسرے دن آنکھ کھلی تو کسلمندی حد سے سوا تھی پاپا نے مجھے باہر دوستوں میں ملنے ملانے کا مشورہ دیا تھا ان کا خیال تھا میرا دل بہل جائے گا یہ اور بات کہ میں پوچھنا چاہتا تھا کون سا دل! مگر میں پوچھ نہیں سکا ڈائری کتابوں میں رکھ کر میں لائبریری میں چلا آیا میں کمرہ لاک کرنا نہیں بھولا تھا مگر چاچو پھر بھی میرے ہمراہ چلے آئے تھے شرارت سے ہنستے میرے کاندھے پر سر رکھے تھکے تھکے سے چاچو دل کے لیے زخم تھے اور بابا جو تھے کہہ رہے تھے دوستوں سے ملو کون سے دوستوں سے! میرا تو دنیا میں ایک ہی دوست تھا اور وہ اب چلا گیا تھا مگر ڈائری کھولی تو چاچو نے مسکرا کر مجھے دیکھا۔

"تمہیں یہ کیوں لگا کہ میں چلا گیا ہوں دیکھو میں تمہارے پاس ہوں تمہارے دل میں۔"

اور ایک بھولی بسری یاد آنکھوں میں پھر گئی۔

سارے کالج کے دوست بیٹھے ہنس بول رہے تھے پھر شاعری کا موضوع نکلا سب کی آزاد نثری نظمیں سن کر سب کی نظر چاچو پر آ رکی تو انہوں نے نگاہیں میرے چہرے پر ٹکا دیں پھر خوب صورت آواز میں گنگنانے لگے۔

اور

جب میں بظاہر مر جاؤں

تو تم

مت رونا

مرے وہ تمام خط

کہ جن میں ہماری تمہاری باتیں ہیں

نکالنا پڑھنا مسکرا دینا

اور گر مجھے دیکھنے کو دل چاہے

تو

اپنے دل میں جھانک لینا

یقین کرو جاناں

میں جب تک تمہارے دل میں ہوں

کبھی مر نہیں سکتا۔

سارے دوست چاچو کے اختتامی لفظ پر واہ واہ کر رہے تھے اور ایک میں تھا چاچو سے خفا ان سے روٹھنے کے لیے آمادہ۔

''کیوں عمار ڈیر نظم پسند نہیں آئی۔''

''نہیں ایک دم بور آپ کی طرح۔'' میں تلملاتا ہوا اٹھ گیا تو وہ میرے پیچھے بھاگے۔

''او جان ناراض ہو گئے اماں یار یہ نظم میری تھوڑی ہے۔''

''نہ ہو مگر سنائی تو آپ نے ہے نا مجھے۔''

''تو تم اپنے کان بند کر لیتے سیدھی سی بات ہے موت مجھے بڑی آرٹسٹ لگا کرتی ہے۔ جبران بھی یہی کہتا ہے۔''

''پھر جائیے جبران کا دماغ چاٹیے۔'' میں راضی ہی نہ ہوا تو جھنجھلا کر چلائے۔

''سنتے ہو عمار کے بچے یا ابھی ابھی تیرے قدموں میں جان دے دوں۔''

میں نے تمسخر سے انہیں دیکھا اور چڑانے کو بولا۔

''ڈائیلاگ بہت اچھا ہے لیکن کسی اور کے سامنے دوہرائیے مجھ پر تو ان لفظوں نے ایک فیصد بھی اثر نہیں کیا۔''

''ارے تو کیا میں مذاق کر رہا ہوں۔'' وہ غصے سے بھنا کر اٹھ گئے پھر میں لائبریری میں تھا جب اچانک ہمارے مشترکہ دوست مظہر نے لائبریری میں مجھے ہلا کر رکھ دیا اور میں اس کی طرف حیرت سے دیکھنے لگا۔

''کیا! چاچو سیڑھیوں سے پھسل گئے وہ کیسے ہیں؟'' میں سب کچھ چھوڑ کر سک روم کی طرف دوڑا چاچو بے ہوش لیٹے تھے۔

''چاچو کیا ہوا ٹھیک ہیں آپ؟''

ڈاکٹر رضی چاچو کی نبض تھامے کھڑے تھے پھر انہوں نے سر ہلا دیا۔

''سوری......''

''کیا کہہ رہے ہیں انکل، بھلا کوئی سیڑھیوں سے پھسل کر بھی مر سکتا ہے۔''

''وہ پوری بیس سیڑھیاں بنا پیروں کو تکلیف دیے نیچے آیا تھا پھر بھی زندہ رہتا۔''

''نہیں چاچو میرے چاچو نہیں مر سکتے۔''

''کیوں تمہارے چاچو کیا قیامت تک کی عمر لکھوا کر آئے تھے سیدھے منہ بولتے نہیں ہو اور کہتے ہو میرے چاچو مر نہیں سکتے بالکل فلمی ہیرو کی طرح لگ رہے ہو۔''

''یہ سب مذاق تھا۔''

''ظاہر ہے وگرنہ بقول تمہارے چاچو مر کیسے سکتے ہیں ترمینیٹر تو کے بھتیجے ہیں ناں۔''

''انکل رضی آپ بھی۔'' میں رونے لگا چاچو نے کھینچ کر مجھے سینے سے لگا لیا۔

''پاگل ہوا ہے بھلا تیری محبت کے ہوتے ہوئے میں مر سکتا ہوں۔''

میں یقین سے انہیں دیکھنے لگا جیسے واقعی ان کی زندگی میری محبت کے مندر میں بند تھی مگر اب یہ کیا وقت تھا کہ میری محبت وہی تھی مگر چاچو زندہ نہیں تھے۔

میں نے سامنے دیکھا سامنے چاچو ایک رخسار پر ہاتھ رکھے اب بھی مجھے ہی تک رہے تھے۔ بے ساختہ میں ان کی طرف جھک کر پوچھنے لگا۔

''چاچو روتے روتے مسکرا دینا کیا واقعی آسان ہے۔'' وہ کچھ نہیں بولے بس ان کی آنکھیں بولتی ہیں اور میں نے اپنی خاموش اور روتی آنکھیں صاف کر کے سامنے ڈائری پر جما دیں لکھا تھا۔

''میری پیاری سویٹ ڈائری کیسی ہو، امید ہے میری طرح ہی خوش باش ہوگی اور میری طرح رات بھر تمہارے دل میں بھی کھد بد ہوتی رہی ہوگی کہ سالار جنید نے اگلا ردعمل کیا دیا ہوگا تو جان و دل فرینڈ میرے لیے صبح نہایت دھما کا خیز ثابت ہوئی حیران نہیں ہو بتا تا ہوں کیا ہوا؟ ہاں تو صبح جب میں تیار ہو کر ناشتے کی میز پر پہنچا تو ملازم نے اخبار بھی میرے سامنے لا رکھا فرنٹ پیج پر نظر پڑی تو آنکھیں ابل پڑیں سالار جنید اور جاناں کی شادی کی تصویر چھپی ہوئی تھی یعنی بڑے اہتمام سے میری تصویر کا توڑ کیا جا چکا تھا مجھے خوشی تو ہوئی مگر حیرت خوشی سے زیادہ تھی کہ سالار جنید اس کا شوہر تھا جس کا گھر بسا رکھنے کے لیے وہ بلیک میلنگ پر اتر آئی تھی میں سوچ رہا تھا کہ اس کو فون کر کے مبارکباد دوں کہ فون کی بیل خود بج اٹھی۔

''صائب حسین آج کا لنچ میرے ساتھ کرو۔''

''کس ہوٹل میں'' میں نے پوچھا تو وہ مسکرا کر بولی۔

''نہیں آج ہوٹل میں نہیں آج کا لنچ میرے گھر میں کرو آج مجھے واقعی ایک گھر مل گیا ہے میرا اپنا گھر جسے میں جیسے چاہوں سجاؤں

سنواروں اور سالار جنید کا انتظار کروں۔''

''کیا مطلب کیا تم فلم انڈسٹری چھوڑ رہی ہو۔''

''وہ بھی سوچ لیا جائے گا تم آؤ تو سہی میں نے تمہارا شکریہ ادا کرنا ہے۔''

سومائی سویٹ ڈائری میں ڈھائی بجے اس کے بتائے پتے پر پہنچا گھر سادگی کی عمدہ مثال تھا اور وہ خود نیلے آسمانی رنگ کی ساڑھی میں آفاق حسن کا مجسمہ لگ رہی تھی۔

''پہلی بار دیکھ رہے ہو کیا؟'' اس نے ہنس کر میری محویت توڑ دی تو میں بھی مسکرا دیا۔

''کسی مالکن کو واقعی آج مالکن کے روپ میں دیکھ رہا ہوں عموماً دولت امارت لوگوں پر حکومت کرتی ہے لیکن پہلی بار ان چیزوں پر کسی انسان کو حکمراں دیکھا ہے سچ جانو جاناں تم میں اتنی خوبیاں ہیں کہ اگر تم کسی بن میں جا بیٹھو تب بھی تم کسی دور دیس کی بھولی بھٹکی شہزادی ہی لگو گی جس کے سامنے وقت ہاتھ باندھے بیٹھا ہی رہے سدا یونہی۔''

''اچھا بہت زیادہ مت بناؤ چلو اندر آؤ بہت سی باتیں کرنی ہیں۔'' وہ میرا ہاتھ تھامے ڈرائنگ روم میں لے گئی پھر میں صوفے پر آرام سے بیٹھا بھی نہیں تھا کہ وہ مسکرائی۔

''میں آج بہت خوش ہوں صاحب میری اسکیم بڑی کامیاب رہی۔''

میں نے سے خفگی سے دیکھا پھر کہا۔

''اور میں اسی لیے حیران ہوں کیسے کامیاب رہی بائی گاڈ جاناں میں ساری رات صحیح طرح سو نہیں سکا میں اس بات پر خود سے چڑ رہا کہ تم نے ایک کام مجھ سے کہا تھا اور میں وہ ایک چھوٹا سا کام بھی نہیں کر سکا۔''

''ارے لیکن تم نے یہ سب کیوں سوچا تھا۔''

''اس لیے کہ سالار نے بڑے دلکش انداز میں تصویر چھاپنے بلکہ اپنے دشمنوں سے ڈٹ کر لعن طعن کرنے کی کھلی اجازت جو دے دی تھی جب کہ میں جانتا تھا کہ یہ تصویر چھاپنے کے لیے نہیں تھی۔''

''اوہ وہ بات'' وہ قہقہہ لگا کر ہنسنے لگی (تمہیں کیا بتاؤں میرے دل پر کیا گزر رہی تھی دل چاہ رہا تھا یا تو وہ ہنسے نہیں یا ہنسے تو پھر مجھے دکھائی نہ دے کسی زندگی سے بھرپور لڑکی کو ہنستے دیکھنا اور ضبط کرنا کس قدر مشکل ہے تم جانتی ہوگی۔ ہاں تو وہ ہنستی گئی) میرے جذبات سے بالکل بے پروا پھر تھمی تو میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

''حالانکہ مجھے اپنی کامیابی کا سو فیصد یقین تھا۔'' ''کیسے تھا تمہیں اتنا یقین۔''

''صرف اس لیے کہ دونوں طرف سے میں ہی گیم کھیل رہی تھی تمہارا کیا خیال ہے اپنے متعلق تازہ انفارمیشن سالار تک کون پہنچاتا تھا۔ میں صاحب میں یہ اور بات کہ خاص ملازم یہ سب کرتا، لیکن ایسے ملازم چند روپوں میں خریدے جا سکتے ہیں سو میں نے خود اسے وہاں بلایا تا کہ وہ کل

کی خبر کی تصدیق خود کر سکے اور بس رہی سہی کسر تمہاری تصویر نے پوری کر دی وہ یہی سمجھا کہ تم نے یہ تصویر اسکینڈ لائز کرنے کے لیے اتاری ہے سو اس نے اس بات سے بچنے کے لیے وہی کیا جو میں چاہتی تھی۔ خفیہ شادی کی کیا اہمیت ہوسکتی ہے میں جانتی ہوں سو نہیں چاہتی تھی کہ میں بھی ایسا ہی کوئی ناکام و نامراد کردار بن کر رہ جاؤں اس لیے جب سے اس نے اپنے اور میرے تعلق کو طشت از بام کر دیا ہے تسلیم کر لیا ہے میری تسلی ہوگئی ہے۔''

''تم تم بہت بڑی چیٹر ہو کسی زمانے میں نپولین کی اتالیق تو نہیں رہ چکیں اس کی ڈکشنری میں بھی تو ناممکن کا لفظ نہیں تھا۔''

''اور کیا تم درست کہتے ہو کیوں کہ ناممکن سے پاک ڈکشنری میری ہی پبلشڈ تھی۔''

''جب کہ میرا خیال اس سے مختلف ہے۔'' یکدم تیسری آواز پر میں چونکا اور میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا سالار جنید سینے پر ہاتھ باندھے ہم دونوں کو خاموشی سے دیکھ رہا تھا اور لطل فرینڈ بولتے شور مچاتے لوگوں کے متعلق رائے دی جاسکتی ہے کیونکہ وہ اکثر اپنے دل کا حال جذباتیت میں کہہ گزرتے ہیں لیکن خاموش رہنے والے لوگ کافی خطرناک ثابت ہوتے ہیں سو ہم دونوں نے بھی سہم کر اسے دیکھا تھا وہ متوازن قدم رکھتا ہمارے سامنے آ رکا پھر جاناں کے سامنے بیٹھ کر اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔

''تم اپنی کسی گیم میں کامیاب نہیں ہوئی ہو جاناں مائنڈ اٹ۔'' جاناں اسے تکنے لگی تو اس نے سگریٹ کا دھواں اس کے منہ پر چھوڑتے ہوئے دلکشی سے کہا۔

''تم سمجھتی تھیں تم بہت ذہین ہو تم نے مجھے ٹریپ کر دیا ہے تو تم بالکل غلط سمجھتی تھیں تین برس سے میرے خیال میں تم مجھے اتنا تو جانتی ہی ہو کہ اندازہ کر سکتیں کہ کسی بھی قسم کی تصویر میرے مستقبل پر اثر انداز نہیں ہوسکتی تھی کیا ہوتا لوگ دیکھتے تو یہی سوچتے ناں کہ ایک امیر زادہ بگڑا ہوا رنگین مزاج شخص واقعی ایک خوبصورت پسند رکھتا ہے معیار سے کمتر لڑکی سے کبھی اس نے افیئر نہیں چلایا کچھ لڑکی کے کردار پر فقرے اچھالتے اور تمہیں جاننے والے تمہارے فین کہتے بہت اونچا ہاتھ مارا ہے تم نے۔''

''پلیز سالار اسٹاپ اٹ۔'' جاناں چلائی تو اس نے قہقہہ لگایا۔

''کیوں این جی ابھی سے کیوں، ابھی تو تم بڑے اونچے قہقہے لگا رہی تھیں میری بے وقوفی پر پھر کیا ہوا جو میری صاف گوئی تمہیں پسند نہیں آئی۔ ہاں تو لوگ کہتے سنتے پھر بھول جاتے میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں بنتا لیکن تمہارے پاپا کا برا ہو وہ واقعی ایسے انسان ہیں کہ ان کی مجھے ماننی پڑی، نہیں میں ان کی شرافت کی قصیدہ خوانی نہیں کر رہا کیونکہ شرافت سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں بلکہ میں محض ان کی بات اس لیے مان گیا کیونکہ سیکریٹریٹ میں مشیر خاص ہونا اتنا بھی کم عہدہ نہیں بڑے کام پڑتے رہتے ہیں ان سے اور میں انہیں خفا نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے یہ تصویر اخبارات کو جاری کی گئی میرے پریس سیکریٹری نے ہمارے ملنے کی روداد مرچ مسالے کے ساتھ چھاپی ہے وہ تم نے بھی پڑھی ہوگی لطف تو آیا ہوگا۔''

میں نے اسے گھور کے دیکھا اور سوچا جاناں اس شخص پر مر رہی ہے اتنا برا انسان ہے یہ لیکن پھر برا ہوا حقیقت پسندی کا مائی لطل فرینڈ کہ میں نے اپنے گریبان میں جھانک لیا تو اعتراف کرنا پڑا میں خود کون سا اچھا انسان ہوں جاناں چپ تھی سو اس نے میری طرف دیکھا۔

''کیا تم اکثر یہاں پائے جاؤ گے سنو میں جو چیز اپنے نام کروالیتا ہوں تو اس کی طرف بڑھنے والے قدم اور اٹھنے والی ہر آنکھ بزور طاقت

روک دیتا ہوں۔"

"نہیں سر آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میں جاناں کا صرف دوست ہوں اور کچھ نہیں۔"

"دوست! کیا ہمارے اسلام میں کسی عورت کا مرد سے دوستی رکھنے کا رواج ہے۔"

"ایک منٹ سر، ان باتوں میں اسلام کو گھسیٹ کر بے ادبی نہ کریں۔"

"آ خاہ تو تم مسلمان بھی ہو حالانکہ تم ایک عورت کے دوست ہو۔"

اس نے اتنے تمسخر سے دیکھا کہ مجھے غصہ آ گیا میرا غصہ تو پھر تم جانتی ہو ناں لعل فرینڈ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں پھر سرد لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں سر یہ تعلق اسلام میں نہیں لیکن مذہب اسلام پر یہاں عمل ہی کتنا ہو رہا ہے لڑکیاں حیا سے بے نیاز بازاروں میں پھرتی ہیں سج سنور کر تو کیا یہ جائز ہے۔

آپ بتایئے سر کہاں ہو رہا ہے عمل اسلام پر اور کس معاملے میں ہم اسلام کے پیروکاروں کا سا انداز رکھتے ہیں خود کسی معاملے میں اسلام کو لاگو نہیں کرتے لیکن کسی دوسرے کو دیکھ کر ہم اسلام کا شور مچاتے ہیں اور مجھے کہنے دیجیے کہ یہ ساری کجروی اور جہلاہٹ اس رویئے کی مرہون منت ہے۔ چودہ سو سال پہلے جس طرح ہادی برحق ﷺ نے اسلام کا علم بلند کیا تھا کیا ہم اس طرح لوگوں کی متوجہ کر رہے ہیں نہیں جناب ہم صرف فتوی دے رہے ہیں چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے کے انداز پر دین سے خارج کر دینے کے محض فتوے، پہلے بندگان خدا لوگوں کی برائیوں خامیوں سمیت لوگوں کو سینے سے لگا لیتے تھے پھر اپنے عمل سے ثابت کرتے تھے کہ سچ اور حق یہ ہے مگر اب ہر شخص دوسرے کو مذہب سے برگشتہ کرنے پر تلا ہوا ہے مذہب پر ہر شخص بے تکان بولتا ہے اور فتوے دیتا ہے۔ بھئی عبادات ہوں یا مذہب یہ سب اس بندے اور اللہ کے درمیان کا معاملہ ہے پھر یہ معاملہ اسی کے سپرد کیوں نہ رہنے دیا جائے کہ وہ جو بہتر سمجھے فیصلہ دے۔"

سالار جنید مجھے خاموشی سے سنتا رہا پھر اٹھ کر میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"تمہیں دلیل دینی آتی ہے اور قائل کر لینا بھی، واقعی یہ فیصلہ اسی کے لیے رہنے دینا چاہیے کہ کون اچھا مسلمان ہے کون دین میں شامل ہے کون خارج ہے، جبر اور زور سے کبھی دین اسلام نہیں پھیلا نہ چودہ سو سال پہلے نہ اب۔"

"ایکسیلنٹ سر۔"

"ایک منٹ، تم مجھے سالار کہہ سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے سر اوہ مسٹر سالار یہ حقیقت ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو معاشرہ جس قدر اسٹریٹ فارورڈ ہو چکا ہے جس طرح اس میں برائیاں سرائیت کر چکی ہیں ان میں اسلام کی روح ڈھونڈنے سے نہیں ملتی لیکن ان چھوٹے چھوٹے کاموں سے ہم پھر سے اس طرف لوٹ سکتے ہیں۔"

اس نے بڑھ کر میرا ہاتھ تھام لیا مسکرانے لگا لیکن جاناں کی طرف دیکھا تو اس کے اعصاب پھر تن گئے۔

''تم جتنی کوشش کر رہی ہو مجھے پانے کی اسی طرح کھو رہی ہو تم مجھے پا نہیں سکتیں میں نے محض تمہیں پسند کیا تھا تمہاری محبت میں پاگل ہونے کا نہ پہلے ارادہ تھا نہ اب ہے کیا سمجھیں میں جا رہا ہوں۔''

وہ جیسے آیا تھا ویسے ہی چلا گیا اور اس کے جاتے ہی وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''یہ ہنسنے کا مقام ہے جاناں؟''

''نہیں لیکن ان جملوں سے صرف میں ہی اس کی جھلاہٹ محسوس کر سکتی ہوں تمہیں کیا بتاؤں صاحب وہ کتنا ضدی ہے اور یہی ضد تو ہے جو اسے روک رہی ہے اس اظہار سے کہ وہ مجھے حقیقتاً چاہنے لگا ہے۔''

''تمہارے یہ سالار تم سے بھی کہیں زیادہ عجیب ہیں۔''

''تمہارے عجیب کہنے پر لڑنے کا ارادہ تھا لیکن ''تمہارے سالار'' کہنے پر خوشی سے پھولے نہیں سمارہی واقعی دل میں موجود انسان کا اپنا ہونا کتنا بڑا احسان ہے ناں اس رب کا۔''

''ہاں واقعی یہ خوش کن احساس ہے وہ احساس جو تمہارے چہرے پر قوس و قزح بن کر بکھر گیا ہے.....'' بظاہر میں نے اس کا ساتھ دیا تھا مگر سویٹ ہارٹ یہ میرا دل ہی جانتا ہے کہ سالار کا اسے ''اپنا'' کہنا دل کو کیسے درد سے آشنا کر گیا ایک میں بھی تو تھا جو اسے اپنا کہتا تھا اپنا سمجھنے لگا تھا لیکن وہ پوری کی پوری اس کی تھی کتنا حیران کن موڑ ہے ناں یہ لیکن یہ سچائی ہے محبت یونہی خبطی ہوتی ہے پا لینے پر اسے کبھی اطمینان نہیں ہوتا اوہو! میں تو تمہیں بور کرنے لگا تھا اچھا چلو میں آگے کی باتیں سناتا ہوں تو جناب وہ مجھے لنچ پر لے گئی واش روم سے ہاتھ دھو کر کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تو سامنے ہی ملک کی مشہور و معروف شخصیت سجاد اسجد کی تصویر پر نظر ٹھہری گئی۔

''یہ تصویر۔''

''یہی میرے پاپا ہیں۔'' اس نے اطمینان سے کہا تو میں حیران رہ گیا۔

''تم ان کی بیٹی ہو کر ایکٹریس بن گئیں۔''

''تم جانتے ہو میں کیوں ایکٹریس بنی لیکن تفصیل میں کھانے کے بعد بتاؤں گی کہ کیا تھی حقیقت ویسے سنو آج میں بھی تم سے تمہارے متعلق کچھ پوچھوں گی۔''

میں نے خاموشی سے کھانا ختم کیا اور وہ میرے سامنے آ بیٹھی پھر ماضی کے ورق الٹتے ہوئے بولی۔

''یہ میرے بچپن کی بات ہے پاپا میری ممی سے بہت نفرت کرتے تھے پاپا نے کبھی کوئی کام اتنی مستقل مزاجی سے نہیں کیا جتنی دل جمعی کے ساتھ انہوں نے ممی کے ساتھ نفرت کی ممی پاپا کی فرسٹ کزن تھیں پڑھی لکھی تھیں لیکن بس ان کے معیار حسن پر پوری نہیں اتری تھیں یہ اور بات کہ دولت کے کم ہو جانے کے ڈر سے پاپا ممی کو کبھی طلاق نہیں دے سکے۔ میری ممی کو دولت سے نہیں شوہر سے مطلب تھا وہ واقعی انہیں چاہتی تھیں لیکن پاپا

ہمیشہ ان کی کم صورتی پر طنز کرتے، جب تک میں دنیا میں نہیں آئی تب تک انہیں بڑا ٹینشن تھا کہ کہیں اگر میں نے اپنی ماں کی صورت چرا لی تو پاپا کی حس لطیف کا کیا ہوگا؟ جو خوب صورتی حسن و جمال کے شائق تھے کس قدر ڈس ہارٹ ہوتے لیکن تھینکس گاڈ ان کی زندگی میں میں آ گئی..... تم واقعی اپنے نام کی طرح معصوم و پاکیزہ اور خوبصورتی میں واقعی اپنے باپ کے حسن کا منہ بولتا نمونہ..... مگر مجھے اپنے حسن سے نفرت ہے کیوں کہ اس حسن پرستی سے پل پل میری ممی کا دل ٹوٹا، پاپا کہتے تھے انہیں حسن گھر میں نہیں ملا تبھی وہ باہر اس کے زیر دام آئے لیکن صائب اگر ایسا ہوتا تو پاپا کسی ایک کے نام سے منسوب رہتے مگر وہ ایسے نہیں تھے انہوں نے اپنے تعلق اپنی ٹائی کی طرح سدا بدلے، ممی اگر حسین ہوتیں پاپا تب بھی ایسے ہی رہتے کیوں کہ وہ محبت اور وفا کو وقت کا زیاں سمجھتے تھے۔ میری ممی صبح شام رویا کرتی تھیں خدمتیں کرتی تھیں اور پاپا قہقہہ لگا کر ہنسا کرتے تھے کہتے تھے۔

''این جی تمہاری ممی سمجھتی ہیں آج بھی برسوں بعد شوہروں کے دلوں پر راج کرنے کے لیے سیرت کے داؤ آزمائے جانے چاہئیں حالانکہ یہ انٹرنیٹ کا زمانہ ہے آج کل سراہنے اور تسلیم کروانے کا مختلف گر ہوتا ہے جوان میں نہیں۔'' میں ممی کو دیکھا کرتی اور ممی خاموشی اور حسرت سے یوں دیکھتیں جیسے ان کا مجھ پر کوئی حق نہیں جیسے میں پاپا کی پراپرٹی تھی پاپا ان پر بگڑتے بھی تو بہت تھے اگر وہ مجھے پیار کر لیتیں یا میں ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ جاتی تو کہتے۔

''تم اپنی طرح اسے بھی ڈل کر دوگی اسے نئے زمانے کے قدم سے قدم ملا کر چلنے دو اپنا سایہ دور رکھو اس سے۔'' اور بس ایک دن ممی کو یہی بات لگ گئی وہ ہمیشہ سنتی رہتی تھیں لیکن اس دن وہ برداشت نہ کر سکیں اور ان کا سایہ واقعی مجھ پر سے اٹھ گیا چند ہفتے پاپا ڈسٹرب ہوئے مگر پھر اپنی ڈگر پر آ گئے اور پھر وہی والا واقعہ ہوا وہی ایکٹریس والا واقعہ تب مجھ میں بھی اذیت پسندی دوڑنے لگی اور میں ہر وہ کام کرنے لگی جس سے پاپا زیادہ سے زیادہ ڈس ہارٹ ہوتے۔''

کہتے کہتے وہ چپ ہو گئی اور میں اسے دیکھنے لگا اس نے ہنس کر مجھے دیکھا پھر شرارت سے بولی۔

''صائب آج تم بھی اپنے متعلق مجھے بتاؤ تم کیا ہو اور کون ہے ایسا جو تمہیں عزیز تر ہے۔'' میں نے چاچو کی ڈائری وہیں بند کر دی پتا نہیں میں کیوں ڈرنے لگا دل دھک دھک کرنے لگا تھا پھر تجسس زیادہ بڑھا تو میں نے پھر سے ڈائری کھول لی لکھا تھا۔

''میری زندگی بڑی عام سی گزری جاناں بلکہ این جی، ایک ایسا بچہ کیا محسوس کر سکتا ہے ڈیر جس کا باپ ایک سچا صحافی ہو اور ماں اس کے سچ سے عاجز آ گئی ہو اور اس کے باپ نے ایک غلط فیصلے کے تحت وقت سے بہت پہلے ایک بھابھی نما ڈراوا گھر میں لا رکھا ہو۔'' (سنو ڈیر فرینڈ اس سچ سے تم تو واقف ہو لیکن پھر بھی کہنے میں کیا حرج ہے میں پھر سے کتھارسس کرنا چاہتا ہوں بلکہ شاید اس طرح میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میں نے اس وقت کیا کہا اور کیا چھپا لیا اور جو کہا اس میں کتنے فیصد درست پیرائے کا خیال رکھا) ہاں تو وہ خاموشی سے مجھے تک رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا میں کہاں سے شروع کروں اس نے الجھن دیکھی تو بولی ''وہیں سے کہو جہاں سے بھابھی نما ڈراوا آیا تھا۔''

میں ہنس دیا اوہ گاڈ اگر بھابھی اس وقت میری ہنسی سن لیتیں تو وہیں جان نکال لیتیں تم تو جانتی ہو نا سویٹ ہارٹ وہ کیسی جلاد صفت تھیں ہاں تو وہ میری ہنسی سے محظوظ ہوتی رہی اور میں نے سر صوفے کی پشت سے ٹکا کر یوں آنکھیں بند کر لیں جیسے میں ہپناٹزم کے تحت ٹرانس میں چلا گیا

اور ماضی کریدنے لگا میرا ماضی تھا ہی کیا سوائے راکھ این جی تم، میں تمہیں کیا بتاؤں کہ میں نے اپنے ہی گھر میں کس طرح تیسرے درجے کے شہری کی حیثیت سے زندگی گزاری تھی مجھ میں جتنا جھوٹ اور مکر ہے وہ سب بھا بھوہی کا تو کشید کیا ہوا ہے میرے اندر میرے جھوٹ میری غلط سوچ کے باوجود بابا کی سچائی زندہ تھی احترام انسانیت زندہ تھا لیکن ایک دن یوں ہوا میں ایک بچے پر ہونے والی زیادتی برداشت نہ کرسکا اس وقت میں گیارہ برس کا تھا۔

اور مجھ میں سچائی کا، رحمدل سوچ کا بڑا گہرا اثر تھا میں غریبوں اور کمزور لوگوں کو اپنی استطاعت کے مطابق سپورٹ کرتا تھا اس وقت مجھے لگا کرتا تھا جو چیز دوسرے کے پاس ہے وہ اس دوسرے شخص کی امانت ہے جس کے پاس وہ چیز نہیں بس اس دن بھی یہی خبط سوار تھا میں اپنے سے زیادہ طاقتور لڑکے سے لڑ پڑا تھا اس نے دوسرے کمزور لڑکے کا لنچ بکس اور فیس کے پیسے چھین لیے تھے میں نے بزور طاقت اس سے یہ سب واپس حاصل کرلیا لیکن بابا تک یہ بات کسی طور پہنچ گئی تو انہوں نے مجھے میرے طریق کار کے غلط یا صحیح ہونے کے متعلق نہیں آگاہ کیا بس سزا دے دی تیز دھوپ میں مرغا بنا کر وہ خود بھی تیز دھوپ میں جلتے رہے پھر میرا سایہ میرے جسم سے بڑا ہو گیا میں تھک گیا شام بھی تھک گئی تب بابا نے کہا۔

''سیدھے کھڑے ہو جاؤ کیا اب بھی تم ایسی ہی حرکت کرو گے۔'' مسلسل سر جھکانے سے میرا اندر والا صاب بھی جھک گیا تھا بلکہ اندر ہی اندر ٹوٹ گیا تھا اس دن صرف بابا کی سچائی پر سے ہی نہیں اپنے آپ پر سے میرا اعتبار ختم ہو گیا یہ سچائی اور نیکی انسان کو کیا دیتی ہے صرف سزا اور میں نے آئندہ سزا بھگتنے کا ارادہ ترک کر دیا پھر زندگی یونہی گزرتی گئی۔

بھائیوں کو میرا وجود زہر لگنے لگا انہیں لگتا میں ان کے حصے کا بھی رزق کھا لیتا ہوں ان کے حصے کی مراعات بھی چھین لیتا ہوں ورنہ حقیقتاً اپنے حصے کی مراعات اور رزق تو ہر شخص ساتھ ہی لاتا ہے لیکن انہیں کبھی تسلی نہ ہوئی یہاں تک کہ میں بی اے میں تھا تب میں نے پہلی تصویر پر پہلی بار بلیک میلنگ کی کافی اچھا رسپانس ملا لیکن جب میں اس میں ماہر ہو گیا تو ایک شناسا نے کہا میری کاوش میرے اہل خانہ کے لیے نقصان دہ بھی ہو سکتی ہے تب میں نے ایک شخص سے اس کی تصویر کے عوض یہ فلیٹ لیا بابا یہی سمجھے کہ میں ان سے اختلاف کی وجہ سے گھر چھوڑ کر گیا ہوں لیکن میرے لیے وہ سب بہت اہم تھے یا شاید صرف اپنی دشمنی اپنے تک رکھنے کی تگ و دو میں تھا (اور یہ تم جانتی ہو سویٹ فرینڈ میں نے اپنی ان دشمنیوں کو اپنے عزیزوں تک پہنچنے سے بچانے کے لیے کتنی قاتل راتیں جاگ کر اور کتنی ہی ٹھٹھرتی شامیں جلتے پیر کی بلی بن کر گزاری ہیں۔)

ہاں تو میں نے آنکھیں کھول کے دیکھا وہ مجھے تک رہی تھی اسی استغراق، اسی محویت سے کہ مجھے ہاتھ ہلانا پڑا۔

''اے این جی کہاں گم ہو بھئی۔''

''کہیں نہیں میں تمہاری کہانی سُن رہی تھی ہاں تو بتاؤ ناں پھر کیا ہوا؟''

''پھر کیا ہوا ساری زندگی ایسی ہی گزر گئی رہا یہ سوال کہ مجھے دنیا میں کون عزیز ہے تو خود اپنے علاوہ مجھے ایک ہی شخص عزیز ہے اور وہ ہے عمار میرا دوست میری روح سبھی کچھ، زندگی میں، میں نے جب تھک کر کسی کے کاندھے سے سر ٹکا کر سکون پایا تو ایک وہ تو تھا اس کے سینے سے لگ کر مجھے بڑے بھیا کا لمس محسوس ہوتا تھا تمہیں کیا بتاؤں این جی بڑے بھیا نے کبھی مجھے اس طرح نہیں سینے سے بھینچا جیسے اکثر بڑے بھائی بھینچتے ہیں میں

یہ نہیں کہتا میرے بڑے بھائی برے تھے سردمہر تھے بلکہ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وقت سے پہلے پڑنے والی ذمہ داریوں نے انہیں کسی طرف دیکھنے کا موقعہ ہی نہیں دیا میں ان کے سامنے ہوتا تب بھی وہ مجھے سرسری سا دیکھتے، بڑے بھیا تو ہمیشہ مجھے دیکھ کر جیب کی طرف ہاتھ بڑھا دیا کرتے تھے جیسے میں صرف پیسے کا بھوکا تھا بابا نے سارا وقت بچ کی ترویج میں لگایا اور مجھ سے اس لیے متنفر ہے کہ میں ان کے تینوں بیٹوں جیسا نہیں تھا، بابا سمجھتے تھے میں پتھر ہوں کبھی انہوں نے چھو کر نہیں دیکھا وگرنہ جان لیتے میں اندر ہی اندر پگھلتا جا رہا ہوں اور شاید اصل صورت گنوا بھی دیتا اگر یہ عمار نہ ہوتا میرے پاس، زندگی اور محبت کو میں نے اس کی صورت میں تو مانا ہے سنو میں تمہیں ایک نظم سناؤں۔''

''کس کے لیے ہے؟'' اس نے اشتیاق اور بڑی بے تابی سے مجھے دیکھا بائی گاڈ سویٹ ہارٹ میں تو وہیں شہید ہوتے ہوتے رہ گیا خیر جب اس نے پوچھا نظم کس کے لیے ہے تو مجھ سے بات ہی نہ بن پڑی او ہو تو تمہارا کیا خیال ہے میں اس سے صاف کہہ دیتا یہ میں اس کے لیے کہہ رہا ہوں ناراض نہ ہو جاتی۔ نہیں بھئی میں کتنا ہی اسٹریٹ فارورڈ سہی اس حسن مجسم کے سامنے بالکل حوصلہ کھو دیتا ہوں سو بہانہ تو کچھ بنانا ہی تھا ناں اس لیے کہہ دیا۔

''یہ میں نے کیوٹ سے عمار کے لیے لکھی تھی۔'' (مجھے پتا ہے عمار کو جب یہ پتا چلے گا تو وہ کس قدر ناراض ہوگا اس بے توقیری پر لیکن یہ بات تم صرف اپنے تک ہی رکھنا اسے کیسے پتا چلے گا ہاں اگر تم خراب دوستوں کی طرح یہ راز اسے بتاؤ گی تب شاید ہو ناراض ہو جائے۔ دیکھو نہیں بتاؤ گی ناں اسے۔)

''چاچو'' آنسو پھر بہنے لگے ڈائری نے تو خراب دوست کی طرح واقعی مجھ سے کچھ نہیں چھپایا تھا لیکن میں نے بھی خراب ہمدم کی طرح ان کی محبت سے چوری کی تھی، چاچو میرے نام پر جاناں کو آپ نے جو کچھ سنایا میں نے قطعاً برا نہیں منایا بھلا میں پہلے کبھی آپ سے روٹھا ہوں جواب روٹھتا، آنسو صاف کر کے پھر سے ڈائری کی سمت نظر کی لکھا تھا۔

مٹھی میں

راکھ کی طرح سمیٹے

ہم تیرے صبا رفتار

قدموں کے منتظر ہیں

کہ تو آئے

تو یہ راکھ ہم اڑائیں

تیرے قدموں میں ہی سہی

لیکن

تیری جیون میں کچھ جگہ تو پائیں

نظم کا ایک ایک لفظ دل میں اتر گیا تھا آگے چاچو نے لکھا تھا۔

''اوہ گاڈ!'' سویٹ فرینڈ تمہیں کیا بتاؤں اس نظم سے جاناں پر کتنا اثر ہوا تھا وہ تو پاگل ہوگئی جھٹ سے کاغذ قلم لیے میرے قدموں میں آ بیٹھی کہنے لگی۔

''پلیز صاحب یہ نظم مجھے یہاں لکھ دو میں یہ کسی کو سنانا چاہتی ہوں۔'' میں بھی ہنس پڑا۔

''سالار جنید کو۔'' تو وہ بھی ہنسنے لگی۔

''تم درست سمجھے میں واقعی یہ اس کو سنانا چاہتی ہوں پلیز مجھے لکھ دو۔''

میں نے اٹھی ہوئی نظریں جھکا لیں اور دعا کی واقعی میرا دل میری آنکھوں میں دکھائی نہ دے کاغذ قلم سنبھالا نظم اتارنے لگا اور یہ کس قدر حیرت کی بات تھی ناں ڈیر فرینڈ کہ میں نے اپنے حال دل کو صفحہ پر منتقل کر کے اس کے حوالے کر دیا تھا اور وہ ان ہی جذبوں کو کسی اور کو منتقل کرنا چاہتی تھی میں اس کی وارفتگی دیکھتا رہا وہ کاغذ پر جا بجا سالار جنید سالار جنید لکھتی چلی گئی اور مجھ سے ضبط نہ ہو سکا پھر میں اٹھ کر چلا آیا سوچتا ہوں آج کے بعد نہیں جاؤں گا جس کا در میرے لیے وا ہی نہیں ہو سکتا جس کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام جگمگاتا ہے میں آخر کیوں اپنے دل کو اس کی طرف موڑوں، ابھی اتنی دور تک سفر کیا بھی نہیں ہے دل نے، واپس لوٹا جا سکتا ہے لیکن ڈیر فرینڈ کیا واقعی یہ ممکن ہے۔''

''سر آپ اتنی دیر سے رو کیوں رہے ہیں اپنی پرابلم۔'' یکدم سامنے سوٹڈ بوٹڈ ایک نوجوان آ کھڑا ہوا تو میں ہنس پڑا۔

''ایسی کوئی بات نہیں یار بس یونہی ڈسٹ الرجی ہے مجھے۔''

''مگر سر یہاں تو بڑی صفائی ہے۔'' اور مجھے احساس ہو گیا میں چاچو کا آدھا حصہ ہو کر بھی ان کی طرح جھوٹ بولنے میں ماہر نہیں۔

''شاید آنکھ میں کچھ پڑ گیا تھا۔'' میں ڈائری لیے اسے حیران چھوڑتا گھر چلا آیا گھر میں خاصی خاموشی تھی سب ہی اپنے کسی نہ کسی کام میں مصروف تھے جب سے چاچو گئے تھے ممی بس اپنے کمرے کی ہو کر رہ گئی تھیں اور پاپا کہتے تھے۔

''تمہاری ممی تو پاگل ہوگئی ہیں صبح شام اسے یاد کرنے لگی ہیں کہتا ہوں وہاں جا کر تو اسے سکون لینے دو زندگی تو سدا اس پر تنگ کیے رکھی مگر اب تو اسے سکون لینے دو، وہ بس چپ چاپ مجھے دیکھتی ہے یا پھر رونے لگتی ہے عمار۔''

کہتے کہتے پاپا بھی میرے کاندھے سے سر ٹکا کر رونے لگے تو میں سوچتا اگر میں بھی ہمت ہار گیا تو ان سب کو دلاسا کون دے گا سو اس وقت بھی کمرے میں آ گیا ممی اس وقت بھی بیڈ پر سیدھی لیٹی آنکھیں بند کیے بظاہر سو رہی تھیں لیکن میں جانتا تھا وہ اس وقت بھی چاچو کو یاد کر رہی تھیں۔

''ممی! کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' میں نے قریب جا کر پکارا ممی نے میری طرف دیکھا تو ان کی آنکھوں میں چمک سی کوندی۔

''صاحب! تم آ گئے میرے بچے میرے لال۔'' ممی بجلی کی سی تیزی سی اٹھ بیٹھیں کھینچ کر مجھے خود سے بھینچ لیا میں کچھ کہہ بھی نہ سکا اور وہ کہنے لگیں۔

''اب نہ ستانا دیکھ ماں کا دم رک جائے گا۔''

وہ میرے بال سنوارتے ہوئے بھرائے ہوئے لہجے میں بولیں۔

''بس کچھ نہ بول جانتی ہوں بڑی ناک والا ہے، بچپن سے تیری اس ہی عادت سے تو چڑتی تھی کھانا نہ ملے تب بھی منہ سے نہیں مانگتا تھا اور میں چاہتی تھی تو میری اہمیت تسلیم کرلے پتا نہیں اس وقت مجھے تیری صورت دیکھ کر غصہ کیوں آجاتا تھا شاید میں ذمہ داریوں سے گھبرا کر اسے بھی تیرے کھاتے میں ڈال دیتی تھی اب سوچتی ہوں تو بڑا برا لگتا ہے اپنا آپ، اتنا پیارا سا خوبصورت سا تو ہے صائب میرا دل چاہتا ہے میں بس تجھے اپنے سینے میں چھپالوں ایسے کہ کوئی سرد گرم تجھ تک نہ آئے میں جانتی ہوں تو ناراض رہنے لگا ہے مجھ سے مگر بچے زیادہ دیر ماں سے ناراض نہیں رہ سکتے تجھے میں نے صرف جنم ہی تو نہیں دیا وگرنہ کون سی ذمہ داری تھی جو تیری اماں نے میرے ذمہ نہ ڈال دی تھی دیکھ بچے ماں کی غلطیاں بھول جا میں واقعی بڑی بری تھی مگر اب تو صرف تیری ماں ہوں نا اور ماں کا کہا تو جب نہ ٹالتا تھا جب سخت خفا رہتا تھا مجھ سے میرے غصے سے سہارا رہتا تھا تو اب کیسے ٹالے گا اب تو میں تیرے لیے بھی ویسی ماں بن گئی ہوں نا جیسی اپنے عمار کی ہوں۔''

''ممی ہوش میں آئیے۔'' میں ان کے کاندھے سے لگ کر ہچکیاں لے رہا تھا تب اچانک پشت سے پاپا کی آواز گونجی۔

''عمار، یہ کیا ہے بیٹا ماں کو سمجھانے کے بجائے الٹا ان کی طرح رو رہے ہو مرد ہو بچے......'' میں نے سر اٹھا کر پاپا کو دیکھا۔

''عمار اٹھو ذرا مجھے تم سے ایک کام ہے۔'' پاپا نے ہاتھ تھام کر شاید ممی کو کمپوز ہونے کا موقعہ دینا چاہا مگر وہ میرا ہاتھ پکڑے پکڑے چیخیں۔

''صائب نہیں جائے گا اتنے برسوں بعد تو ماں بیٹے کو بات کرنے کا موقعہ ملا ہے اور آپ ہیں کہ۔''

''سیما۔'' پاپا کا رنگ زرد ہو گیا ممی ہولے ہولے میرے ہاتھ پر اپنا نرم ہاتھ پھیر کر مجھے محسوس کرتی رہیں اور میں گومگو کی کیفیت میں بیٹھا رہا پاپا اس جذباتی کیفیت سے نکلے تو ایک ایک لفظ پر زور دے کر چیخے۔

''یہ صائب نہیں ہے سیما تم کیوں دھوکا دے رہی ہو خود کو؟ یہ عمار ہے، ہمارا بیٹا عمار۔''

پاپا رونے لگے تو دادو اپنے کمرے سے اٹھ کر چلے آئے۔

''کیا ہوا بیٹا؟''

''بابا یہ سیما پتا نہیں کیوں عمار کو صائب سمجھنے لگی ہے۔''

''یہ صائب نہیں ہے سیما سنبھالو خود کو بیٹا یہ عمار ہے ہمارا عمار۔''

''تو صائب بھی تو ہمارا ہے، نہیں یہ عمار نہیں صائب ہے۔'' ممی وہیں اٹک گئیں پاگلوں کی طرح چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکنے لگیں۔

''آپ سب جھوٹ بولتے ہیں یہ میرا صائب ہے اگر یہ صائب نہیں تو مجھے کیوں لگتا ہے کہ یہ ہی صائب ہے سب، سب مجھے ٹیز کر رہے ہیں کہاں چلا گیا میرا صائب اگر، یہ عمار ہے تو بتایئے ناں میرا صائب کہاں چلا گیا۔'' ممی رو رہی تھیں میں وہاں سے اپنے کمرے میں آ گیا کہیں قریب ہی چاچو کا قہقہہ گونجا آنکھوں میں دھند سی پھیل گئی میں وہیں بیڈ پر ڈھے سا گیا اور مجھے لگا جیسے میرے زانوؤں پر اب بھی کسی کا سر دھرا تھا نرم نرم کالے کرلی بالوں والا سر میں نے جھک کر دیکھا تو چاچو کی یاد مجھ پر قہقہہ زن تھی۔

بہت برسوں پہلے کی بات تھی جب وہ اس طرح میرے کمرے میں میرے زانو پر سر دھر کر اپنے حسن کے قصیدے پڑھنے والیوں پر ہنس رہے تھے۔

''اماں یار کیا بتاؤں کتنی ہیں سچ گنتی ہی یاد نہیں رہتی ہر لڑکی تیری چاچی بننے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائے بیٹھی ہے مگر یار مجھے تیرا معیار بھی تو دیکھنا ہے۔''میں ہنس پڑا۔

''کیوں؟ میرا معیار کیوں؟ شادی آپ نے کرنی ہے ناں۔

''ہاں یار کرنی تو میں نے ہی ہے لیکن سوچتا ہوں ایسی ویسی کوئی چاچی اٹھا لایا تو کتنی شرمندگی ہوگی تجھے یہ باور کرواتے ہوئے کہ یہ ہے تیری حسن مجسم چاچو کی نصف بہتر۔''

''بکو مت چاچو۔''

''ارے بک نہیں رہا یہ سچ ہے میں بھی شروع دن سے اسی الجھن میں رہا ہوں کہ کیسے لوگوں سے انٹروڈکشن کرواؤں کہ یہ ہیں میرے ہینڈسم بھائی کی نصف بدتر۔''

''چاچو تم میری ممی پر اٹیک کر رہے ہو بائی گاڈ لڑائی ہو جائے گی۔''

''واہ لڑائی لڑائی کھیلنے کے لیے تمہاری ممی کم ہیں جواب تم بھی میری جان جلاؤ گے۔''

''بتاؤں ابھی ممی کو یہ بات کہ چاچو آپ کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں۔'' چاچو نے مجھے گھورا پھر بوریت سے بولے۔

''ہٹو یار یہ تم اپنی ناظم چاچی کی صحبت میں کب سے بیٹھنے لگے ایک وہی کافی نہیں لگائی بجھائی کرنے میں۔''میں ہنس پڑا۔

''توبہ ہے چاچو اس گھر میں ایسا بھی کوئی شخص ہے بقول آپ کے جو سوہنا من موہنا ہے۔''

''ہاں ہے تو۔''

''کون چاچو؟''

''تم اور کون۔'' چاچو نے بند آنکھوں سے جذب سے کہہ دیا اور میں بت بن کر رہ گیا لیکن ابھی اس سحر سے نکلا بھی نہیں تھا کہ ممی کمرے میں چلی آئیں۔

''اے لڑکے کچھ خیال ہے کہ شریفوں کے اطوار کیا ہوتے ہیں۔''

''بھابھو کیا کہہ رہی ہیں۔''

''زیادہ بننے کی کوشش مت کرو۔''

''حالانکہ کوئی انسان تنہا نہ بن سکتا ہے نہ بگڑ سکتا ہے ویسے مجھے تو اس بات سے اختلاف ہے کہ کوئی بندہ خود بن سکتا ہے یونو بھابھو بنانے کا تو خالص اللہ میاں کا شعبہ ہے ناں۔''

''بکومت یہ تم کیا بکواس کر رہے تھے ابھی؟''

''بک ہی رہا ہوں گا کچھ، آپ کو تو پتا ہے زبان میں اسپیڈ بریکر نام کو نہیں ویسے کسی بات کی طرف اشارہ ہے۔''

اسی بات کی طرف جو ابھی بکواس کی ہے تم نے کبھی اپنی شکل دیکھی ہے آئینے میں۔''

''کیوں بھابھو کیا مزید خوب صورتی کا شاہکار ہو گیا ہوں صبح تو دیکھی تھی اس وقت تو نارمل تھی آپ کہہ رہی ہیں تو دوبارہ دیکھ لیتا ہوں۔''

چاچو نے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں چہرہ دیکھا پھر مڑ کر بولے۔

''بھابھو ڈیر میں تو ڈھونڈنے سے بھی مزید خوب صورتی دریافت نہیں کر سکا چلیں خود ہی بتا دیجیے کیا اضافہ ہوا۔''

''بکواس۔'' ممی چڑ کر واپس چلی گئیں اور چاچو ہنسنے لگے۔

''یار یہ تمہاری ممی ہمیں کب دیکھیں گی دل کی نظر سے، سچ ہم تو انتظار میں مرے ہی جا رہے ہیں کہ کبھی ان کے دل میں ہمارے نام ہماری محبت کا بھی کوئی خشک سوتا ابلے سنو یہ تمہاری ممی جانتی بھی ہیں کہ محبت کس چڑیا کا نام ہے۔''

''چاچو بہت برے ہیں آپ۔''

میں ان پر کشن اٹھا اٹھا کر پھینکنے لگا اور وہ خود کو بچاتے ہوئے قہقہہ لگاتے رہے لیکن اب وقت کتنا آگے نکل گیا تھا آئینے میں اب بھی چاچو کا عکس جما ہوا تھا میرے دل میری آنکھوں کی طرح مگر چاچو کہاں تھے۔

بے خیالی میں، میں نے جو کشن اٹھا لیا تھا چاچو کو مارنے کے لیے وہ واپس وہیں رکھ دیا اور آنسو پھر بہنے لگے دل کو سنبھالا تو میں نے ڈائری پھر کھول لی۔

''مائی بیسٹ فرینڈ میں نے کل ہی تم سے کہا تھا کہ میں اب جاناں کے پاس نہیں جاؤں گا لیکن میں کیا کروں کہ میرا دل میرے بس میں نہیں رہا جاناں کے گھر پہنچا تو وہ بیڈ پر نیم دراز رسالہ پڑھ رہی تھی میں نے دستک دی تو وہیں سے پکاری۔

''مجھے یقین تھا تم ضرور آؤ گے ڈیر فرینڈ۔'' میں اندر داخل ہوا تو اس نے مسکرا کر میرا استقبال کیا۔

''کیا ہوا تمہیں؟ کل تو اچھا بھلا چھوڑ کر گیا تھا تمہیں۔'' وہ ہنس پڑی۔

''بس یونہی آرام کرنے کو دل چاہ رہا تھا تمہیں کیا بتاؤں ہم ادا کار لوگ کس قدر محنت اور مشقت کے بعد اس مقام تک پہنچتے ہیں ساری عمر محنت کرتے ہیں مگر جب اپنی پیک پر ہوتے ہیں تو یا تو تھک جاتے ہیں یا پٹے ہوئے مہرے کی طرح بساط سے ہٹا دیے جاتے ہیں کتنی بڑی ٹریجڈی ہے ناں یہ۔''

''ہاں ہے تو لیکن یہ تمہیں اچانک پٹے ہوئے مہرے اور تھک جانے کا خیال کیونکر آ گیا ابھی تو تم بڑی پاور فل ہو۔''

''ہاں پاور فل ہوں مگر عورت جو پوری دنیا چلا سکتی ہے اگر اپنے شوہر کے فیصلوں پر اس کے دل پر اثر انداز نہ ہو سکے تو وہ کچھ بھی نہیں رہتی۔'' میں نے اسے دیکھا۔

''کوئی خاص بات کیا سالار سے جھگڑا ہو گیا ہے؟''

''نہیں بس وہ تمہاری کل والی نظم سنائی تھی اسے۔''

''پھر...... پھر کیا ہوا؟''

''پھر وہ چڑ گیا کہنے لگا یہ جس نے تمہارے لیے لکھی جس خیال سے لکھی ہے اسی کے لیے رہنے دو میں تمہارا کبھی نہیں ہو سکتا صائب کیا واقعی محبت بے تاثیر ہوتی ہے اتنی بے تاثیر کہ برسوں بعد بھی کسی کے دل پر اثر نہ کرے؟'' وہ رونے لگی تھی ڈیئر فرینڈ اور میرا دل اس کے آنسوؤں میں ڈوب ڈوب کر ابھر رہا تھا میں اس کو تسلی دینا چاہتا تھا لیکن میں کچھ بھی نہیں بولا اور وہ کہنے لگی۔

''ہماری شادی کو پانچ برس ہو گئے ہیں صائب اور یہ مدت سالار جنید جیسے شخص کے لیے بہت طویل مدت ہے وہ بہت کم رشتے استوار کرتا ہے عموماً صرف ہیلو ہائے یا چند ماہ کی اسیری لیکن اس سے زیادہ کبھی اس نے درد سری نہیں پالی اپنی پارٹی کا سب سے بیدار مغز لیکن سب سے زیادہ بری شہرت رکھتا ہے لوگ کہتے ہیں لیڈی کلر ہے لیکن میں نے اسے ہی اپنا سب کچھ بنالیا وہ میرے ساتھ مس بی ہیو کرتا ہے یوں جیسے وہ اپنا کوئی ویک پوائنٹ مجھ سے چھپانا چاہ رہا ہو جیسے وہ خود سے اکثر لڑتا رہتا ہو کسی حوالے سے کسی طرح سے میں چاہتی ہوں صائب وہ یہ بات کھل کے کہہ دے کہ وہ میرا تھا مجھ سے ملنے کے لیے وہ اتنے ڈھیر سارے چہروں سے ملا میرے دھوکے میں ہی اس نے نہ جانے کس کس سے پیار کیا سو اب اس نے مجھے پالیا ہے تو میرے سوا اس کے دل پر کسی کا نقش نہیں لیکن وہ یہ بات ہی نہیں مانتا مجھے جان جان کر اگنور کرتا ہے چڑتا ہے مجھ سے اور تم بتاؤ کسی الفت بھرے دل کے لیے یہ بات تازیانہ ہے کہ نہیں اس سب کے باوجود بھی کیا میں شگفتہ اور شاداب رہ سکتی ہوں۔ تمہیں علم ہے صائب میری بہار میرا رنگ میرا روپ تو وہ ہے پھر اس کے سوا اس سے جدا ہو کر میں کیا ہوں کیا رہ سکتی ہوں۔''

اس نے کہتے کہتے آنکھیں بند کر لیں اور میں نے شکر کیا ورنہ میری آنکھوں میں تیرتی حسرت ڈولتے آنسو اسے بہت حیران کرتے کس قدر عجیب ہے ناں یہ بات کہ وہ جس کی طرف بھاگ رہی تھی وہ اس کا نہیں تھا اور جو اس کا تھا اسے وہ دیکھ کر اگنور کر رہی تھی خیر میں نے کچھ تو کہنا تھا سو دماغ میں ایک نظم گونجی میں نے اس کا شانہ ہلایا۔

''سنو این جی یہ نظم سنو تمہارے لیے اس میں ایک پیغام ہے۔''

پاگل لڑکی

گھپ اندھیاروں میں روشنی تلاش کرتی ہے۔

اپنے اندر دیکھ!

کیا یہ بے تحاشا محبتیں

ترے اندر کے وجود کو

روشن رکھنے کے لیے کافی نہیں

وہ مجھے تکنے لگی پھر مسکرا دی

''ایکسیلنٹ صاحب، میں تمہیں یونہی تو اپنا دوست نہیں کہتی بائی گاڈ میری کوئی نیکی تھی جو مجھے تم مل گئے۔''

''اچھا پھر یہ سالار جنید کس حساب میں ہے۔''

''میری محبت اور دعا کے سبب سے میری سوچ سالار سے شروع ہو کر اس پر ختم ہو جاتی ہے اور۔''

''اور اس صاحب بہادر کا بھی یہی حال ہو گا بس ذرا ضدی ہے انا پرست ہے جھکنے اور مان لینے سے ڈرتا ہے بظاہر بت دکھائی دیتا ہے لیکن یہ طے ہے کہ اس کے دل میں تمہارے نام کا دیا جل اٹھا ہے۔''

''تمہیں کیسے خبر اس بات کی کیا اس نے تم سے کچھ کہا ہے؟''

''اوں ہوں ابھی اتنا کلوز نہیں ہوا وہ مجھ سے لیکن بس میرا دل کہتا ہے، تم نے کبھی اس کی آنکھوں میں تپش نہیں دیکھی اس کی آنکھیں بڑی چمکیلی ہیں مگر جب وہ تمہیں دیکھتا ہے تو ان کی چمک دوگنی ہو جاتی ہے۔''

''تم، تم نے اسے اتنے غور سے دیکھا ہے؟''

''ہاں خود سے منسوب اور تم سے وابستہ کرنے والے ہر شخص ہر چیز کو میں بہت غور سے دیکھتا اور پرکھتا ہوں۔

آخر کو میں تمہارا پہلا اور آخری دوست ہوں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو صاحب۔'' اس نے یقین سے مجھے دیکھا اور ڈیئر فرینڈ میں نے پھر سے آنکھیں اس کے چہرے سے ہٹا دیں مجھے ڈر تھا میرا دل آنکھوں میں دھڑکنے نہ لگے اذیت سی اذیت تھی کہ میں اپنی اور جاناں کی محبت کے درمیان آنے والے شخص کو سراہ رہا تھا لیکن شاید یہ سچ بھی تھا اور میں نے پہلی بار یہ سچ بولا تھا وہ واقعی اس قابل تھا لیکن اس کے لیے یہ اہم تھا کہ اسے جاناں چاہتی تھی اس صدی کی سب سے پیاری ہستی آج کے لیے اتنا کافی ہے کیوں کہ اس کے بعد کسی کام میں دل نہیں لگا تھا نہ میں نے کچھ کیا تھا او کے کل ملیں گے بائے۔''

دو تین صفحے یونہی فضول مصروفیات سے بھرے پڑے تھے پھر ایک صفحہ الٹا تو لکھا تھا۔

''آج بہت غیر متوقع واقعہ ہوا میں جاناں سے ملنے گیا تو سالار اور وہ دھواں دھار لڑ رہے تھے میں نے الٹے قدموں واپس ہونا چاہا تو سالار جنید نے میرا ہاتھ تھام لیا اس کے ہاتھ کی گرفت سے لگتا تھا جیسے کسی فولادی شکنجے نے کس لیا ہو وہ مجھے گھور رہا تھا جاناں کہہ رہی تھی۔

''یہ ہمارا آپس کا معاملہ ہے صاحب کو مت گھسیٹو۔'' اور وہ کہہ رہا تھا۔

''نہیں صاحب تمہارا بڑا پیارا دوست ہے ناں اس کھلنا چاہیے کہ تم خوب صورت چہرے کے پیچھے کتنی بدصورت شخصیت ہو۔''

''آخر ہوا کیا ہے کچھ پتا بھی تو چلے۔'' میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ تو سالار جنید نے چند تصویریں ٹیبل پر ڈال دیں۔

''یہ تصویریں دیکھو صاحب کیا ان تصویروں کے ہوتے ہوئے میں اس عورت کو بیوی سمجھوں۔'' میں نے چور نگاہ سے تصویر کو دیکھا عام سے انداز میں جاناں کسی کے ساتھ محو رقص تھی۔

''یہ تو شاید کسی پارٹی کی تصویر لگتی ہے۔''

''ہاں بس میری مت ماری گئی تھی کہ میں اسے کل اس پارٹی میں لے گیا میرا خیال تھا جب شادی والا راز کھل ہی گیا ہے تو اسے بھی ویل ایجوکیٹڈ لوگوں میں لے ہی جاؤں، تاکہ اس کا وے آف لائف بھی شریفوں والا ہو جائے لیکن یہ سر سے پیر تک ایک مکمل اداکارہ ہے وہاں اس نے مجھے چھوڑ کر اس گھٹیا آدمی کے ساتھ رقص کرنا ضروری سمجھا شاید اس لیے کہ یہ مجھ سے زیادہ خوب صورت تھا۔''

''یہ بات غلط ہے صاحب تم ہی بتاؤ اگر کوئی کسی کو کہیں لے کر جاتا ہے تو اس کا فرض بنتا ہے ناں کہ وہ اس کے انٹرٹین کا پورا خیال رکھے میں صرف اس کے لیے باقی ساری مصروفیات چھوڑ کر اس کے ہمراہ گئی لیکن یہ وہاں بھی اپنی ہی پرانی حرکتوں میں لگ گیا دوسروں کی زلف اور لب و رخسار کی تعریف سننے کے باوجود کوئی بیوی باہوش و حواس رہ سکتی ہے کیا؟''

''رہ سکتی ہے اگر وہ بیوی ہو وفا شعار ہو تمہاری طرح اداکارہ نہ ہو۔''

''تم حد سے بڑھ رہے ہو سالار۔'' وہ غصے میں بھنا کر آگے بڑھی غصے میں بھرے سالار نے اس کے رخسار پر تھپڑ جڑ دیا میں ہونق بن گیا اور وہ رونے لگی۔

''صاحب یہ! یہ سمجھتا ہے جیسے صرف محبت اور وفا کرنا اسے ہی آتی ہے حالانکہ! حالانکہ اول درجے کا فلرٹی ہے یہ میں وفا شعار نہیں ہوں اس کی نظر میں، میں جس نے اس کا ہاتھ تھاما اگر مجھے دولت کی خوب صورتی کی ہوس ہوتی اپنی خوب صورتی کو کیش کرنے کی حرص ہوتی تو کس کس کے خزانے نہیں تھے جو میرے قدموں میں نثار نہ کر دیے جاتے۔''

''ہاں یہی غم ہے ناتمہیں تو اب یہ آرزو پوری کر لو تم نے مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا این جی تم جانتی تھیں کسی اور کی شریک سفر بن کر تم عزت شہرت اس قدر جلدی نہیں پا سکتیں سو تم نے میرا ہاتھ تھاما احسان تو میں نے تم پر کیا ہے تمہیں اپنا نام دے کر، اب لوگ تمہیں جانتے ہیں کہ تم سالار جنید کی بیوی ہو۔''

''ہاں مجھے بھی اسی بات کا زعم تھا مان تھا لیکن تم نے میرا مان توڑ دیا سالار۔''

سالار جنید اسے گھورنے لگا اور میرا دل دھک دھک کرتا رہا مائی بیسٹ فرینڈ میں تمہیں کیا بتاؤں اس وقت ان دونوں کی کیا کیفیت تھی لگتا تھا کہ جاناں بالکل سالار کے سامنے آ رکی پھر ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولی۔

''مجھے طلاق چاہیے میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔''

''دے دوں گا مجھے بھی تمہارے ساتھ نہیں رہنا تم چالاک عورت ہو۔''

وہ آگے بڑھ گیا اور میں اسے دیکھتا رہا وہ صوفے پر آ بیٹھی تو میں نے پوچھا۔

''تم مجھے دوست کہتی تھیں پھر اس وقت تم نے ان تصویروں سے میری لاتعلقی کا اظہار کیوں کیا تھا؟''

''بس یونہی تصویریں اچھی جو نہیں آئی تھیں۔ مجھے ڈر تھا کہ تم کہتے کہ میرے ہوتے ہوئے تم نے کسی اور فوٹوگرافر سے یہ تصویریں کیوں

بنوائیں۔''انتہائی مزے سے اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا کہ..... میں حیران ہو کر مرتے مرتے بچا کون کہہ سکتا تھا کہ یہ لڑکی ابھی رو رہی تھی یا ابھی اس کے منہ پر تھپڑ پڑا تھا وہ میری حیرت کو نوٹ کرتی رہی پھر بولی۔

''سب چلتا ہے میں نے بھی قسم کھائی ہے جب تک وہ اعتراف نہیں کر لیتا اسے مجھ سے محبت ہے میں اس کو اس طرح ٹیز کرتی رہوں گی۔''

''اور اگر کسی دن اس نے بھنا کر واقعی انتہائی قدم اٹھالیا۔''

''انتہائی قدم اوہ یعنی طلاق.....نو یار وہ ایسا نہیں ہے چاہے کتنا بنے یہ طے ہے وہ بھی مجھ سے دور نہیں رہ سکتا۔''

ٹیلی فون کی بیل بجی تو وہ گنگناتی ہوئی اٹھی پھر ہنسنے لگی۔

''بڑے خبیث ہو تم بس رہنے دو معافی مانگتے تم بالکل بے وقوف لگتے ہو ہاں، نہیں بس بکتے رہو مجھے کوئی غرض نہیں کہ تم اس وقت کہاں اور کس پری کے ساتھ ہو، نہیں مجھے اس بات پر بھی صدمہ نہیں کہ تم مجھے نہیں چاہتے، ہاں میرے لیے کافی ہے یہ کہ میں تمہیں اسی طرح چاہے جاؤں او کے بائے۔'' وہ ہنستی ہوئی واپس آ کر بیٹھ گئی۔

''کس کا فون فون تھا کیا سالار جنید تھا؟''

''بھئی صائب تم تو واقعی سچے محبِّ صادق ہو بن کہے جاننے لگے۔''

''کیا کہہ رہا تھا؟'' میں نے سرسری سا پوچھا۔ تو وہ رخسار پر ہاتھ رکھ کر مسکرائی۔

''کہہ رہا تھا سوری بہت زور سے تھپڑ مار دیا تھا۔'' میں نے کہا۔ سوری کس بات کا میں نے بھی بدتمیزی کی کہنے لگا،''بالکل جنگلی بلی ہو'' پھر بتانے لگا کہ کسی کو قصیدہ سنانے کی تیاری کر رہا ہے میں نے کہہ دیا بھلے سناؤ تمہیں آنا مجھ تک ہی ہے میرے دل کی دہلیز پر تمہارے قدم ثبت ہیں۔

''ویسے ایک بات ہے سالار جنید ہے بڑا اسٹرونگ مین، زبردستی بھی کرتا ہے تو بڑا پیارا لگتا ہے۔''

''ظاہر ہے تمہاری طرح خبطی ہے۔''

''ہاں یہ تو سولہ آنے ٹھیک کہا لیکن یہ جمیل بوستان ہے ناں اس سے تم کہنا ضرور کہ بھئی فوٹو گرافر ہی بننا ہے تو تھوڑی بہت ٹریننگ بھی حاصل کر ہی لے۔''

''او کے پہنچا دوں گا یہ پیغام ٹھیک ہے اب چلوں۔''

''نہیں چائے پیئے بغیر کیسے جانے دوں گی شاہد چائے لاؤ صاحب کے لیے۔''

اور بس ڈیئر فرینڈ آج کی روداد یہیں تک ہے پھر اگلے دن کے لیے چھٹی گڈ بائے۔''

میں نے ڈائری رکھ دی پتا نہیں مجھے کیوں لگا چاچو تھکنے لگے ہیں۔

لائٹ بند کر کے میں نے آنکھیں بند کر لیں نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی سو میں پھر لائٹ جلا کر بستر پر آ بیٹھا ڈائری کھول لی لکھا تھا۔

''آج بہت حیرت ناک منظر دیکھا میں نے مائی ڈیئر فرینڈ مجھے لگتا تھا جیسے میرا دل تھم جائے گا میں نے اسے پہنچاننے میں غلطی نہیں کی تھی

وہ واقعی سالار جنید ہی تھا انتہائی خوب صورت حسین لڑکی کے ساتھ شوخیاں کرتا سالار جنید، لیکن یہ لڑکی مجھے لگتا تھا جاناں کی پاسنگ بھی نہیں ہے جاناں کہتی تھی اسے اس سے کوئی غرض نہیں وہ کس کے ساتھ رہتا گھومتا ہے سوائے اس بات کے کہ وہ صرف میرا ہے ہر حق سے میرا اور اس لمحے میں نے سوچا تھا شاید اس نے کسی لڑکی کے ساتھ اس طرح اسے کلوز نہیں دیکھا تھا وگرنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ سالار جنید کی طرح اس پر چڑھ نہ دوڑے یہ صرف سالار کا خاصہ نہیں کہ اپنی پسند اور محبت کسی اور سے نتھی دیکھ کر وہ پاگل ہو جاتا ہے یہ تو ایک سچ ہے کہ ہر محبت کرنے والا اسی طرح حاسد ہوتا ہے میں تو کہتا ہوں جو لوگ خود کو کولڈ مائنڈ کولڈ ایکسپریشن رکھتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں انہیں حسد نہیں کرنا آتا وہ دوغلے ہوتے ہیں یا پھر محبت ہی نہیں کرتے سو میں نے اس کی یہ تصویریں اتار ہی لیں دوپہر تک تصویریں دھو چکا تھا سو شام گئے میں نے اس کے سامنے وہ تصویر پھینکی تو وہ مجھے سوالیہ انداز میں یوں دیکھنے لگی کہ جیسے وہ ان تصویروں کا مقصد ہی نہ سمجھی ہو میں چپ ہی رہا تو وہ بولی۔

''کیا مطلب ہے ان تصویروں کا؟''

''یعنی اب ان تصویروں کا مطلب بھی میں تمہیں بتاؤں کیا تمہارے اندر کی محبت اس تصویر سے سلگ کر شعلہ نہیں بن رہی کہ تم اس کے لیے ہو اور وہ ہر کسی کے لیے ہے۔''

وہ کچھ نہ بولی تو میں چڑ گیا۔

''تم عورت ہو این جی اور کوئی عورت اپنا شوہر کبھی کسی کے حوالے نہیں کرتی جبکہ وہ ہر روز کسی نئے چہرے کے ساتھ گھومتا رہتا ہے۔''

''سوواٹ صاحب۔'' زمانے بھر کی بے فکری سمیٹ کر اس نے مجھے مخاطب کیا مجھے تو پتنگے ہی لگ گئے اور میں چلایا۔

''اگر ان تصویروں نے تم پر اثر نہیں کیا تو پھر سالار جنید ہی سچ کہتا ہے۔''

''کیا کہتا ہے سالار جنید۔''

''یہی کہ تم صرف اداکارہ ہو اور بس۔''

''میں تمہیں بھی صرف اداکارہ لگتی ہوں۔''

''ہاں اگر تم میں اپنے شوہر کو کسی اور کے قریب دیکھ کر بھی حسد کی آگ نہیں بھڑکتی۔''

''تم مرد کسی حال میں خوش بھی رہتے ہو صاحب۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' میں نے اس کو گھورا تو وہ تڑپ کر بولی۔

''صرف ایک مطلب ہے میرا، ہم عورتیں جب محبت میں حسد کا شکار ہوتی ہیں تو تم مرد چڑ جاتے ہو تم کہتے ہو تمہیں خود پر اعتبار نہیں ہم پر اعتبار نہیں جو تم یوں شک کر رہی ہو اور اب جب کہ میں صبر اور ضبط سے کام لے کر تمہاری پسندیدہ عورت کا روپ دھارنے کی جستجو میں ہوں تم تب بھی خوش نہیں، مجھے ہی مورد الزام ٹھہرا رہے ہو اچھے دوست ہو تم۔'' وہ جو ضبط سے سب سنا رہی تھی یکدم میرے کاندھے سے سر ٹکا کر رونے لگی۔

ڈیر فرینڈ کتنی بڑی ٹریجڈی ہے ناں کہ وہ میرے کاندھے سے سر ٹکا کر کسی اور کو رو رہی تھی کسی بہت اپنے کو اور یہ اذیت اتنی بڑی تھی کہ اندر

ہی اندر میرا دل بیٹھتا جا رہا تھا میں اسے محسوس کر رہا تھا لیکن وہ کسی اور کے لیے ہوک رہی تھی پھر اس سے پہلے کہ میرا حوصلہ جواب دے جاتا میں اس کے گھر سے لوٹ آیا کیوں فرینڈ میں نے درست فیصلہ کیا ناں اب دیکھو تقدیر کیا گل کھلاتی ہے۔''

اگلا صفحہ کھولا لکھا تھا۔

''تین دن ڈائری نہیں لکھ سکا تھا سو آج تمہیں بتاتا ہوں لعل فرینڈ ان تین دنوں میں کیا ہوا صبح ہی جاناں کا فون آ گیا میں رات بھر خود کو کمپوز کرتا رہا تھا اس لیے کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ مجھے پھر سے بکھیر دے مگر اس کے لہجے میں اتنی اپنایت اتنا خلوص تھا کہ میں پھر سے اس کی طرف دوڑا گیا وہ پجیرو میں سامان رکھوا رہی تھی میری کار پورچ میں داخل ہوئی تو ملازمین کے پاس سے ہٹ کر میری طرف چلی آئی اسی خلوص محبت بھرے انداز سے اورا سے کیا پتا یہ محبت میرے لیے کتنے خار بچھاتی ہے کتنا لہو رلاتی ہے لیکن یہ میرا دل ہے کہ اس کے خوش رکھنے پر تکلیف اٹھانے پر کمر بستہ ہے وہ مسکرا کر بولی۔

''مجھے یقین تھا تم ضرور آ ؤ گے۔'' میں کیا کہتا اس کی طرف دیکھتا رہا۔

''کیا دیکھ رہے ہو؟'' اس نے مجھے چونکایا تو میں نے اسکی تیاریوں کو سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''کہاں کا قصد ہے کیا پکنک وغیرہ پر جا رہی ہو۔''

''نہیں ایسا ارادہ تو نہیں لیکن لمبی ڈرائیو ہے سو آؤ ٹنگ ہو ہی جائے گی۔''

''سالار بھی جائے گا۔''

''کہا تھا مگر اسے تو ہر اس کام سے چڑ ہے جو میں کروں میں نے کہا بھی صاحب بھی ہو گا تم بھی چلو کیا برا ہے مگر اس نے فون پٹخ دیا پتا نہیں اسے دل دکھا کر ملتا کیا ہے۔''

''دل تم دکھاتی ہو یا وہ۔''

''کیا مطلب؟'' اس نے حیرت سے دیکھا پھر گلا کھنکار کے بولی۔

''میں سمجھی نہیں صاحب میں نے کس کا اور کس طرح دل دکھایا۔'' میں گاڑی سے باہر نکل آیا دروازہ بند کر کے اس کی طرف مڑا پھر سنجیدگی سے بولا۔

''تمہیں یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا۔''

''کیوں بھئی یہ سب تو میرا پہلے کا پروگرام تھا کہ ہم تینوں ساتھ جائیں گے اب اس کا مزاج بگڑا رہتا ہے تو میں کیا کروں۔''

''این جی کیا واقعی تم اتنی سادہ ہو یا محض دکھاوا ہے یہ تمہاری سادگی۔''

''صاحب پلیز تم میری شخصیت پر بار بار حملہ کیوں کرتے ہو آخر مسئلہ کیا ہے؟''

''صرف ایک جیلسی کہیں۔ یہ سالار جنید میری وجہ سے تو تم سے دور نہیں ہو رہا ہے۔''

''بکومت وہ اس فاصلے پر تم سے پہلے سے ہی ہے اول دن سے۔''

''ہاں مگر پہلے دوری میں ایک تعلق تھا مگر اب، اب وہ لاتعلقی میں انتہا پر جا پہنچا ہے تم نہیں جانتیں لیکن وہ کئی بار مجھے فون پر برملا جھاڑ چکا ہے۔''

''کیا اس نے کہا کہ وہ مجھے چاہتا ہے۔'' یکدم اس کی آنکھیں چمکنے لگیں چہرے کی ملائمت میں سرخی دوڑنے لگی اور میں سوچنے لگا میں کیا کہوں۔

''بتاؤ ناں صائب کیا اس نے کچھ کہا۔''

''نہیں۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا اور اس وقت ڈیر فرینڈ ایسا ہی لگا جیسی برقی قمقمہ یکدم بجھ گیا ہو چہرے پر تاریکی پھیل گئی اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے میں نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا اور وہ گیلی آنکھوں سے مجھے دیکھے گئی۔''

''کیا کہا تھا اس نے۔''

''وہی جو وہ اکثر کہتا ہے کہنے لگا تم دوست بن کر آئے تھے اب اگر سمجھتے ہو کچھ اور بن سکتے ہو تو یہ تمہاری بھول ہے میں نے کہا تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے سالار تو کہنے لگا مجھ میں یہی تو خرابی ہے کہ مجھے غلط فہمی نہیں ہوتی تم مانے ہوئے چیٹر ہو اور وہ ایک اداکارہ ہے لیکن اسے لکھ لو میں جیتے جی اسے طلاق نہیں دوں گا وہ اپنی پسند کی زندگی گزارنے کے لیے سدا سسکتی رہے گی لیکن میں کبھی اس کے من کی نہیں کروں گا ہمیشہ وہ میری قید میں جکڑی رہے گی صرف میری ہو کر رہے گی اور بس۔''

''اس نے اتنا کچھ کہہ دیا اور تم کہہ رہے ہو اس نے کچھ بھی نہیں کہا اور صائب تم بھی کتنے ڈفر ہو خوامخواہ میرا موڈ خراب کر ڈالا چلو جلدی سے گاڑی میں بیٹھو ہمارا راستہ بہت لمبا ہے۔''

یکدم ایسا لگا فرینڈ جیسے اس میں زندگی جو مر گئی تھی ہولے ہولے پھر سے سانس لینے لگی تھی اتنی جلدی کایا پلٹ ہونے پر میں حیران تھا اور وہ مسکرائے جا رہی تھی اور اس کی آنکھیں ''تم بھی کتنے ڈفر ہو'' کا راگ الاپ رہی تھیں سو میرا موڈ بگڑنا لازمی تھا بظاہر میں اس کے برابر میں بیٹھ تو گیا تھا لیکن میرا موڈ اچھا نہیں تھا ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کی تو اس نے ہولے سے بالوں کو جھٹکا پھر شرارت سے بولی۔

''کیا ہوا بھئی یہ تم بور کیوں نظر آنے لگے؟''

''کچھ نہیں ویسے ہی۔'' میں نے گہری سانس لی اور وہ مسکراتی بالکل میرے کان کے قریب گنگنائی۔

''کہیں ایسا تو نہیں صائب کہ تم مجھ سے اپنے لیے انہی باتوں انہی جذبوں کا اعتراف سننا چاہتے تھے جو سالار نے کہیں۔''

''بکومت، کیا میں تمہیں ایسا لگتا ہوں دوستی بھی محض تمہارے خیال سے برت رہا ہوں وگرنہ تمہیں پتا ہونا چاہیے میں کتنا عدیم الفرصت ہوں۔''

کہنے کو تو میں نے کہہ دیا مگر کیا یہ سچ تھا؟ نہیں فرینڈ اس سچ سے اس دل کے سوا تمہارے سوا کون واقف ہو سکتا ہے کہ وہ میری کیا تھی کیا بن گئی تھی میرے لیے، لیکن بعض محبتیں صرف بن کہے ہی معتبر لگتی ہیں ان کہی کا بھی ایک مزا ہوتا ہے۔ ہے ناں۔

میں اسے دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں فخر ہلکورے لے رہا تھا۔

''مجھے خود پر رشک آتا ہے کہ میں سالار کی ہمسفر ہوں اور تمہاری دوست کیا اس مطلبی دنیا میں صرف دو ہی انسانوں کا مل جانا جو آپ کو

چاہتے ہوں ایک چونکا دینے والی خبر نہیں امیر کر دینے والا احساس نہیں۔"

میں نے سر جھکا لیا میری آنکھیں جو دھڑک اٹھی تھیں اور وہ مجھ سے بے پروا سالار کی باتوں کے اپنے حسب منشاء مطالب نکال رہی تھی رشک کر رہی تھی اور ڈرائیور پیجیرو کو چکنی سڑک پر دوڑائے جا رہا تھا اگلی سیٹ پر اس کی ایک پرانی ملازمہ بھی بیٹھی اور میں دائیں بائیں منظروں کو دیکھ دیکھ کر اکتانے لگا تھا سو آہستہ سے بولا۔

"آخر ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"جنتے کے پیر صاحب کے پاس اور کہاں۔"

"جنتے کے پیر صاحب آخر کیوں یہ تمہیں نئی کیا سوجھی؟" میں نے آنکھیں پھاڑ کے دیکھا اتنی پڑھی لکھی عورت بھی کیا ان چکروں میں پڑ سکتی ہے اس نے میری آنکھوں سے سوال پڑھا تو ہولے سے بولی۔

"ضروری تو نہیں ہر پیر ڈبہ پیر ہو بڑے پہنچے ہوئے لوگ بھی تو ہوتے ہیں ان چولوں میں اللہ کے بڑے مقرب جو دعا دے دیں فوراً لگ جاتی ہے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے لیکن تمہاری اس روانگی میں کیا رمز پوشیدہ ہے؟......اوہ اچھا اچھا تو یہ بات ہے۔"

"کیا بات ہے؟" اس نے حیرت سے دیکھا تو میں مسکرانے لگا۔

"سامنے کی بات ہے عورتیں ایسی جگہوں پر تعویز گنڈے کروانے ہی جاتی ہیں تا کہ شوہر بے دام غلام رہے آپ کے قدموں میں آگرے اسے نہ آپ سے پہلے کچھ نظر آئے نہ آپ کے بعد۔"

"بکومت صائب میں تمہیں ایسی نظر آتی ہوں یہ تو خالی خولی جبر کی محبت ہوئی کسی کی ول پاور ختم کر کے اس سے اپنا آپ منوایا تو کیا منوایا بات تب ہوتی ہے جب وہ اپنے وجود کو خود اپنے مقام کو جان کر آپ کے خلوص محبت یا ایسے ہی کسی شوریدہ جذبے کے تحت خود کو آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دے کیا سمجھے۔"

"یہی کہ تم عورتوں کو پتا نہیں کیا ملتا ہے، مردوں کو سرنڈر کروانے میں...... جانے کیا مزا آتا ہے۔" وہ مسکرانے لگی۔

"تمہیں کیا بتاؤں کیا مزا آتا ہے اس میں کبھی گھر بساؤ گے تو خود کھل جائے گا یہ کہنے کی نہیں محسوس کرنے کی باتیں ہیں۔"

"چھوڑو یہ لیکن تم بات گول مت کرو آخر وجہ کیا ہے وہاں جانے کی؟"

"بس یونہی سنا تھا بڑے پہنچے ہوئے بزرگ ہیں، سو ایک آرزو لے کر جا رہی ہوں کہ وہ ایک بندھن دے دے ایک زنجیر جس سے میں سالار کو ہمیشہ کے لیے باندھے رکھوں اور وہ کبھی مجھ سے منہ نہ موڑ سکے۔" میں حیرت سے اس کی طرف دیکھے گیا۔

"زنجیر بندھن تمہارا ہے ناں سالار پھر یہ نئی زنجیر اور بندھن کس سلسلے میں۔"

"تم بھی گھامڑ ہو صائب، اتنی سی بات نہیں جانتے کہ عورت کے لیے شادی کے باوجود بھی کون سی زنجیر اہم ہوتی ہے جو رشتوں کو مضبوط

جکڑ لیتی ہے ایسے کہ پھر نہیں ٹوٹتی۔"

"او تمہارا مطلب ہے اولاد۔"

میں نے طویل سانس لے کر اسے دیکھا "یہ لڑکی کیا تھی اتنی بڑی اداکارہ اتنی اہم شخصیت ہو کر بھی وہی عام عورتوں کی طرح مردوں پر راج کرنے کے لیے اولاد کو اہم عنصر سمجھتی تھی گھر میں قدم مضبوط کرنے کے لیے اول تا آخر مانتی تھی یہ جانے بغیر کہ اولاد کے باوجود بھی تو گھر ٹوٹتے ہیں۔" میں نے سوچا تو کہنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی اور وہ آہستہ سے مسکرانے لگی۔

"مانتی ہوں علیحدہ خاندان کی حقیقت کو میرا اپنا گھر اس کی پہلی مثال ہے جو ٹوٹا نہیں لیکن پھر بھی اس میں دراڑیں دور ہی سے دیکھی جاتی تھیں مگر صائب میں کیا کروں میری اندر کی عورت اپنی تکمیل چاہتی ہے ہر شخص اپنے اعمال وانجام کا خود ذمہ دار ہے میں یہ نہیں کہتی جو گھر ٹوٹتے ہیں ان میں کہیں کھوٹ ہوتا ہے واقعات حالات پر منحصر ہے کہ سارے خلوص کے باوجود بھی جدائی آ پڑے لیکن یہ طے ہے سالار جنید کے نام سے جڑے رہنے کی میں نے کئی منتیں مان رکھی ہیں میں مرنے کے بعد بھی اسی کے نام کا آنچل اوڑھنا چاہوں گی۔"

"اتنا یقین ہے اور اتنا شوق سہاگن مرنے کا۔"

"جتنا تم جان سکے ہو اس سے کہیں زیادہ یقین ہے اپنی اس دعا کی قبولیت کا۔"

ہاں مگر......ڈاکٹر عطیہ کہتی ہے، آپ کی یہ خواہش اتنی شدید ہے تو آپ کوئی بچہ ایڈاپٹ کیوں نہیں کر لیتیں میں نے کہا میں کیوں کوئی بچہ ایڈاپٹ کروں میں صرف سالار جنید کی اولاد پالوں گی کہنے لگی ٹھیک ہے اس کے لیے آپ مسٹر سالار کی دوسری شادی کروا دیجیے گا اسٹوپڈ۔" اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا پھر جیسے تائید کے لیے بولی۔

"صائب اس میں میرا کیا قصور ہے کہ میرا اور سالار کا ایک ہی بلڈ گروپ ہے۔

یہ ڈاکٹر عطیہ کیوں میری جان جلاتی ہے میں اس خوشی کو کتنی ہی بار محسوس کر کے نامراد لوٹی ہوں اور میڈیکل سائنس کہتی ہے یہ ناممکن ہے اور میری یہ ضد ہے یہ میں ممکن کر کے دکھاؤں گی یونو جہاں دوا ساتھ چھوڑ دے وہیں دعا کارگر ہوتی ہے۔"

میں نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر دھول مٹی اڑاتی جنتے کے پیر صاحب کے آستانے کی طرف آ رکی ہم رات گئے وہاں پہنچ سکے تھے جنتے کے گھر ٹھہرے تھے اور صبح جب جاناں جنتے کے ساتھ بڑی سی چادر میں منہ چھپائے گھر سے نکلی تو مجھ میں حیرت کرنے کی بھی ہمت نہیں رہی یہ شرمائی لجائی سی لڑکی کون کہہ سکتا ہے اسکرین پر دھواں دھار محبت کا راگ الاپتی تھی حق نہ ملنے پر چھین لینے والی دوشیزہ بن جاتی تھی تیز وطرار کرداروں میں رچ بس جانے والی یہ لڑکی کتنی ڈری سہمی سی تھی اور اس کا یہ روپ پہلے سے کہیں قاتل تھا میں اسے جاتا دیکھتا رہا اور اس نے چلتے چلتے کہا۔

"صائب تم بھی چلتے تو کیا برا تھا۔"

"کیوں میں کیوں جاؤں بھئی؟"

"بس ویسے ہی سوچ رہی تھی تم بھی کچھ مانگ ہی لیتے تو کیا تھا۔"

میں نے سرسری سا اسے دیکھا اور پشت کر لی تمہیں کیا بتاؤں فرینڈ اس وقت کس قدر زبردست جذبات کے سیل رواں میں بہہ سا گیا تھا میرا دل چاہتا تھا میں کہہ دوں تم جس آستانے جارہی ہو کیا ان کی دعائیں تمہیں میرا کر سکتی ہیں کیا ایسا ہو سکتا ہے تمہارے دل سے سالار کا نقش مٹ جائے اور میں ہی تمہارے لیے حرف آخر ہو جاؤں لیکن یہ سب کسی کے بس میں نہیں تھا اور میری یہ پرابلم تھی اس سے پہلے مجھے کوئی دعا یاد رہی تھی نہ اسکے بعد، لاحاصل کا سفر میں نے خود اختیار کیا تھا پھر میں کسی کو کیا الزام دیتا محبت کرنا میری مجبوری تھی جیسے جاناں کی مجبوری تھی کہ وہ سالار جنید جیسے شخص کو چاہے اس شخص کو جسے شاید خود اپنے آپ سے محبت نہیں تھی وگرنہ ادھر اُدھر تقسیم کی بجائے وہ ایک جاناں پر حاصل ضرب نہ ہو جاتا زندگی کتنی سہل ہو سکتی تھی اس کی لیکن مشکلات میں گھرنے کا اسے میری طرح ہی جنون تھا سو میں جاناں کے لوٹنے کا انتظار کرتا رہا ظہر کے بعد وہ لوٹی مگر بے رنگ سی۔

''کیا ہوا؟'' میں قریب چلا آیا تو وہ مرے مرے لہجے میں بولی۔

''صاحب مجھے نہیں لگا کہ ان کی دعا مجھے لگے گی ایک دم خالی خالی ہیں وہ۔''

''اچھا تو تمہیں کشف بھی ہوتا ہے۔''

''نہیں بس وہ نظر جو دل کو پہلے ہی لمحے میں جکڑ لیتی ہے ان میں وہ نظر مفقود ہے مجھے یہی لگا تھا خیر میں مایوس نہیں ہوں۔''

اس نے عزم سے کہا اور اس کا یہ عزم بے بنیاد نہیں تھا اس کے پاس سب سے جری ہراول دستہ تھا اور محبت اس دستے کی کمانڈ کر رہی تھی اور ایسے لوگ کبھی نہیں ہارا کرتے یہی میرا ایمان تھا سو میں واپس لوٹ آیا کل کا سارا دن مختلف کاموں میں لگ گیا تھا۔ اب فارغ ہوا ہوں تو تمہیں سب کہہ رہا ہوں۔

اگلے دن کی روداد لکھی تھی۔

''آج کل میں اتنا مصروف ہوں کہ مجھے تمہاری طرف دیکھنے کی مہلت نہیں مل رہی کچھ دفتری مصروفیات ہیں اور کچھ جاناں کی آج کل جاناں پر ایک ہی بھوت سوار ہے اور وہ ہے دعا کروانے کا اسے جو جو جہاں جہاں کسی پہنچے ہوئے انسان کا پتا دیتا ہے وہ مجھے لے کر وہیں دوڑی جاتی ہے کل ہم پھر ایک آستانے پر جارہے ہیں دیکھو اس کا خلوص اور عزم کب فتح یاب ہوتا میری ساری سوچیں صرف اسی تک محدود ہو کر رہ گئی ہیں اس لیے باقی کام اور باتیں اتنی غیر اہم لگنے لگی ہیں کہ تم سے تذکرہ کرنے کو بھی دل نہیں چاہتا لیکن سنو آج کل مجھے طبیعت میں کچھ خرابی سی محسوس ہو رہی ہے میں بہت جلد تھکنے لگا ہوں جاناں کہتی ہے ڈاکٹر کو دکھاؤں مگر میرے پاس فرصت نہیں دراصل بات یہ نہیں کہ میری گرتی ہوئی حالت میرے لیے کسی قسم کی اہمیت نہیں رکھتی بلکہ بات یہ ہے کہ میں جاناں کے لیے آج کل اتنا ایکٹو ہو گیا ہوں کہ میں اسے خوش دیکھنے کی تمنا کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچتا اور میرے خیال میں ہر محب صادق کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔

آگے کیا لکھوں کل بابا ملنے آئے تھے لیکن نہیں مجھے یہ کہنا چاہیے تھا کل بابا سر راہ یونہی مل گئے تھے میں ان سے نہ ٹکراتا تب بھی کل ان کا وہی راستہ رہتا وہ خاص مجھ سے ملنے کے لیے میرے دفتر کی سیڑھیاں نہیں چڑھ رہے تھے میں انہیں دیکھ کر دھک سے رہ گیا۔

''اسلام علیکم بابا۔''

بابا نے مجھے دیکھا رک گئے اور سلام کا جواب دل میں دے کر بری الذمہ ہو گئے۔

''کیسے ہیں آپ؟''

''ٹھیک ہوں کیسا ہونا چاہیے۔'' میں نے دیکھا بابا پہلے سے زیادہ کمزور ہو گئے تھے عمار بتا رہا تھا بابا آج کل بیمار رہنے لگے ہیں اور واقعی وہ بیمار لگ بھی رہے تھے۔

''کوئی کام تھا بابا؟''

''نہیں کوئی ایسا خاص بھی نہیں تھا بس تمہارے اخبار پر میرے چار پانچ کالمز کی پے منٹ ڈیو ہے۔''

''اوہ اچھا آپ میرے ساتھ چلیے میں یہ مسئلہ ابھی حل کروا دیتا ہوں۔'' میں واپس ہوا حالانکہ صبح سے بھاگ بھاگ کر تھک چکا تھا لیکن بابا کے لیے تو میرا دل بھی حاضر ہے ظاہری تھکن ان کی محبت کے آگے ہیچ ہے تو میں نے بابا کو پے منٹ لا کر دی تو بابا اٹھ کھڑے ہوئے۔

''تمہارا شکریہ صاحب۔'' بابا نے ایسے کہا جیسے کوئی شریف اجنبی کسی دوسرے اچھے اجنبی کو خدا حافظ کہے میں بابا کو دیکھتا رہ گیا اور وہ بغیر مجھ سے بات کیئے آگے بڑھ گئے میرے پیروں سے یکدم جان نکل گئی تھی تمہیں کیا بتاؤں ڈیر فرینڈ اس وقت میری کیا حالت ہو رہی تھی بابا کے رویے نے ساری کائنات نظروں میں گھما کر رکھ دی تھی اپنی بے وقعتی پر میرے دل میں طوفان اٹھ گئے تھے مگر وہ بابا تھے وہ جو کہتے جس حال میں رکھتے میرے لیے وہی حالت اہم تھی سو میں نے سر جھکا لیا لیکن یہ سچ ہے فرینڈ میں واقعی آج کل بہت تنہا ہو گیا ہوں بہت تھک گیا ہوں بس اب کل موڈ بنا تو پھر آئندہ روداد لکھوں گا۔''

پھر آگے دو تین دن کی دفتری روداد تحریر تھی آگے لکھا تھا۔

''آج کل میں تمہاری طرف سے بہت لاپرواہ ہو گیا ہوں لیکن ڈیر فرینڈ کیا کروں آج کل میرے پاس اپنے لیے وقت ہی نہیں بچتا ہے خیر دو دن پہلے کی روداد حاضر ہے ہاں تو یونہی میں بہت بور بیٹھا تھا کہ اچانک فون کی بیل بجی میں نے ریسیور کیا تو دوسری طرف جاناں ہی تھی اس کے لہجے میں خوشی تھی سو میں نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''کیا تم نے سالار کو پا لیا این جی۔'' اور وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

تمہیں کیا بتاؤں لٹل فرینڈ اس کی ہنسی کی کھنک میں کیسے بہار کی جلترنگ بج اٹھی تھی خوش رنگ پھول بیک وقت کھل اٹھے تھے، دل میں ایک خوشی سی جاگ گئی تھی اور میں اڑا اڑا اس تک پہنچا تھا وہ صوفے پر بیٹھی ڈرائنگ روم کے دروازے ہی پر نظریں جمائے ہوئے تھی میں نے صورت دیکھتے ہی پھر پوچھا۔

''اینی گڈ نیوز؟''

''او شیور پازیٹو لی صاحب، آج، آج میں بہت خوش ہوں آج میں نے سالار جنید کو خود اس سے ایسا چرا لیا ہے کہ وہ بھی کیا یاد کرے گا۔

صاحب مانتے ہو نا ہماری مہارت کو ہم تو وہ ہیں آنکھوں سے سرمہ چرا لیں پھر یہ کیسے ممکن تھا سالار جنید خود کو ہم سے بچا پاتا وہ ضدی شخص

ایسے نہیں جھکتا تھا ویسے جھک گیا اوہ گاڈ میں کتنی خوش ہوں جونیئر سالار کیسا لگے گا میرے ہمراہ۔''

''اوہ یعنی تمہیں اس آستانے کی دعا لگ گئی۔''

''ہاں میرے رب کے ہاں کس چیز کی کمی ہے کوئی نہ کوئی کہیں نہ کہیں تو ایسا مسیحا اتارا ہی ہوتا ہے اس نے جو ہم جیسوں کے لیے خوشیوں کے در کھٹکھٹاتا ہے اور خلوص سے محبت سے مانگی دعائیں ہوں یا صدائیں۔ درحقیقت زندگی تو سنورتی ہی سنورتی ہے بس عزم اور استقامت شرط ہے میں نے ایک در سے مایوس ہو کر اس رب تک اپنی عرضیاں بھیجنی نہیں چھوڑیں صاحب اور اسی ادا پر اسے پیار آ گیا میرے رب نے قبول کر لیں تمہیں کیا پتا میرے لیے یہ کس قدر خوشی کی خبر ہے۔''

''یہ واقعی خوشی ہی کی خبر ہے این جی۔''

''لیکن میرے لیے نہیں میں قطعاً اس ذمہ داری کو قبول نہیں کر سکتا۔'' نہ جانے کہاں سے سالار جنید آ گیا۔

''نہ ہو یہ ذمہ داری تم پر ڈال کون رہا ہے۔''

''ذمہ داری دینے ڈالنے سے نہیں آتی خود بخود کاندھوں پر سوار ہو جاتی ہے۔''

''تو پھر تم ایسا کرو اس ذمہ داری سے پیچھا چھڑانے کے لیے مجھے طلاق دے دو۔''

''ہاں تاکہ تم اپنی مرضی سے گلچھڑے اڑاسکو اور میرے بعد اپنے اس سپوت کو کیش کرواتے ہوئے میری ساری جائیداد پر قابض ہو جاؤ۔''

''تمہاری یہ غلط فہمی میں دور کر سکتی ہوں میں تمہیں اسٹامپ پر لکھ کر دے سکتی کہ میرا اور میرے بچے کا تمہاری جائیداد سے کوئی تعلق نہیں۔''

''کیا قانون یہ مان لے گا ولدیت کے خانے میں کیا کرو گی نہیں این جی تم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتیں۔''

''پلیز سالار اتنے زیادہ نیچے مت آؤ تمہیں مجھ سے اور اس بچے سے کوئی سروکار نہیں رکھنا تو مت رکھو لیکن اتنا بڑا الزام نہ رکھو، میں نے تمہیں پانے کے لیے کیسے کیسے جتن نہیں کیے اتنا کسی عورت نے خود کو نہیں گرایا ہو گا سالار جتنا میں نے اپنی منشا سے خود کو کمزور کیا میں تمہیں پانا چاہتی تھی اب چھ برس کے طویل شب و روز میں سے کسی دعا کی قبولیت کی طرح یہ گل میرے چمن میں کھلنا چاہتا ہے تو مجھے اور اس خوشی کو ڈس اون نہیں کرو میں پہلے بھی تم سے کچھ نہیں چاہتی تھی اب بھی کچھ نہیں چاہتی پلیز سالار۔''

وہ کہتے ہوئے آگے بڑھی مگر سالار جنید تن فن کرتا باہر نکلتا چلا گیا اس کے جانے کے بعد میں نے جاناں کو بہت تسلی دی لیکن وہ کسی دلاسے سے نہیں مانی اور میں بھاری جی سے گھر آ گیا پھر سونے لیٹنے والا تھا کہ بیل بجی میں نے دروازہ کھولا سامنے سالار جنید کھڑا تھا اترا ہوا چہرہ اور متفکر آنکھیں۔

''تم کیسے خیریت؟'' میرا دل کانپ گیا تھا اس کی خاموشی سے مجھے دھڑکا ہوا کہ کہیں اس نے کوئی انتہائی قدم نہ اٹھا لیا ہو مگر وہ بت کی طرح بالکل میری سامنے آ بیٹھا۔

''خیریت سالار۔''

''نہیں صاحب خیریت نہیں ہے۔''

''کک کک کیا ہو گیا۔'' میرا دل اندر ہی اندر بیٹھنے لگا تو اس نے میرے ہاتھ تھام لیے پھر بھرائے لہجے میں بولا۔

''صاحب، تم این جی کے بڑے کلوز فرینڈ ہو پلیز تم اس کو اگر کہو گے تو وہ انکار نہیں کرے گی۔''

''انکار لیکن کس بات سے؟''

''یہ اس خوشی والی بات سے تم اگر کہو تو وہ تمہاری بات نہیں ٹالے گی۔''

''لیکن وہ تمہاری بیوی ہے سالار تمہارا زیادہ حق ہے اس پر۔''

''ہاں مگر شروع سے میں انا اور ضد میں اس کے سامنے ایسے تنا رہا ہوں صاحب کہ اب یکدم جھکوں گا تو ٹوٹ جاؤں گا۔''

''محبت میں انا نہیں ہوتی سالار محبت میں جھکنے والے ٹوٹتے بھی نہیں۔''

''ہو سکتا ہے ایسا بھی ہو لیکن مجھے یوں نہیں لگتا کہ مجھے اس سے محبت بھی ہو سکتی ہے اس میں آخر رکھا ہی کیا ہے عام سی لڑکی عام سی اداکارہ۔''

اس نے ایسے کہا کہ مجھے چڑ ہونے لگی اور میں نے فوراً پوچھا۔

''وہ عام سی لڑکی اور عام سی اداکارہ ہے تو پھر، تو پھر تم یہاں کیا لینے آئے ہو۔ کیوں چاہتے ہو کہ وہ تمہاری بات مان لے۔''

''صرف ایک بات کے لیے صاحب وہ، وہ بہت اسموکنگ کرتی ہے۔''

تم سمجھتے کیوں نہیں ہو صاحب بے تحاشا اسموکنگ نے اس کے دل کو متاثر کیا ہے اس کو والو سرجری کی اشد ضرورت ہے وہ بہت کمزور ہے ڈاکٹرز نے کہا ہے ایسی کوئی خوشی اس کی جان کے لیے رسک ہے۔''

''تو پھر، تمہیں بھی کیا فرق پڑتا ہے اچھا ہے روز روز سے ایک بار ہی مر جائے گی۔'' میں نے نہایت سفاکی سے کہا حالانکہ میں اس انکشاف پر اس سے لڑنا چاہتا تھا مائی سویٹ فرینڈ تم ہی کہو بھلا جاناں جیسی پیاری ہستیوں کو بھی دل کا مرض ہو سکتا ہے اتنا پیارا سا ہے اس کا دل اور یہ سالار جنید کہہ رہا تھا۔ مگر نہیں اب سالار جنید کچھ نہیں کہہ رہا تھا لیکن مجھے حیرت سے تکے جا رہا تھا پھر بھرائے لہجے میں بولا۔

''کیا واقعی تمہارے لیے یہ عام خبر ہے کہ این جی ہارٹ پیشنٹ ہے۔''

''کیوں نہیں نارملی بات ہے جب وہ تمہاری بیوی ہو کر تمہارے لیے اتنی اہمیت نہیں رکھتی کہ تم اس کی وفاؤں پر مشکور ہو اسے محبت دے سکو تو میری تو وہ صرف دوست ہے اور تم جانتے ہو شو بزنس میں فوٹو گرافر کسی کے لیے زیادہ ہلکان نہیں ہوا کرتے انہیں تو بس فوٹو جینک چہرے چاہیے ہوتے ہیں اور ان کی داستانیں جنہیں کیش کروایا جا سکے۔''

''اسٹاپ اٹ صاحب! میں تمہیں ایسا نہیں سمجھتا تھا۔''

''اور یہی میرا خیال ہے تمہارے بارے میں مجھے یہ تو پتا تھا تم برے ہو لیکن اس قدر برے ہو سکتے ہو یہ نہیں جانتا تھا۔''

''کیوں کیا برائی دیکھی ہے تم نے۔'' ابرو تر چھے کر کے اس نے مجھے تیز نظروں سے دیکھا تو میں نے بھی کہنا شروع کر دیا۔

''کیا یہ برائی کم ہے کہ تم اتنی پیاری بیوی کے ہوتے ہوئے ادھر اُدھر توجہ لٹاتے پھرتے ہو اور اب جب کہ دنیا کی سب سے بڑی خوشی تمہارا نصیب بن رہی ہے تو تم شور کر رہے ہو۔''

''یہ میری زندگی ہے صاحب اسے میں اپنے انداز میں گزارنا چاہتا ہوں ٹھیک ہے اگر جاناں کی یہی ضد ہے تو مجھے کیا غم ہے مرتی ہے تو سو بار مرے ہاں بس کچھ دن اس کی یاد تڑپائے گی پھر تسلی ہونے لگی گی یہی پارٹ آف دی لائف ہے۔''

''بڑے سنگدل ہو تم سالار جنید۔''

''یقیناً مجھے انکار نہیں۔'' وہ فریش چہرہ لیے میرے قریب سے اٹھ گیا جب آیا تھا تو کس قدر دل گرفتہ اور سنجیدہ لگ رہا تھا مگر اب میرا دل چاہتا تھا کہ اس کا چہرہ کسی طرح گم ہو جائے گھڑی کوئی قبولیت ہی کی تھی جو وہ ہاتھ ملا کر فوراً چلا گیا اور میں سوچنے لگا مجھے کیا کرنا چاہیے واقعی بات تو اہم ہی تھی جس پر مجھے کچھ نہ کچھ کرنا ہی تھا جاناں اتنی غیر اہم بھی نہیں تھی کہ وہ اس کے جنون کی بھینٹ چڑھ جاتی اس شخص کے جنون پر جسے محبت اور عادت میں تمیز کرنا نہیں آتی جسے محبوب بیوی اور ایکس وائی زیڈ چہروں میں سے کلیکشن کرنا کسی نے نہیں سکھایا سو میں سوچ رہا تھا کہ کس طرح جاناں کو تصویر کے یہ رخ دکھاؤں تا کہ وہ مان جائے اور واقعی یہ سچ ہے ڈیر فرینڈ وہ سالار جنید کے لیے اہم نہ ہو میرے لیے بہت قیمتی ہے اسے پا کر ہی تو میں نے محبت کرنا سیکھی ہے اور بات کہ میری محبت ابھی تک خفتہ جوہر کی طرح چھپی ہوئی ہے لیکن ایک اچھے دوست کا روپ تو سامنے ہے ناں سو میں اسی دوستی کی قسم دے کر اسے اس طرح زندگی سے کھیلنے سے روکوں گا۔

ایک ہفتے مسلسل سوچتے ہوئے آخر اس تک پہنچ ہی گیا میں نے اس کو خوب لتاڑا مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی اس کی ایک یہی ضد تھی کہ وہ یہ رتبہ حاصل کر کے ہی رہے گی پتا نہیں یہ عورتوں کو والدہ محترمہ بننے کا اتنا شوق کیوں ہوتا ہے۔

ڈیر لٹل فرینڈ۔ اگلی بار کے لیے رخصت لیتا ہوں۔''

ڈائری میں نے بند کر دی گھڑی کی طرف دیکھا چار بج رہے تھے میں نے لائٹ آف کر دی پھر دن چڑھے تک سوتا رہا چچی جان ہی مجھے اٹھانے آئی تھیں میں منہ ہاتھ دھو کر ڈائننگ روم کی سمت بڑھ گیا ممی کسی مشینی خودکار نظام کے تحت پہلے سے وہاں موجود ناشتے میں مصروف تھیں۔

''اسلام علیکم ممی۔''

ممی نے مجھے دیکھا لیکن چہرے پر آج ان کی نظر جمی نہیں بس وہ چائے کی طرف متوجہ رہیں۔

''ناراض ہیں ممی۔'' میں ان کے قریب چلا آیا تو انہوں نے میرے ہاتھ جھٹک دیے۔

''خاموشی سے ناشتا کرو عمار مجھے تنگ مت کرو میرا جی بڑا بھاری ہو رہا ہے۔'' میں نے ناظمہ چچی کی طرف دیکھا تو ان کی آنکھیں گیلی ہونے لگیں اور وہ پکاریں۔

''چائے اور دو آپا۔''

''نہیں ناظمہ بس اور دل نہیں کرتا۔''

ممی اٹھ گئیں تو میں بلاسٹ ہو گیا۔

''یہ ممی کو کیا ہوا ہے چچی جان۔''

''کل جو کچھ ہوا ہے تمہارے سامنے ہی کی تو بات ہے بس پہلے تو انکاری رہیں پھر بابا اور بھائی صاحب انہیں مختلف حوالوں سے یہ باور کراتے رہے کہ صائب اور عمار دو الگ الگ وجود ہیں تو بس یہ چپ ہو گئیں کسی سے بات نہیں کر رہی ہیں تب سے۔''

''کسی سے نہ سہی لیکن مجھ سے کیوں روٹھ گئی ہیں۔'' میں ہنا ناشتا کیے ممی کے پیچھے انہیں ڈھونڈتا ہوا گارڈن کی سمت بڑھ گیا ممی چاچو کے ہاتھ کے لگائے ہوئے گلاب کے پودوں کے جھرمٹ میں کھڑی باتیں کر رہی تھیں۔ جیسے چاچو کہیں قریب ہی تھے اور اگر چاچو واقعی کہیں قریب ہی ہوتے تو ممی کی اس کایا پلٹ پر کتنا حیران ہوتے ناں یہ محبت کھونے کے بعد ہی کیوں پانے کے لیے اکساتی ہے ہر محبت حادثہ کیوں چاہتی ہے۔ مجھے یقین ہے اگر چاچو یہاں کہیں ہوتے اور میں ان کے کاندھے پر ہاتھ مار کے کہتا۔

''واہ چاچو بڑے لکی ہو تم۔''

تو وہ دکھ سے مجھے ایسے دیکھتے کہ میرے لفظ جم جاتے اور فضائیں بین کرتے ہوئے کہتیں۔

''یہ میری خوش قسمتی ہے یا بد قسمتی مجھے میرے بعد چاہا گیا میں تھا سب کے لیے نہ ہونے کے برابر تھا اور اب میں نہیں ہوں تو سب گھر کے گوشے گوشے ذرے ذرے میں مجھے تلاش کرتے پھرتے ہیں عمار سچ بتاؤ میں بے اثر تھا یا میری یادیں زیادہ جاں گسل ہیں کہ بھولتی نہیں۔

''ممی! ممی آخر کیا سوچتی رہتی ہیں آپ۔'' میں آنسو پونچھتا ہوا ان تک پہنچا تو انہوں نے مجھے بے قراری سے دیکھا۔

''تم نے ابھی صائب کو دیکھا یہاں کھڑا تھا اس گلاب کے جھرمٹ میں کہنے لگا بھابھو سچ بتایئے میں خوبصورت ہوں یا یہ گلاب، میں کہنے ہی والی تھی کہ تم صائب تم خوبصورت ہو کہ تم نے آواز دے دی تمہاری آواز سن کر وہ شریر چھپ گیا کہنے لگا بھابھو عمار کو تنگ کرتے ہیں اس سے کہیے مجھے ڈھونڈے۔''

میں ممی کو تکتا چلا گیا دل میں درد کی لہر سی اٹھی تھی۔

چاچو تو واقعی چھپ گئے تھے ایسی جگہ جہاں میں انہیں چھونا بھی چاہتا تو نہیں چھو سکتا تھا میں جانتا تھا چاچو یہاں ہیں اس جگہ لیکن میں پھر بھی انہیں بڑھ کر پا نہیں سکتا تھا یہ نہیں کہہ سکتا تھا چاچو میں نے ڈھونڈ لیا آپ کو میں جیت گیا اور دیکھا جاتا تو میں واقعی جیتا ہوا کھلاڑی ہو کر ہارا ہوا تھا۔

''آپ صبر کیجیے ممی چاچو اب کہیں نہیں ہیں وہ نہیں آسکتے ہماری دنیا میں۔''

ممی نے جواب نہیں دیا لیکن ان کے چہرے سے لگا انہیں میری بات پسند نہیں آئی وہ پھر سے فضاؤں سے محو گفتگو تھیں سو میں تھکے ہوئے قدموں سے واپس ناشتے کی ٹیبل پر گیا کچھ نہ کچھ زہر مار کر کے واپس کمرے میں آگیا کمرہ بند کر کے میں نے پھر سے ڈائری کھول لی لکھا ہوا تھا۔

''اوڈیئر فرینڈ میں تمہیں کیا بتاؤں کہ آج کیا ہو گیا آج میں بہت مطمئن اور خوش تھا جاناں کو آخر اس کی منزل مل ہی گئی لیکن میں اس سے

ملنے گیا تو وہ روئے جا رہی تھیں۔

''این جی کیا ہو گیا سالار نے کچھ کہہ دیا ہے۔''

''تمہیں وہ بس! صائب یہ سب میرے ساتھ ہی آخر کیوں ہوتا ہے۔''

''کیا ہو گیا تمہارے ساتھ کچھ پتا بھی تو چلے۔'' اس نے میری طرف دیکھا پھر بولی۔

''یہ سب سالار جنید کی بدشگونی کا کیا دھرا ہے صائب وگرنہ سب کچھ بالکل ٹھیک لگ رہا تھا۔''

''وہ وہ جو میری زندگی کا واحد سہارا تھا صائب وہ بن کھلے ہی مرجھانے والا ہے۔''

''یعنی تم نے سالار کی بات مان لی لیکن تم تو پہلے کہہ رہی تھیں میں ڈٹ جاؤں گی مر جاؤں گی لیکن وہ نہیں کروں گی جو سالار کہتا ہے۔''

''ہاں میں اب بھی نہیں کہتی ہوں لیکن وہ قدرت بھی تو جیسے سالار کی حمایتی بن گئی ہے۔ مجھ سے تو کسی کو ہمدردی اور محبت ہے ہی نہیں ناں۔''

''آخر تمہیں یہ کیوں وہم ستایا تم مجھے بتاؤ ناں میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔''

''میری کوئی بھی مدد نہیں کر سکتا صائب کوئی بھی نہیں تم بھی نہیں۔'' اس نے سر تک چادر اوڑھ لی تو میں باہر آ گیا سالار کو فون کر کے اس کے گھر جا پہنچا مگر وہ مجھے دیکھ کر بھی مطمئن ہی رہا جیسے اس نے کسی بات پر شکر کیا ہو گا۔

اور پھر میں لفظوں اور خیال کو مجتمع کر ہی رہا تھا کہ وہ آہستہ سے بولا۔

''کچھ مت کہنا میں جانتا ہوں تم یہاں کیوں آئے ہو۔''

''پھر آخر مسئلہ کیا ہوا ہے کیا تم نے جاناں پر کسی قسم کا پریشر ڈالا ہے ابھی چند دن پہلے وہ کیسی کھلی ہوئی تھی اور اب زرد گلاب ہو رہی ہے مجھے تم سے خیر کی امید تو پہلے بھی نہیں تھی لیکن میں نہیں جانتا تھا تم اتنے فضول بھی ہو سکتے ہو۔''

''افوہ آخر ہر ملاقات میں تم میری جوہرانہ صلاحیتوں کو داد دینا کیوں ضروری سمجھتے ہو بائی گاڈ مجھے پتا ہے میں کیا ہوں کتنا ہینڈسم کتنا اچھا اور کتنے فیصد برابار بار لفظ کیوں ضائع کرتے ہوں۔''

''شخص اس لیے کہ شاید کوئی لفظ کوئی بات تمہارا یہ خول توڑ دے تمہارے دل کو اس کی طرف موڑ دے۔''

''حالانکہ میں چکنا گھڑا ہوں کوئی بات ہو لفظ ہو دیر تک نہیں ٹھہرتا پھسل جاتا ہے فوراً۔''

''او کے مجھے بھی اس سے سروکار نہیں کہ تم کیوں نہیں بدل سکتے مجھے تو صرف یہ بتاؤ جاناں کے ساتھ کیا بلنڈر کیا ہے۔''

''جاناں کون، او این جی بھئی دیکھو میں نے اس کے ساتھ کوئی بلنڈر نہیں کیا یہ سب تقدیر کے فیصلے ہیں ویسے اب یقین آ گیا تقدیر مردوں کے لیے بھی ایک پیمانہ ہی رکھتی ہے، بے چاری عورتیں یونہی تو معاشرے اور قانون کو نہیں کوستیں کتنا کہا مان لے میری بات نہیں مانی بس پھر کوئی شنید گھڑی تھی کہ سب کچھ میرے حق میں ہو گیا منظر پس منظر سبھی کچھ لیکن صائب دیکھو تم اس کے لیے مجھے جلیم نہیں کر سکتے اب اس میں میرا کیا قصور جو ڈاکٹر نے یہ کہہ دیا کہ نیو بے بی ڈس ایبل ہے وہ نارمل دنیا میں بھی آ جاتا ہے تو بھی صرف ایک لوتھڑے کی طرح زندگی گزارے گا۔''

''اوہ مائی گاڈ تو این جی پر یہ قیامت ٹوٹی ہے اور یہ شخص کتنا مسحور ہے جیسے اس کے لیے کوئی بات ہی اہم نہ ہو سوائے خود اس کے جاناں نے واقعی کتنے غلط بندے پر اپنی محبتیں لٹائیں اتنا خود پسند مرد میں نے آج تک نہیں دیکھا تھا مگر اس سے زیادہ اہم میرے لیے جاناں تھی سو میں الٹے قدموں واپس جاناں کی طرف لوٹ گیا وہ ابھی تک سمندروں رو رہی تھی لگتا تھا اس کے پاس رونے کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں بچا تھا میں اسے سمجھا سمجھا کر تھک گیا مگر اس کو کسی دلاسے نے رام نہ کیا یہاں تک کہ وہ اس خوشی کو پانے سے پہلے ہی کھونے کے کرب سے بھی گزر گئی ہفتوں وہ گم صم رہی پھر پہلی بار میرے بولنے پر اتنا بولی۔

''صائب یہ فیصلہ میں نے اس لیے نہیں کیا کہ میں ڈرتی تھی ذمہ داریوں سے کہ میری مصروفیتوں میں حائل ہوتا وہ بچہ میرے لیے مسلسل عذاب ہوتا، نہیں صائب میں نے اس کڑے فیصلے کے وقت ایسا سوچا بھی نہیں کیونکہ میں ماں تھی اس کی، وہ نامکمل بچہ ہوتا یا مکمل میں تب بھی اس کی کیئر کرتی ساری دنیا کو چھوڑ کر اسے چاہتی کیوں کہ وہ سالار جنید کا عکس ہوتا مگر میں نے ایسا نہیں ہونے دیا لیکن صائب تم گواہ رہنا میں نے ایسا صرف اس لیے کیا تھا کیونکہ میں جانتی تھی وہ یہاں آنے سے پہلے جنت کے کسی باغ میں اپنے ہم عمروں کے ساتھ دوڑتا بھاگتا پھرتا ہوگا اس کی کس قدر دلچسپیاں ہوں گی وہاں اور میں ایک اپنی غرض اپنی سفاکی سے اس سے وہ سب آسائشات چھین لوں وہ جو وہاں کسی غم کسی تکلیف سے آشنا نہیں ایک میری ضد پر دنیا میں بھیج دیا جائے زبردستی ہی سہی لیکن پھر کیا ہوتا اس کا ایک ایک لمحہ اذیت اور دکھ میں ڈھل جاتا میں بہت ضدی تھی صائب لیکن میں ماں بھی تو تھی ماں جو کبھی اپنی اولاد کو گرم ہوا کا جھونکا نہیں لگنے دیتی۔''

وہ کہتے کہتے پھر سے رونے لگی اور میں اسے حیرت سے دیکھتا چلا گیا یہ لڑکی کیا تھی کس قدر حیرت انگیز ہر لمحہ نیا چولا پہن لیتی تھی کبھی ملکہ لگتی کبھی داسی کبھی جابر کبھی مظلوم کبھی مالک ہوتی اور کبھی کسی جوگی کی استھائی بن کر ادھر اُدھر بکھر جاتی اور وہ سالار وہ تو اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز تھا اتنے بڑے کرائسس سے گزری تھی لیکن اس نے ایک بار بھی اس کی طرف پلٹ کر نہیں پوچھا تھا میرا دل چاہتا تھا میں اسے شوٹ کر دوں لیکن وہ جاناں کو عزیز تھا بس اسی لیے صبر کے گھونٹ پی لینے پر مجبور ہوں۔

میں جب بھی جاناں سے ملتا مجھے لگتا وہ ٹوٹ رہی ہے ٹوٹ جائے گی لیکن مہینہ نہیں گزرا تھا کہ وہ پھر سے اس لائم لائٹ میں اسی انداز میں خود کو ایکسپوز کروانے میں مگن ہوگئی نئے نئے اسکینڈلز نئے نئے ناموں سے اخبار کی زینت بنتے اور باوثوق ذرائع میں صرف میرا نام چھاپا جاتا اور میں حیران ہو کر کبھی جاناں سے کہتا تو ادا سے کہتی۔

''او شٹ اپ صائب تمہارا کیا جاتا ہے تمہارا نام ہائی لائٹ ہو رہا ہے مشہور ہو رہے ہو میری وجہ سے کیا برا ہے۔''

''برا یہ ہے کہ میں تمہاری شخصیت سے ہٹ کر بھی کافی مشہور تھا اور ہوں۔''

''او ہو چڑنے کی کیا ضرورت ہے اگر تمہاری شہرت کا کریڈٹ میں نے لینا چاہا۔'' وہ بہت سرور میں کہتی اور میں نظریں جھکا لیتا۔

آج کل ڈیئر فرینڈ مجھے اسی بات پر بہت غصہ آتا ہے کیا میں واقعی اس کے لیے ایک آلہ کار تھا جس پر اس نے دوستی کا ملمع چڑھا دیا تھا سوچ سوچ کر دماغ کی چولیں ہل گئی ہیں سمجھ میں نہیں آتا یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا دعا ہے انجام بخیر ہو۔''

اس کے بعد صفحے خالی تھے یا روٹین ورک سے بھری پڑی تھی باقی کی تین ڈائریاں اٹھائیں ان میں بھی کچھ نہیں لکھا تھا جیسے چاچو کے پاس سے لفظ اور سوچیں کسی نے چرالی تھیں اور شاید یہی وہ لمحے تھے۔

جب چاچو ریزہ ریزہ بکھر گئے تھے اور وہ پانچ سال پھر سوال بنے کھڑے تھے کہ چوتھی ڈائری میں روٹین فارمل روداد کے بعد پھر سے اس کہانی کی کڑیاں مل گئیں لکھا تھا۔

''اوہ مائی موسٹ فرینڈ تم سے منہ موڑے کس قدر طویل عرصہ ہو گیا۔گزرے پانچ سال پانچ صدیاں لگنے لگے ہیں تم بھی کہتی ہو گی کہ میں نے جاناں کی کہانی تم سے چھپالی مگر لٹل فرینڈ یہ سچ نہیں ہے ہاں بس میرے اندر اتنی کہانیوں کے تانے بانے بن گئے تھے کہ ایک سرا دوسرے میں الجھ کر رہ گیا اور سوچ تار عنکبوت بن گئی۔میرے سینے میں میرا بجھا ہوا دل رہ گیا یا عمار کی محبتیں، یہ لڑکا بھی پتا نہیں کیوں ہے ایسا اسے کیوں لگتا ہے اگر میں نہیں رہا تو اس کی زندگی کا متھ ٹوٹ جائے گا۔ پہلے میں بھی تو یہی سمجھتا تھا جاناں کو کچھ ہوا تو میں زندہ نہیں رہوں گا سالار کا ساتھ چھوٹا تو زندگی ڈل ہو جائے گی شاید میں دوسری سانس بھی نہ لے سکوں گا لیکن ٹرین آگے بڑھ گئی اپنے مطلوبہ مسافروں کو لے کر اور میں دھول اڑاتے اسٹیشن پر تنہا کھڑا ہوں وسل بج رہی ہے مسلسل لیکن میری ٹرین آنے کا نام نہیں لے رہی۔

اب تم سے کیا چھپاؤں فرینڈ کہ میں کس قدر تھک گیا ہوں مجھ میں جینے کی کوئی امید نہیں، میری آنکھوں میں کوئی خواب نہیں لیکن میں پھر بھی جی رہا ہوں شاید ہم اس لیے نہیں جیتے کہ ہماری ضرورت ہوتی ہے اس دنیا کو، نہ ہم اس لیے جیتے ہیں کہ ہم قسمت کے دھنی ہوتے ہیں نہ اس لیے کہ موت ہمیں نہیں آتی کہ ہمارے بہت سے کام رہتے ہیں اور وہ ہمیں مہلت دینا چاہتی ہے بلکہ بات تو صرف اتنی ہوتی ہے کہ بیت الرضوان میں ہمارے نام کا پتہ ابھی نہیں جھڑا بس اس لیے زندگی کو ناپسندیدہ ساتھی سمجھ کر بھی ہمیں اس کے ساتھ گھسیٹنا پڑتا ہے ورنہ کیا ہے اس دنیا میں ایک عمار! یہ حقیقت ہے مگر آج کل عمار کی صورت دیکھ کر بھی زندگی کی طلب نہیں ہوتی۔

ہاں تو زندگی اسی رفتار سے چل رہی تھی وہی میری دیوانگی تھی سالار کی جیلس فطرت تھی اور جاناں کا انداز وہ جان جان کر سالار جنید کو اکساتی کہ وہ بلاسٹ ہو جائے مگر وہ بھی ضد پر اڑا رہا، میں جاناں کی دل جوئی کے خیال سے اس کے ساتھ رہا کرتا تھا پھر اس دن بھی اس کی ایک فلم کی شوٹنگ پیک اپ ہوئی تھی جب باہر نکلتے ہوئے ہم پر گولیاں برسائی گئیں مگر مارنا مقصود نہیں تھا ورنہ ایک ہی گولی کافی ہو جاتی جاناں ہونق کھڑی تھی اور میں اس سے زیادہ پریشان۔

''کیا ہوا یہ سب کیا تھا؟''

''کیا ہونا ہے یار اداکاراؤں کے پیچھے تو یہ جنجال لگا ہی رہتا ہے۔''

''بکواس مت کرو یہ صرف اداکارہ نہیں مسز سالار جنید ہے کیا سمجھے۔'' میں یک دم زہر افشانی کرنے والوں کی طرف...... مڑا اور یہ کتنی حیرت انگیز بات تھی مجھے جس نام سے حسد ہونا چاہیے تھا میں اس کی اہمیت جتا رہا تھا۔

''اوہ سالار جنید پھر تو یہ ان کے مخالفوں کی کارروائی ہوگی کیا آپ ایف آئی آر درج کروائیں گے سر۔''

ایک رپورٹر آگے بڑھا مگر میں جاناں کو لیے کار کی طرف بڑھ گیا پھر کار ایک مصروف شاہراہ سے گزر رہی تھی۔ جب خاموش بیٹھی جاناں نے قہقہہ لگایا میں نے گھورا۔

''کیوں! یہ تم کیوں ہنس رہی ہو؟ یہ حرکت تمہاری تو نہیں این جی۔'' میں نے تیز لہجے میں پوچھا تو وہ بسورنے لگی۔

''کیا ہے صاحب ہر غلط کام مجھ سے ہی کیوں منسوب کرتے ہو تم۔''

''اس لیے کہ مجھے تم سے ہر کام کی توقع ہے سالار کو پانے کے لیے تم کسی حد تک بھی جا سکتی ہوں۔''

''تمہارا اس حسن ظن کا شکر یہ واقعی میں ایسی ہی ہوں لیکن میرا یقین کرو یہ حرکت میری نہیں تھی۔''

''پھر کس کی تھی تمہارے پرسکون اعصاب تو کچھ اور کہہ رہے ہیں پہلے تو زرد پڑ گئی تھیں اور اب کھلی پڑ رہی ہو۔''

''ظاہر ہے پہلے مجھے خیال جو نہیں آتا تھا کہ یہ حملہ سالار جنید نے کروایا ہو۔''

''بکومت وہ برا سہی لیکن اتنا برا بھی نہیں کہ تم پر اٹیک کروائے۔''

''اچھا اگر ایسا ہی ہے تو ہم اور تم یہاں کیا کر رہے ہیں تو نو مائی ڈیر فرینڈ اگر ایسا ہوتا ناں جیسا تم سوچ رہے ہو تو ہم دونوں اس وقت کار کی بجائے ہسپتال کے ٹھنڈے کمرے میں پڑے ہوئے پوسٹ مارٹم کی کارروائی کا انتظار کر رہے ہوتے۔ تم نے دیکھا نہیں گولیاں ہم سے چھوتی ہوئی گزریں ہمیں لگی نہیں یہ محض دھمکی تھی اور صاحب تمہیں نہیں پتا میں کس قدر خوش ہوں سالار ری ایکٹ کرنے لگا ہے مجھے یقین ہے کبھی نہ ٹوٹنے والا یقین کہ وہ بہت جلد اب میرے سامنے ہوگا ویسا بن کر جیسا میں نے چاہا۔''

میں نے نگاہیں باہر ٹکا دیں پتا نہیں کیوں مجھ میں اس کی خوشی سے مایوسی پھیل گئی تھی میں جو ہمیشہ اس کو خوش دیکھنے کے جتن کرتا تھا اب کیوں مرنے لگا تم ہی کہو فرینڈ یہ ٹرائی اینگل اسٹوری اگر صرف جاناں اور سالار کی کہانی بن جائے تو میرا کردار کہاں گیا نہیں مجھے اہمیت کا جنون نہیں تھا بس اس بہانے جو میں جاناں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ رہتا تھا وہ سلسلہ ٹوٹ جاتا تھا اور میں اس کے بغیر کیسے رہ پاتا میرے لیے یہ کس قدر مشکل تھا سالار کو پانے کے لیے میرا کردار اس کے لیے جس طرح ضروری تھا اسے کون بتاتا کہ مجھے زندہ رکھنے کے لیے اس کا کردار ضروری تھا مجھے اس کی محبت کے تھرڈ مین کی ضرورت تھی جو مجھے اکساتی رہتی جینے پر جو ہر آن ہر لمحے میرے اندر دیپ جلاتی اور مسکرا کر کہتی۔

''تم خوش رہو بظاہر میں تمہارے لیے نہیں لیکن تم چاہو تو تم مجھے اپنا سمجھ سکتے ہو۔''

یہ خیال میرے ہاتھ سے چھوٹ جاتا تو میرا صبر پارہ پارہ نہ ہو جاتا مگر کسی قدر اذیت ناک تھا کہ مجھے اسی دل سے اسے دعا دینی تھی محبت پانے کی اور خوش رہنے کی سو میں نے گاڑی اس کے بنگلے کے پورچ میں پارک کی میں وہیں سے لوٹنا چاہتا تھا اس لیے نہیں کہ میں اپنے شوریدہ جذبات سے ڈرتا تھا میں ایکسپوز ہونے سے خوف زدہ تھا بلکہ میرا جانا خود مجھے لیے ضروری لگ رہا تھا کہ مجھے ڈر تھا کہیں میری دل جلی نظر اسے نہ لگ جائے اسے اس کی خوشیوں کو۔

جو خواب بن رہی تھیں اس کی آنکھوں میں، میں محض اس لیے لوٹنا چاہتا تھا لیکن اس نے زبردستی مجھے کار سی باہر گھسیٹ لیا پھر ساری رات

تیز میوزک پر وہ صوفے پر بیٹھی پیر ہلاتی رہی مسکراہٹ اس کے چہرے پر یہاں سے وہاں بکھری ہوئی تھی تب اچانک۔ ڈرائینگ روم کے دروازے پر آ کھڑا ہوا اس کہانی کا مضبوط اور جاندار کردار، ہاں تم ٹھیک سمجھیں وہ واقعی سالار تھا لیکن آج اس کے خدوخال بے حد مختلف تھے اس نے آتے کے ساتھ ہی میرے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا۔

تمہیں اور کوئی کام نہیں کیا، ہر وقت یہیں دھرے رہتے ہو۔'' میں نے غصہ ضبط کرتے ہوئے اسے دیکھا میرا خیال تھا جاناں میری حمایت کرے گی مگر وہ خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی جیسے میں اس کا کوئی بہت بدتمیز فین تھا جس کے ساتھ ایسا سلوک کرنا لازمی ہو۔

''این جی تم دیکھ رہی ہو میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے تمہارے گھر میں۔''

''یہ این جی کا نہیں یہ میرا گھر ہے اور میرے گھر میں وہی ہوگا جو میں چاہوں گا۔''

میں نے پلٹ کر دیکھا بظاہر این جی خاموش کھڑی تھی مگر مجھے یقین تھا سالار کے جملوں پر اس کی روح تال دے کر محو رقص ہو چکی تھی اس کی آنکھوں میں خمار تھا سو میں نے جھٹکے سے اس کی گرفت سے خود کو چھڑایا باہر نکل رہا تھا جب سماعتوں میں سالار کا تلخ لہجہ گونجا۔

''تم این جی تم اس قابل تو نہیں کہ تمہیں اس گھر کی زینت بنائے رکھوں مگر میری ضد ہے تم یہیں سسک سسک کر مرو گی ہم عزتوں پر کٹ مرنے والے لوگ ہیں اس لیے یاد رہے یہ فوٹو گرافر آئندہ تمہاری داستان کا کردار نہ بن سکے یہاں نہ آئے۔'' وہ تنا ہوا میرے سامنے نکل گیا میں نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا وہ بالکونی میں سفید ساڑھی میں کسی روح کی طرح لگ رہی تھی کسی ایسی شہزادی کی روح جو بھٹک کر اس ظالم دنیا میں چلی آئی تھی۔ اس بے مہر بے محبت دنیا میں۔

''گڈ بائے صاحب حسین۔'' ہاتھ ہلا کر اس نے بھیگی پلکوں سے مجھے دیکھا اور مجھے یقین ہو چلا یہ ہماری آخری ملاقات تھی میں بوجھل قدموں سے زیادہ بوجھل دل لیے اپنے فلیٹ میں آ گیا یہاں تک کہ بہت سارے دن میرے دل کا بوجھ اٹھائے گزر گئے کہ ایک دن اچانک سالار جنید کا فون آ گیا وہ بری طرح گھبرایا ہوا تھا اور مجھے اپنے پاس آنے کا حکم دے رہا تھا لیکن اس دن اس کے مس بی ہیویر پر مجھے بہت خفگی تھی میں نے بات پوری سنے بغیر فون رکھ دیا ساری رات بیل بجتی رہی میں نہیں گیا صبح پو چھٹنے کا وقت تھا جب اچانک بیل بجی دروازہ کھولا سامنے سالار کھڑا تھا۔

''کیا بات ہے؟ کیا یہاں آتے وقت تم میری اوقات اور اصلیت جان چکے تھے یا پھر کوئی غلط فہمی ہوئی ہے تمہیں۔''

''کچھ بھی کہہ لو صاحب لیکن میرے ساتھ چلو وہ جو این جی ہے ناں وہ مجھ سے ناراض ہو رہی ہے ہمیشہ اس نے مجھے منایا ہے ہمیشہ وہ جھکی ہے سو مجھے تو منانے کا طریقہ بھی نہیں آتا پلیز صاحب تم اس کو میری طرف سے مطمئن کر دو۔''

''کیوں کیا میں نے ٹھیکہ لے رکھا ہے نہیں مسٹر سالار اب میں نے بے وقوف بننا چھوڑ دیا ہے این جی اور تم جس طرح میرے جذبات سے کھیلے ہو وہ اتنا روح فرسا ہے کہ میں کبھی نہیں بھول سکتا آخر میں ہوں ہی کون ایک معمولی فوٹو گرافر یہ تمہارے ہی الفاظ تھے ناں اور ان الفاظوں کے زیر اثر ایک ہفتے بعد اس نے بھی تو بھری پارٹی میں میری بے عزتی کر ڈالی تھی وہ این جی ہی تو تھی جس نے کہا تھا میں اس کے قریب اس لیے ہوا تھا کہ لوگ مجھے جاننے لگیں کیا واقعی میں اتنا گمنام تھا جو این جی کو سیڑھی بناتا میں نے ہزاروں گمنام چہروں کو شہرت کے بام پر پہنچایا ہے وہ سمجھتی کیا ہے

خود کو، میں بلیک میلر ہوں تھرڈ کلاس بلیک میلر۔“

”پلیز صاحب وہ سب غلط فہمی تھی مگر اس وقت میرے ساتھ چلو این جی آئی سی یو میں ہے......“ اس نے یکدم اتنا بڑا انکشاف کر دیا تھا کہ میں ساکت رہ گیا۔

”کیا؟ کیا ہوا اسے۔“

”ہارٹ اٹیک، ڈاکٹرز کہتے ہیں آپریشن فوری کرنا پڑے گا اور وہ چاہتی ہے تم سے ایک بار ضرور ملے۔“

”چلو میں چلتا ہوں۔“ میں اس کے ہمراہ چل پڑا اور ڈیئر فرینڈ یہ قطعاً میری مرضی کے خلاف تھا تم جانتی ہو ناں وہ کتنی بڑی ساحرہ تھی جس لمحے کو جس انداز میں چاہتی روک لیتی لطف لیتی ہے مجھے بھی اس نے کسی لمحے کی طرح ہی انجوائے کیا مگر میں یہ سب جانتے بوجھتے اس کا توڑ نہیں کرنا چاہتا تھا پتا نہیں اس کے لیے میرے دل میں جو اول دن کی محبت تھی وہ بجائے کم ہونے کے بڑھتی ہی کیوں رہی۔“

پھر صفحہ خالی تھا اگلے صفحے پر لکھا تھا۔

”میں جب ہاسپٹل پہنچا اس کے آپریشن کے انتظامات ہو رہے تھے۔ اس نے مجھے دیکھا تو مسکرائی۔

”مجھے یقین تھا تم ضرور آؤ گے۔“ اور یہ یقین اس کا کتنا درست تھا۔

”سالار کہتے تھے تم سخت ناراض ہو مگر مجھے پتا تھا تم مجھ سے ناراض نہیں ہو سکتے، صاحب تم ہم دونوں کی محبت میں خوانخواہ ہی رگیدے گئے ہم دونوں لاشعوری طور پر تمہیں تھرڈ مین بنا کر اپنی اپنی محبت زندہ رکھنے کی لگن کرتے رہے مگر ہم میں سے کوئی بھی سرنڈر نہیں کرنا چاہتا ہم دونوں ہی ضدی تھے ہماری تو خو تھی ایک دوسرے کو نہ ماننے کی، میں ساری زندگی یہی سمجھتی رہی میں اسے باندھے ہوئے ہوں اور وہ یہ سمجھتا رہا در حقیقت محبت کرنا صرف وہی جانتا ہے میں اکثر اس سے اسی لیے طلاق مانگا کرتی تھی تاکہ اس کی زندگی میں اپنی اہمیت اور مقام جان سکوں اور وہ ہمیشہ ایسے ہر موقعہ پر اپنی کمزوری چھپانے کو غائب ہو جایا کرتا لیکن اس ساری جدوجہد میں بھی یہ طے ہے کہ اس کی الگ نہ ہونے کی خواہش سے کہیں شوریدہ ضد تھی میری کہ ساری عمر اس کے نام پر گزارنی ہے اور مرتے وقت اس کے نام کا ہی آنچل اوڑھنا ہے۔

وہ سمجھتا رہا کہ مجھے باندھے ہوئے ہے لیکن تمہارے سوا یہ کون جانتا ہے کہ اس کے ماضی سے ڈر کر یہ دھڑکا میں نے ہی اس کے دل میں بٹھایا تھا کہ میں آزادی چاہتی ہوں اس سے دور رہ کر اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا میرا مقصد ہے وہ بہت فلرٹ تھا رشتے نام اور چہرے ایک کے بعد ایک بدلنے کا ماہر تھا اور میں نہیں چاہتی تھی کہ میرے ساتھ بھی ایسا ہو اور اس کا ایک ہی حربہ تھا کہ میں اسے ٹیز کروں دن رات اسے یہ جتاؤں کہ اس میں کوئی بات نہیں اس سے کہیں خوب صورت لوگ میرے منتظر ہیں لیکن صاحب ان سب کے باوجود کہیں کہیں کبھی کبھی میرے اندر کی محبت اتنی تیزی سے ابھرتی تھی کہ میں یہ جذبہ چھپا ہی نہیں سکتی تھی اور وہ سمجھتا تھا یہ بھی میری چال ہے وہ چڑتا تھا مجھ سے، اس کی عزت نفس مجروح ہوتی اور وہ مجھے خود سے الگ نہ کرنے کی قسم کھائے جاتا کتنا معصوم تھا ناں وہ اور میں...... مجھے خوشی ہے میں اپنے پلان میں کامیاب رہی۔“

اس نے کہتے کہتے تیز سانس لی تو میں نے گھبرا کر اپنی پشت کی طرف دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا واپس مڑا تو وہ مسکرا رہی تھی۔

''تمہارے یہاں آتے ہی میں نے اسے اشارہ کر دیا تھا کہ میں تنہائی میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں سو وہ رکا نہیں خیر حیرت ہے وہ رکا کیوں نہیں اسے تجسس نہیں ہوا میں آخری لمحے تم سے کیا کہنے جا رہی ہوں، کہیں ایسا تو نہیں میں تم سے اظہار محبت کروں، یہی تو الزام تھا نا تم پر مجھ پر۔''

میں نے سر جھکا لیا تو ہولے سے میرا ہاتھ تھام کر بولی۔

''بھول جاؤ صائب اس دن جو کچھ ہوا وہ ہمارے تعلق کا ٹرننگ پوائنٹ تھا وہ اس کے اندر کا ابال تھا اور جو کچھ میں نے اگلے ہی ہفتے تم سے کہا وہ محض اس لیے کہا تھا کہ تمہاری شخصیت تمہاری دوستی مزید الزام سے بچ جائے میں نے پوری دنیا میں صرف ایک تمہیں اپنا دوست سمجھا تھا دوست بنایا تھا بس اس لیے نہیں چاہتی تھی کہ کوئی تمہارے جذبوں کو اور تمہیں بلیم کرے سمجھے اور یہ اسی وقت ہو سکتا تھا جب تم سے ہر تعلق توڑ لیا جاتا تم سے الگ ہونا بہت کربناک تھا لیکن تمہیں محب ثابت کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ ہرٹ کر کے خود سے دور کر دیا جائے۔

تم بہت پیارے انسان ہو صائب میں جانتی تھی تمہارے لیے میری جانب سے کیا جانے والا ناروا سلوک اذیت ناک ہوگا لیکن میں چاہتی تھی کہ بس تم اب واپس اپنی دنیا میں لوٹ جاؤ ہماری تمہاری کہانی وہیں اس موڑ تک تھی۔''

اس نے بے چینی سے مجھے دیکھا پھر ہنس کر بولی۔

''ایک اور بات بھی تھی صائب دراصل میں چاہتی تھی کہ تم میرے جانے کی گھڑی سے پہلے ہی خود کو سنبھال لو میرے بنا رہنا سیکھ لو تا کہ تمہاری زندگی زیادہ ڈسٹرب نہ ہو، پتا ہے میں تمہیں ابھی بھی نہیں بلاتی لیکن پھر سوچا کیا ہم اچھے دوست ہو کر اتنا بھی حق نہیں رکھتے کہ جاتے سمے میں تمہیں الوداعی نظر سے دیکھ لوں تم مجھ سے مل لو تا کہ کوئی بات دل میں نہ رہے کوئی حوالہ باعث تازیانہ نہ رہے، سو اچھے دوستوں کی طرح ہر خطا معاف کر دینا میری۔''

کہتے کہتے وہ تھک گئی اور میں پریشان اسے دیکھتا رہا پھر اس کا بلڈ ٹیسٹ ہوا تو میں پریشان ہو گیا بمبئی گروپ تھا اس کا۔

''یہ تو بہت نایاب بلڈ گروپ ہے۔''

''ہاں میں جانتی ہوں تین سال سے مختلف ٹیسٹوں میں بلڈ استعمال ہو رہا ہے اور مجھے پتا ہے میرا گروپ کس قدر نایاب ہے۔'' میں اور سالار ہونق کھڑے تھے جب ڈاکٹر نے تیزی سے کہا۔

''بلڈ ڈونرز کا انتظام آپ جتنی جلدی کر سکتے ہیں کروا لیں مسٹر سالار۔''

''ڈونر کو بلانے کی کیا ضرورت ہے ڈاکٹر یہ گروپ تو میرا بھی گروپ ہے۔''

''ٹھیک ہے لیکن آپ تنہا اس آپریشن کے لیے کافی نہیں ہیں کافی خون کی ضرورت پڑے گی۔''

''میرا خون ٹیسٹ کر لیجیے ڈاکٹر۔'' گھبرا کر میں نے آفر کی ڈاکٹر فوراً ہی کام میں لگ گیا اور سالار پھر بھی حفظ ماتقدم کی بنا پر مختلف بلڈ بینکس کے نمبر ڈائل کرتا رہا یہاں تک کہ ایک نمبر اسے مطلوبہ مل ہی گیا وہ مدھم انداز میں اپنی مجبوری اور ضرورت بتانے لگا اور ڈاکٹر نے قریب آ کر مجھے حیرت سے دیکھا۔

''آپ نے کبھی اس سے پہلے اپنا بلڈ ٹیسٹ نہیں کروایا مسٹر صاحب۔''

''نہیں تو کبھی ضرورت نہیں پڑی لیکن آپ نے یہ سوال کیوں پوچھا۔'' میں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تو اس نے نرمی سے کہا۔

''محض اس لیے کہ آپ کا بلڈ تو خود آپ کے لیے نقصان دہ ہو چکا ہے۔ کسی مریض کے لیے کیا معاونت کرے گا۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے حیرت سے دیکھا اور تب پتا چلا مجھے لیوکیمیا ہو چکا ہے خاموشی سے اس مرض نے میرے اندر پنجے گاڑ لیے ہیں لیکن فرینڈ اس وقت میرے لیے یہ خبر اہمیت نہیں رکھتی کہ میرے ساتھ کیا ہوا مجھے خوشی تھی تو اس کی تھی کہ سالار کا بھی یہی گروپ تھا سالار بلڈ ڈونیٹ کرنے کمرے میں جا چکا تھا اور دوسرا ڈونر سالار کی ریکویسٹ پر ہاسپٹل کے لیے روانہ ہو چکا تھا سو میں نے پہلی بار اپنے ہاتھ میں لہراتی رپورٹ کو پھر سے غور سے دیکھا ایک ایک لفظ میرے اندر ہزاروں چھوٹے الاؤ دہکائے جا رہا تھا۔

''کیا واقعی میری زندگی، میرا کیریئر اتنی مختصر مدت کے لیے ہیں میں مر جاؤں گا لیکن پھر بابا اور عمار کا کیا ہوگا؟''

میری پلکیں پھر سے بھیگ گئیں۔

''اوہ گاڈ چاچو اگر آپ اس وقت ممی کو دیکھ لیں تو ہر شکوہ رد ہو جائے۔'' میں نے افسوس سے سوچا اور ڈائری کی طرف پھر سے متوجہ ہو گیا۔''

پھر یوں ہوا فرینڈ میں نے یہ خیالات کچھ دیر کے لیے خود سے دور کر دیئے کیونکہ اس وقت ہماری کہانی کا سب سے جاندار کردار موت و زیست کی کشمکش میں تھا اور اس وقت وہی تو سب سے اہم تھا میرے اور سالار سے بھی زیادہ اہم ڈاکٹر اسے آپریشن روم میں لے گئے تھے اور ہم سر جھکائے ہر لمحہ کو گزرتے دیکھ رہے تھے وقت چیونٹی کی رفتار سے گزر رہا تھا دل چاہتا تھا آپریشن روم کے سامنے آویزاں گھڑی کا شیشہ کھول کر دونوں سوئیوں کو اپنے ہاتھ سے گھمائے جاؤں اس وقت تک جب تک میرے مطلب کی گھڑی آ نہیں جاتی لیکن یہ خیال کتنا بچکانہ تھا بھلا وقت کبھی پہلے مٹھی میں آیا تھا جو اس وقت آتا سو وقت نے اپنے ہی انداز اپنی ہی رفتار سے گزرنا شروع کیا اور ایک طویل جاں گسل انتظار کے بعد روم کا دروازہ کھلا۔

تمہیں کیا بتاؤں فرینڈ اس وقت میری کیا حالت تھی میری سماعتیں خوشخبری سننے کو بے تاب تھی اور دل میں انہونی ہونی بن کر دستک دے رہی تھی سالار نے میری کیفیت دیکھی تو کاندھے پر ہاتھ رکھ کے کہا۔

''ٹیک اٹ ایزی صاحب سب ٹھیک ہوگا۔''

اور واقعی وہ سچا تھا ڈاکٹرز نے یہی بتایا ہم دونوں باری باری اس سے ملنے گئے کچھ دن اس کی طبیعت سنبھلنے میں لگے جب وہ بات کرنے کے قابل ہوئی تو بولی۔

''تمہیں پتا ہے صاحب میں دوبارہ کیوں لوٹی ہوں۔''

''اپنی ادھوری فلمیں مکمل کرنے کے لیے سارے پروڈیوسر تب سے سجدے میں پڑے ہیں بائی گاڈ این جی اس وقت تم ایک لڑکی نہیں کروڑوں کا بزنس ہو۔''

''ہاں میں جانتی ہوں میں اس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی ان کے لیے اس لیے وہ جو بیڈ کے قریب والی دراز ہے ناں اس کی چابی تم سلمیٰ

سے لے لینا اور اس میں موجود بلینک چیک بک ہے ناں اس کے سارے چیک کیش کروا کر میرے سیکرٹری سے حسابات لے کر ان کے اصل مالکان کو وہ رقم لوٹا دینا۔"

"یعنی تم اب کام نہیں کرو گی۔"

"ہاں میں اب کام نہیں کروں گی۔" اس نے مجھے کہتے ہوئے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو میں نے بھرائے لہجے میں کہا۔

"تمہارا حکم میرے لیے اہم ہے لیکن سالار میری اس قدر اہمیت پر چراغ پا نہیں ہوگا۔"

"نہیں وہ چراغ پا نہیں ہوگا کیوں کہ اب میں نے زندگی کو اسی انداز میں گزارنا ہے جیسے مجھے گزارنا تھا۔ صائب جو بات میں نے تھوڑی دیر پہلے کی وہ اسی سے تعلق رکھتی ہے میں اب تھک گئی ہوں صائب بس ایک پوری نیند لینا چاہتی ہوں میں اپنے باپ کی مقروض ہوں میں اپنی مقروض ہوں اور بس اب مجھ سے اور یہ قرض قرض زندگی نہیں گزاری جاتی۔" کہتے کہتے یکدم اس نے آنکھیں کھول کر مجھے پوری توجہ سے دیکھا پھر بولی۔

"تمہیں پتا ہے صائب میں دوبارہ کیوں لوٹی جو تقریباً مر چکی تھی ہوسکتا ہے یہ تمہاری سالار کی دعاؤں کا کرشمہ بھی ہو لیکن یہ سچ ہے کہ یہ میری ازلی ضد کا بھی ایک رخ تھا میں ابھی جانا نہیں چاہتی تھی صائب اس وقت تک تو بالکل نہیں جب تک کہ وہ مجھ سے زیادہ ضدی شخص اعتراف محبت نہ کرلے کہہ نہ دے کہ ہاں این جی تمہارا یقین سچا تھا تم سچی تھیں اور یہ سچ واقعی امر ہے کہ تمہاری محبت کبھی بھی بے اثر نہیں رہی تھی تم نے مجھے سر سے لے کر پیر تک بدل کر رکھ دیا تھا۔

اور وہ جو تم نے کہا تھا ہاں وہ یہ ہی کہے گا کہ میں پتھر کا بت صرف زعم و بھرم رکھنے کے لیے بنا رہا ورنہ تمہارے نام کا دیا کب سے مجھ میں جل رہا ہے تم مجھے چھو کر دیکھو کیا تمہیں اس کی تپش نہیں آتی وہ یہ کہے گا صائب تب! تب میں آسمان پر بیٹھے اپنے اس رب سے کہوں گی کہ اگر وہ چاہے تو اب مجھے دنیا سے کوئی سروکار نہیں وہ مجھے واپس بلالے اپنے پاس جہاں روشنیوں کے سمندر میں نیکی کی سنہری مچھلیاں تیرتی پھرتی ہیں سچ صائب یہی ہے اصل وجہ اور اس بات کا سچا اور بڑا گواہ تمہارے سوا کون ہے کہ میں نے کبھی دنیا کی طلب نہیں کی دنیا سے مطلب نہیں رکھا میں تو صرف محبت تھی ٹھاٹھیں مارتی محبت۔"

اس نے آنکھیں بند کرلیں پھر انکل اس سے ملنے آگئے تو ماحول یکدم پھر سے بھیگ گیا سویٹ فرینڈ اس وقت کی کیا کیا اذیت کیا کیا دکھ ہے جو تمہیں بتاؤں۔ بس یوں لگ رہا تھا ہم برہنہ پا ہیں اور ہمارے پیروں کے نیچے کسی نے کانٹے بچھا دیئے ہوں اور اسی پر چلنے کی شرط رکھی ہو سو اس کے تیمارداروں میں انکل کا بھی اضافہ ہوگیا وہ پاگلوں کی طرح اس کی دیکھ بھال کرتے رات رات بھر جاگتے اور وہ انہیں دیکھ دیکھ کر روتی۔

"نو پاپا یوں مت کریں، پاپا آپ خود بیمار رہتے ہیں۔" وہ کہے جاتی مگر انکل لگے رہتے یہاں تک کہ ایک دن اس نے انکل کا ہاتھ چوم لیا۔

"آئی لو یو سو مچ پاپا۔" انکل پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے پھر روہانسے لہجے میں بولے۔

"اب بھی تیرے دل سے میری طرف سے بدگمانی، نفرت نہیں ہٹی میں اپنی نظروں میں شرمندہ ہوں این جی میں واقعی برا تھا میں نے واقعی تیری ماما کو بڑا دکھ دیا مگر اتنے برس سے جو تو یہ جدائی کی مار مار رہی ہے یہ کم تو نہیں، میرے گناہ مٹے تو نہیں کچھ کم تو ہوگئے ہوں گے۔ پھر پھر کیوں

طنز کر رہی ہے مجھ پر۔"

"طنز نہیں پاپا یہ طنز نہیں میں تو سچ کہہ رہی ہوں میں واقعی آپ کو بہت چاہتی ہوں بے تحاشا اتنے دن بائی گاڈ آپ کو نہیں میں نے خود کو سزا دیئے رکھی ورگرنہ کب اس دل نے آپ کو یاد نہ کیا کب آپ کے لیے یہ نہیں تڑپا دیکھ لیجیے کیا یہ بیماری اس بات کی گواہ نہیں کہ میں نے جسے چاہا دل سے چاہا پورے خلوص سے چاہا۔"

انکل کچھ نہیں بولے وارفتگی سے اسے پیار کرتے چلے گئے صرف سالار جنید تھا جو جلے پیر کی بلی بنا گھوم رہا تھا وہ بار بار مجھ سے مخاطب ہوتا لیکن کچھ کہہ نہیں پاتا اور ڈیئر فرینڈ اب سوچتا ہوں کہ کاش وہ مجھے مخاطب کر ہی لیتا اپنے دل کا سچ مجھ سے شیئر کر لیتا تو میں اسے سمجھا دیتا کہ اس لمحے محبت کی آسودگی محبت کا یقین اس کے لیے زہر قاتل ہے، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے اور میں اسے یہی سمجھا سکتا تھا کہ اس کے اندر جو دنیا چھوڑ دینے کی ہوک بھر گئی ہے وہ زندگی کی طلب سے مضبوطی سے باندھی جا سکتی ہے اگر وہ یہ سچ اسی سے چھپالے اس نے یہی تو کہا تھا وہ صرف یہی سچ سننے کے لیے تو آئی ہے مگر وائے افسوس میری اس سے اس معاملے پر بات ہی نہیں ہوئی اور وہ جو صحت یاب ہو چکی تھی وہ جو دوسرے دن ڈسچارج ہونے والی تھی یک دم ہی مر گئی۔

کس قدر آسانی سے مر گئی مائی فرینڈ اس نے کچھ نہیں سوچا وہ جو مجھے تھرڈ مین بنا کر سالار جنید کو محبت کے اظہار پر اکساتی تھی اس نے کچھ بھی نہیں سوچا کہ اس طرح اس کے مر جانے پر میرا کیا ہوگا میں نہ فوٹو گرافر تھا نہ بلیک میلر اس کے لیے صرف صاحب تھا بابا کا صاحب حسین لیکن اس نے میرا نقصان بھی نہیں سوچا اور چپکے سے منوں مٹی تلے جا سوئی اور سالار جنید تھا جو میرے کاندھے سے سر ٹکائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔

"صاحب یہ سب کیا ہو گیا میں نے تو ایسا کچھ بھی نہیں چاہا تھا میں تو اندر کی جنگ سے ہار گیا تھا میں ہارے ہوئے کھلاڑی کی طرح اس کی بارگاہ میں گیا تھا لیکن وہ جیتی ہوئی بازی کیوں ہار گئی؟"

میں کہنا چاہتا تھا "صرف اس لیے کہ اس کی ضد جو ٹوٹ گئی تھی وہ جو زعم انا اور شکستوں کے جال تھے اس کے گرد اسے محبت کے ایک ہلکے سے اظہار نے پاش پاش کر دیا یہ محبت کتنی بے ضرر لگتی ہے لیکن جیتے جاگتے انسانوں کو مار دیتی ہے وہ بھی جیتی رہتی اگر تم اسے طرح دیتے رہتے ساری زندگی اسے تشکیک میں مبتلا رکھتے اور وہ تنہا بیٹھ کر حساب لگاتی رہتی تم اسے چاہتے ہو نہیں تم اسے نہیں چاہتے اور عمر یوں آرام سے گزر جاتی محبت اسی وقت تک چارم فل رہتی ہے جب تک اس کا اظہار نہ ہو اور یہ دل کی بڑی پرانی خو ہے کہ وہ اظہار کرنے کروانے کے لیے کسی ضدی بچے ہی کی طرح ہٹ دکھاتا ہے اور اس کے کہنے میں آ جاؤ تو کیا رہ جاتا ہے ہاتھ ملے، کچھ بھی تو نہیں اور "کچھ بھی تو نہیں" دل کو مار دیتا ہے لیکن میں یہ کہہ نہیں سکا اور وہ کہتا رہا۔

"صاحب میں کیا کرتا میں نے کبھی جھک کر ہی نہیں دیکھا تھا مجھے ہمیشہ سربلندی ملی پھر میں خود کو کیونکر ایک عورت کے سامنے جھکنے پر اکساتا میں جانتا تھا وہ محض عورت نہیں این جی تھی میری بیوی جو ساری زندگی جب تک جیتی رہی ایک میرے اظہار کے لیے تڑپتی رہی لیکن میں پھر بھی یہی سمجھتا رہا محبت ضروری تو نہیں اظہار میں ہو یا شاید میں اظہار کرنا ہی نہیں چاہتا تھا پتا نہیں کیوں۔"

صائب تم گواہ ہو میں نے اسے جب جب ان فیسٹلی ثابت کیا اندر ہی اندر اس کے وجود کا اعتراف ضرور کیا تھا بس میں یونہی اسے تکلیف دیتا رہا پتا نہیں میں اسے ستانا چاہتا تھا یا محض یہ لگن رکھتا تھا کہ کسی لمحے تو وہ میرا گریبان تھام کر کہے تم میرے ہو کسی اور کو میرے بدلے کی محبت دینے کا کوئی حق نہیں اور وہ ہمیشہ محبت کے اظہار کے باوجود خود کو اس جبر میں سموئے رہی کہ ضبط محبت کی معراج ہے محبت کا انتظار کیا جائے اس وقت تک جب تک محبت کا یہ خوش رنگ پرندہ آپ کی منڈیر پر خود نہ آ بیٹھے۔

وہ مکمل طور پر حیرت انگیز لڑکی تھی صائب اس نے مجھے سر سے پیر تک بدل دیا بس میں ہی تھا یونہی زعم میں رہتا تھا لیکن اب کیا ملا مجھے اظہار کے بعد بھی کیا ملا میں تو اسے یقین دلا کر اپنی محبت کا مان دے کر کہنا چاہتا تھا این جی آؤ ہم زندگی کو ایک نئے طریقے سے گزاریں جس طرح مجھے یقین رہا ہے تم ساری دنیا میں میری تھیں میرے لیے تھیں اسی طرح اب یہ بھی طے ہے کہ میں بھی صرف تمہارا ہوں میرا خیال تھا صائب وہ اس اعتراف یقین پر خوشی سے مسکرا دے گی مگر اس نے کچھ نہیں کہا اور بس چپکے سے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ کیوں چلی گئی؟''

''صرف اس لیے کہ اس کی زندگی اس تشنگی میں بند تھی جیسے بہت طویل مسافت کے بعد آپ کو منزل مل جائے تو آپ کے قدم اور طاقت اعلان کرتے ہیں آپ بہت تھک گئے ہیں آپ نے اتنی راتیں جاگی ہیں اتنی لمبی مسافت کی گرد آپ کے قدموں پر جمی ہے بس اب لمبی تان کر سو لیا جائے لیکن اگر ایسے میں علم ہو آپ کی منزل چند قدم کے فاصلے پر ہے تو آپ یہ فاصلہ پاٹنے کے لیے خود کو مجبور کرتے رہیں گے کہ ابھی آپ کو اور چلنا ہے کچھ دور اور، اور تمہارے اعتراف نے یہ ''کچھ اور'' کا صیغہ ختم کر ڈالا تو کچھ نہیں بچا۔''

میں پلٹ کر کہنے والا تھا مگر میں نے نہیں کہا اور وہ میرا کاندھا بھگوتا رہا کچھ عرصہ بیشتر وہ بھی اس طرح اس کی یاد میں میرے کاندھے سے لگی رو رہی تھی اور اب وہ رو رہا تھا تو کیا میں انسان نہیں تھا میرا دل نہیں چاہتا تھا رونے کو، کیا میں محض کاندھا رہ گیا تھا میرا باقی وجود کیا ہوا تھا تھکا ماندہ اور بجھے دل کا سا بجھا وجود کیا ہوا وہ۔

میں پوچھنا چاہتا تھا مگر فرینڈ اس کا جواب مجھے کہیں سے نہیں ملتا تھا سو میں چپ رہا اس لمحے مجھے عمار کا سہارا بہت یاد آیا میرا دل چاہا وہ میرے قریب ہوتو میں وہ سارے آنسو جو این جی کے مرنے پر اس کی تعظیم اور اپنے تعلق کی موت پر نہیں بہا سکا تھا سب بہا دوں سالار کہتا۔

''تم رو دو صائب وہ تمہاری دوست تھی۔''

اور میں نے سختی سے آنسو اور پیچھے دھکیل دیے یہ سچ تو نہیں تھا وہ صرف میری دوست کب تھی تم تو جانتی ہو ڈیر فرینڈ وہ میری کیا تھی لیکن مجھے یہ سچ چھپانا ہی تھا سو میں یہ سب چھپا گیا اور سالار جنید اس کے بعد سے گم صم ہو گیا۔ اس کی ساری سیاست دھری کی دھری رہ گئی میری فوٹو گرافی میرا تجربہ سب کچھ جیسے وہ اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ میں بہت بیمار رہنے لگا تھا لیکن مجھے میرے بابا بھی دیکھنے نہیں آتے تھے اس لمحے میں سوچتا تھا کیا واقعی میرا دنیا میں کوئی رشتہ جینے کا کوئی سبب ہے تو عمار کی تصویر خفگی سے مجھے گھورنے لگتی۔

''چاچو میرے ہوتے ہوئے یہ بات۔'' اور بس میں خود کو سنبھالتا رہتا بابا منصوری سے جو میرا دوست ہی نہیں بابا کے دوست کا بیٹا بھی تھا ہر دوسرے دن میری خیریت پوچھتے ان دنوں میرا دل چاہتا میں بابا سے خوب لڑوں کیا میں اتنا غیر اہم تھا کہ بابا مجھ سے میرے متعلق بھی کچھ نہیں پوچھنا

چاہتے لیکن ڈیئر فرینڈ گزرنے والے ماہ و سال کی طرف پلٹ کر دیکھتا ہوں تو بابا ہی کو حق پر پاتا ہوں انہیں میں نے دیا ہی کیا ہے صرف دکھ و اذیت۔

لیکن اس کے باوجود میں سوچتا تھا کبھی کبھی کہ کیا واقعی میں اتنا ہی برا تھا یا شاید میری قسمت مجھ سے زیادہ بری نکلی تھی میں تنہا فلیٹ میں رہا کرتا تھا کتنی بار میری طبیعت بگڑی تھی لیکن کوئی نہیں تھا جو مجھے پوچھنے آتا میں نے جو خود ساختہ دوریاں پیدا کرلی تھی۔ ان کے ہوتے ہوئے کوئی آ بھی نہیں سکتا تھا لیکن کوئی آ ہی جاتا تو کیا جاتا دل کو کچھ تسلی رہتی کہ محبت میں واقعی جوابی محبت کی طلب نہیں ہوتی یہ تو بس ہوتی ہے لیکن میرے لیے یہ نرم گوشہ کسی کے دل میں نہیں تھا صرف ایک سالار تھا جو میری تکلیف پر مجھ سے زیادہ تڑپ کر رو دیا کرتا وہ بھی خبطی ہی تھا این جی کی طرح ہر مہینے فریش بلڈ ڈونیٹ کرتا بہت کمزور ہو گیا تھا جاناں کو بہت مس کیا کرتا تھا کہتا تھا۔

''تمہارے پاس آتا ہوں تو تم پر احسان تھوڑی کرتا ہوں تمہارے پاس اپنی غرض لاتی ہے۔'' لمبی سانس کھینچتا پھر کہتا۔

''پہلے این جی تھی مگر صاحب میں اس کے تذکرے سے بچا کرتا تھا مگر اب دل چاہتا ہے کہ دن رات بس اس کا تذکرہ ہو اور کسی کے پاس کہاں فرصت ہے جو میری سنے، بس اس لیے تمہارے پاس چلا آتا ہوں تم سے کہتا ہوں تم سے سنتا ہوں میرے لیے جاناں صرف تمہارے وجود میں سمٹ گئی ہے۔''

میں گیلی آنکھیں جھکا لیتا، پتا نہیں کیوں، لیکن مجھے لگتا تھا جیسے اب بھی میرا دل میری آنکھوں میں دھڑکتا ہے وہ موم کی لڑکی منوں مٹی تلے جا سوئی تھی لیکن میرا دل پھر بھی میری آنکھوں میں تھا شاید شاید اس لیے کہ وہ محبت تھی اور محبت مرا نہیں کرتی اس وقت تک تو بالکل نہیں جب تک آپ زندہ ہوں، سو میں بھی اسے محسوس کیا کرتا پھر اچانک ایک دن سالار کا روڈ ایکسیڈنٹ ہو گیا اس کی گاڑی ایک ٹرالر سے ٹکرا گئی اسے ہاسپٹل لے جایا گیا میں وہاں پہنچا تو ڈاکٹر اسے آخری طبی امداد دے رہے تھے اور وہ میرا ہاتھ تھامے صرف اس لیے خوفزدہ تھا کہ اس کے مرنے کے بعد میرے لیے خون کہاں سے مہیا ہوگا؟

''صاحب میں مجبور ہوں این جی سے ملنے کی تمنا بھی ہے لیکن تمہارے لیے سوچتا ہوں تو جان اٹکی چلی جاتی ہے۔''

میں نے کچھ کہا نہیں اس کے ہاتھ پر ہولے سے ہاتھ رکھ دیا۔

''سوری صاحب۔'' یہ اس کے آخری الفاظ تھے اور وہ میری محبت کو چھوڑ کر جاناں کی طرف پلٹ گیا تھا اور یہ تو تم جانتی ہی ہو وہ لڑکی واقعی کتنی حیرت انگیز لڑکی تھی وہ ہر لمحے ہر شخص کو سحر سے جس طرح چاہتی جکڑ لیتی سالار بھی اس سحر میں جکڑا چلا گیا اور میں تنہا کھڑا اسے آوازیں دیتا رہ گیا سامنے سمندر سے جو جہاز روانہ ہوا تھا اس کے مسافروں نے یہ ساحل چھوڑ دیا تھا مگر ایک اور بھی تو ساحل تھا جہاں ان مسافروں کو بہت سے شناسا چہرے لینے آئے تھے اور ان چہروں میں دمکتا ہوا چہرہ جاناں کے سوا کس کا ہو سکتا ہے اور بس یہی خیال ہے جو مجھے اداس رکھتا ہے میں جاناں کو آسودہ چہرے کے ساتھ دیکھنے کا تمنائی ہوں لیکن وقت گزرتا ہی نہیں ہے۔''

صفحہ ختم ہو گیا پھر آگے مختصراً لکھا تھا۔

''ڈاکٹر منصوری کہتا ہے فرض کرو تم مرنے لگو تو تمہیں کس کا چہرہ دیکھنے کی خواہش ہوگی۔''

تو میں نے برملا سوچے بنا کہہ دیا "میرا جواب ہوگا صرف عمار اور بس عمار میں آخری عکس اس کا جذب کرنا چاہتا ہوں کہ ایک اس لڑکے ہی نے تو مجھے محبت کی مدھ چھکائی ہے۔"

کچھ پیراگراف خالی تھے پھر لکھا تھا۔

"اور اب مسلسل گھنٹی بجتی چلی جارہی ہے موسٹ فرینڈ کوئی ہے جو اعلان کررہا ہے صاحب حسن حاضر ہو اور میرے اندر روح پھڑ پھڑانے لگتی ہے اس صدا پر۔ منصوری کہتا ہے میں بہت لاپرواہ ہوگیا ہوں اپنی طرف سے اور میں کہتا ہوں جو وقت گزر رہا ہے مجھ پر گراں گزرتا ہے نہ مجھے کسی کام کی حاجت ہے نہ میرے اندر کوئی طلب، پچھلے مہینے بھی میں نے وقت پر منصوری سے رابطہ نہیں کیا تھا اس بار پھر یہی ہوگیا ہے گھر اور ان لوگوں میں واپس لوٹا ہوں تو تشنگی کو واقعی ایسا قرار مل گیا ہے کہ دل چاہتا ہے کہ لمحے یہیں ٹھہر جائیں لمحے نہ ٹھہریں تو دل یہیں ٹھہر جائے۔

کس قدر خوش کن احساس ہے بابا کی محبت کا، بڑے بھیا، منجھلے بھیا کی محبتوں کا جو رنگ ہے احساس دلاتا ہے میں اہم ہوں میں جو ساری عمر اہم ہونے کے لیے جنگ لڑتا رہا اور اب بنا کسی ڈوئل کے اہم بن گیا ہوں تو یقین نہیں آتا کہ واقعی ایسا ہو بھی سکتا ہے۔"

ڈائری اس کے بعد بالکل خالی تھی میں نے ڈائری گود میں رکھ کر آنکھیں موند لیں آنسو رخسار پر بکھر گئے تھے چاچو کی تنہائی کو ظاہر کرتا ایک ایک لفظ دل میں بیٹھ گیا تھا میں اس احساس تشنگی سے دامن چھڑانا چاہتا تھا آنکھ لگ گئی پھر میں خود نہیں جاگا تھا کوئی تھا جو میرے قریب بیٹھا رو رہا تھا میں نے ہڑبڑا کر سامنے دیکھا اور دادو چاچو کی ڈائری پر سر رکھے روئے جارہے تھے۔

"دادو آپ۔" میرے حلق میں الفاظ اٹکنے لگے اور وہ بھرائے لہجے میں ضبط گریہ سے بے حال پکارے۔

"بہت ایمانداری سے گزاری میں نے ساری زندگی جھیل گیا سختیاں جھیلیں مگر کبھی سچ اور امانت داری کو نہ چھوڑا مگر یہ لڑکا یہ لڑکا سدا سے میری جان کا روگ رہا۔ عمر بھر ستاتا رہا اور اب......اب عمر کے اس آخری حصے میں مجھے اس نے چور بھی بنادیا......"

"دادو آر یو آل رائٹ۔"

"نہیں میں ہوش میں نہیں ہوں، میرے ہوش حواس تو لے گیا ہے وہ اپنے ساتھ، میں تو خالی خولی ڈبہ بن گیا ہوں اب میرے اندر محبت بجتی رہتی ہے سکے کی طرح چھن چھن مگر اس کا کاسہ کہاں ہے اس کا کاسہ بدست دل کہاں۔"

وہ لحہ بھر رکو کے پھر بولے

"جب تو سو جاتا تھا میں یہ ڈائری اٹھا کر لے جاتا تھا مجھے اس میں لکھی کہانی سے نہیں بس اس کہانی کو لکھنے والے سے سروکار تھا عمار اسے پڑھتے ہوئے یوں نہیں لگتا جیسے......جیسے ہر لفظ خود صاحب کی صورت میں ڈھل کر کھڑا ہو تھکا درماندہ سا۔"

میں نے کچھ نہیں کہا بس اپنے کمرے میں دادو کے کمرے سے دروازے کو دیکھتا رہا اسی کی وجہ سے تو یہ سب ہوا تھا اور دادو میرے کاندھے سے لگ کر رونے لگے چاچو کا فقرہ گونجا۔

"میں ایک جیتا جاگتا انسان بھی تو تھا میں صرف کاندھا تو نہیں ہوں۔"

مگر مجھے تو چاچو کا پرتو بننے کا کریز ہے سو میں ضبط سے دادو کو دلاسا دیتا رہا اگر ان کی طرح میں بھی رونے لگتا تو کون تسلی دیتا دوسرے دن کی شام کے سائے پھیل رہے تھے سو میں نے آتشدان کی بجھی ہوئی راکھ کریدی دادو نے خوف سے دیکھا۔

''کیا کرو گے عمار کیا یہ ڈائری۔''

''ہاں دادو یہی کروں گا، چاچو کی یہی آرزو تھی۔'' میں نے آگ دوبارہ سے دہکا دی پھر لکڑیوں کے نیچے ڈائریاں ترتیب سے رکھ دیں دھواں اور دھانس ایسا اڑا کہ ممی پریشان ہو کر کمرے میں چلی آئیں۔

''کیا جلا دیا عمار۔''

''کچھ نہیں ممی بے کار کاغذات تھے۔'' حلق میں پھندا سا پڑا لکڑیوں کے درمیان ڈائریاں رکھی تھیں پھر وہ ڈائریاں دل بن کر دھڑکنے لگیں لفظ جونہی جل جل کر راکھ ہونے لگے تو میرے اندر آہ و فغان کا طوفان مچ گیا گھبرا کر میں نے کھڑکی کھول لی سامنے ہی سرمئی شام ڈھل رہی تھی ڈھیروں بادل تھے بس میں نے یونہی پکارا۔

''سنو چاچو سے پوچھنا کیا ہر محبت کرنے والے کی آنکھ میں اس کا دل ہوتا ہے؟''

سرمئی شام ہنس پڑی۔

''صرف آنکھ میں؟ محبت کرنے والا تو خود دل ہوتا ہے تیزی سے دھڑکتا ہوا دل۔''

میں نے پلٹ کر دیکھا تیزی سے دھڑکتا دل آگ میں جل رہا تھا میں دوڑ کے آتشدان کے قریب پہنچا تا کہ جلتے دل پر محبت کی برکھا برسا کر اسے ٹھنڈا کر دوں مگر دل مکمل جل چکا تھا اور شاید یہی اس کا مقسوم یہی اس کا اجر تھا۔ آج سے نہیں صدیوں پہلے سے اور شاید ہمیشہ کے لیے۔

❀❀❀

چلو تم کو بتاتے ہیں

پتا نہیں انہیں شعیب منصوری سے کیا بیر تھا مگر یہ ہوا تھا کہ جب بھی کوئی شعیب منصوری کا نام لیتا، ان دونوں ہی کا منہ کڑوا ہو جاتا۔ بظاہر وہ نہ ان کا دوست تھا نہ کزن، نا ہی دشمن لیکن جہاں کہیں شعیب کا گزر ہونے کا امکان بھی ہوتا ان کے خون میں حدت بڑھ جاتی۔

''آخر کیا ہے یہ شعیب منصوری، جب سے یہاں آیا ہے ناک ہی میں دم آ گیا ہے۔ شعیب ایسا لڑکا ہے۔ شعیب ویسا لڑکا ہے۔ اتنا ذہین، اتنا محنتی، اتنا یہ۔ میں تو کہتا ہوں سب بچوں کو شعیب منصوری جیسا ہونا چاہیے۔ بھلا بتائیے۔ والد صاحب کی اس بات میں کوئی دم ہے۔''

وہ کتنی دیر سے ٹہل ٹہل کر اپنا ابال نکال رہا تھا مگر قرار نہیں آ تا تھا کہ کیا کر گزرے۔ سو حمید آفاقی کے سامنے بلاسٹ ہو ہی گیا۔

''کول ڈاؤن، نیا نیا بندہ ہے اس لیے یہاں فلیٹوں کے سارے پریشان حال والدین کو اپنے خوابوں کا پرتو لگنے کی وجہ سے مارکس سمیٹ رہا ہے، تو میری جان! اسے یہ تعریف سمیٹ لینے دو۔ ویسے تم بتاؤ چاندنی کتنے دن کی ہوتی ہے؟''

اس نے کھڑکی کھول کر جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالتے ہوئے سوال کیا اور حمید آفاقی کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

''یقیناً چار دن کی لیکن چار دن کے بعد کیا ہوگا؟'' سگریٹ کو لائٹر سے جلاتے ہوئے بے صبری سے پوچھا اور سلمان نعیم مسکرانے لگا۔

''کیا ہونا ہے شعیب منصوری پرانی بات ہو جائے گا پھر لوگوں کو اس کی خوبیوں میں بھی خامیاں دکھائی دینے لگیں گی۔ اس کا یہ جو اچھے پن کا ملمع ہے نا یہ اتر جائے گا اور سب کہیں گے، ہمارے بچے بھی کچھ اتنے برے نہیں۔''

''یعنی تم کہنا چاہتے ہو، وہ ہماری کم خامیوں کو بھی خوبیاں جان کر ہمیں دل و جان سے لگا لیں گے۔'' انداز بالکل فلمی میلے میں گم ہونے والے بچے کا تھا، سو سلمان نعیم کو ہنسی آنا فطری بات تھی۔

''یہ تم مسکرا کیوں رہے ہو؟'' گہرا کش لے کر کھڑکی سے باہر دھواں چھوڑا۔ دونوں کی یہ سگریٹ نوشی کی عادت ایسے ہی باہمی اتفاق اور اتحاد کا شاخسانہ تھی۔ دونوں ایک دوسرے کا پردہ تھے۔ ایک کے چہرے سے اترتا تو دوسرا خود بخود روشنی میں......اس لیے دونوں بڑی مضبوطی سے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ اسکول لائف سے لے کر اب ایم اے پریوس تک دونوں کا ساتھ تھا۔ دونوں کے عزائم سسٹم پر غصہ، والدین کی ناعاقبت اندیش قسم کی تربیت اور اس تربیت کے مسموم قسم کے نتائج، کم آمدنی اور بڑھی ہوئی ضرورتیں ان سب نے دونوں کو فرسٹریٹ کر دیا تھا اور یہیں سے سلمان نعیم نے اسموکنگ شروع کی تھی۔ صرف چھوٹی بہن اس عادت سے واقف تھی، ہوسکتا ہے ماں بھی واقف ہوں مگر طرح دے جاتی ہوں۔ ان دونوں کا خیال تھا راوی یقیناً ان کے لیے اچھا ہی لکھ رہا ہے یا شاید اگلے پل لکھ ہی دینے والا ہے۔ مگر برا ہو شعیب منصوری کا، اچانک ان کی ننھی سی زندگی میں داخل ہو کر بھونچال بن گیا۔ سب والدین یہ چاہنے لگے کہ ان کے سپوت شعیب منصوری جیسا مستقبل اور حال اختیار رکھیں۔

"یہ کیسے ممکن ہے میں شعیب منصوری نہیں بن سکتا۔" بہت سی آوازیں اٹھیں اور دب گئیں مگر یہ دونوں سدا کے باغی ٹھہرے فوراً کمر باندھ کر اس کے سامنے آ گئے۔ دونوں کا خیال تھا کوئی غلطی، کوئی خامی ہاتھ لگے تو وہ ہوا ہو جائیں اور پھر لفظوں کی پھلجھڑیاں، رنگین واقعات کے بیل بوٹے کاڑھنا کیا مشکل...... بقول حمید آفاقی وہ اپنی ماں کا توان ون چائلڈ ہے جو بیک وقت بیٹی کے فرائض منصبی بھی ادا کر سکتا ہے۔ سو بیل بوٹے بھی آڑے ترچھے وہ بنا ہی سکتا ہے۔

مگر بس تقدیر یاور نہیں تھی۔ شعیب منصوری ایک لیے دیے رہنے والا انسان تھا۔ ہاں یہ تھا کہ وہ اتنا ریزرو رہنے کے باوجود ہر اک کی خبر بہت اچھی رکھتا تھا۔ کسی بھی معاملے میں وہ پیچھے نہیں ہوتا تھا۔ کس کو کیا ضرورت ہے اور کب، وہ فوراً دستیاب ہوتا تھا۔ سلمان نعیم اسے ریسکیو نائن ون ون کہتا تھا مگر یہ سب اس کے پیٹھ پیچھے ہوتا تھا۔ اس کے سامنے تو دونوں کی بولتی بند ہوتی تھی بس آنکھیں بولتی تھیں یا روح سازشوں کے تانے بانے بنتی رہتی تھی۔ مگر یہ اور بات اس کی کسی بات سے کسی کو اختلاف کم ہی ہوتا تھا ورنہ بات کو رائی سے پہاڑ کیسے بنایا جاتا ہے، یہ حمید آفاقی کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ یہ اور بات کہ اس کو ابھی میدان صاف نہیں مل رہا تھا۔

"آخر شعیب منصوری کا ہوا ہماری جانوں سے کیسے دور ہوگا؟"

"اگر جان رہی تو یہ سوچنا، اطلاعاً عرض ہے بابا جان نے سیڑھیاں چڑھنا شروع کر دی ہیں۔"

"عصمہ نے سچی محسن ہونے کا ثبوت دیا تھا۔ سو سلمان نعیم اور حمید آفاقی دونوں کمرے میں جان توڑ کوشش کے باوجود رہ جانے والے دھوئیں کو بھگا رہے تھے اور عصمہ پرفیوم چھڑک کر سگریٹ کی مخصوص بو کو دور کرنے کی جتن میں تھی کہ ماحول سازگار تھا، جب بابا جان نے دروازہ پر دستک دی۔ دونوں نصابی کتابیں بکھیر کر بیٹھ چکے تھے اور عصمہ کمپیوٹر آن کر چکی تھی۔

"اچھا تو پڑھا جا رہا ہے۔" مسکراہٹ دل آویز تھی۔ سلمان نعیم بابا کی مسکراہٹ پر تو جان نچھاور کرنے پر ہمیشہ تیار و آمادہ رہتا تھا مگر حرکتیں...... اس کی حرکتیں اس کا موقع کم ہی لاتیں اور بابا جان کے ہونٹ اس کی معصوم حرکتوں پر بقول خود اس کے، ان کے ہونٹ یا تو جھنجلاہٹ سے بھنچے رہتے یا غصے سے کھنچے رہتے۔ کھلنے کا موقع کہیں دور کھویا رہتا اور یہ سراسر اس کی قسمت کی خرابی کا سانحہ تھا ورنہ اتنا بھی برا بچہ نہیں تھا بغیر سائیلنسر کی بائیک دوڑائے پھرنا۔ اسکرپچر نکالنا، بھدی سی جینز اور ٹی شرٹ اور بڑھے ہوئے شیو کے رف حلیے پر تو لڑکیاں مرتی تھیں۔ بس بابا جان کو غصہ آ جاتا تھا۔ آخر وہ ایک انتہائی نفیس قسم کا مزاج رکھنے والے پروفیسر جو تھے۔

"کیا پڑھا جا رہا ہے؟" وہ اندر ہی چلے آئے تھے۔ دونوں کا دم حلق میں اٹک گیا۔

"غالب پڑھا جا رہا ہے۔" بابا جان کا پسندیدہ موضوع تھا غالب، سو موقعہ دیکھ کر ہاتھ مارا تھا سلمان نعیم نے۔ عصمہ کے وجود میں جنبش تھی، یقیناً وہ ہنس رہی تھی۔

حمید آفاقی نے اس کی پشت کو گھورا اور سلمان نعیم کی خیریت سے ہراساں نظر آنے لگا۔ امتحان قریب تھے مگر سلمان نعیم نے کتابیں کھول کر دیکھی تک نہیں تھیں۔

''کتابوں کو بہت احتیاط سے پڑھتے ہو؟'' بابا نے کتاب ہاتھ میں لے کر پہلا ریما کس پاس کیا۔ سلمان نعیم مسکین نظر آنے لگا۔

''دراصل انکل! یہ اپنا سلمان کہتا ہے جو کتابوں کی عزت نہ کر سکے۔ وہ کسی کی نہ عزت کرنا سیکھتا ہے اور نہ کوئی اس کی عزت کرتا ہے۔''

''اچھا یہ سلمان صاحب اس انداز میں کب سے سوچنے لگے ہیں۔''

''بابا! اب میں اتنا بھی برا نہیں ہوں۔'' اس نے اترانے کی کوشش کی یا شاید اکلوتے ہونے کا مان لیا اور بابا کی محبت بھری آنکھیں اس پر آ ٹکیں۔

''یہ میں نے کب کہا کہ تم خدانخواستہ برے ہو۔ تم میرے بیٹے ہو نعیم الحسان کے بیٹے۔ تمہارے باپ کے ساتھ ان کے ماں باپ کی دعائیں ہیں پھر تم کیسے غلط راستے پر جا سکتے ہو، جب کہ دعائیں مسلسل سفر اختیار رکھتی ہیں۔ یہ بھی میرے ماں باپ تھے تو آج یہ دعائیں تمہارے لیے ماں باپ کا سایہ ہیں پھر وہ رحم کرنے والا کیسے رحم نہیں کرے گا۔''

سلمان نعیم کے اندر شرمندگی اترنے لگی۔ بابا سے ہر بار کی نشست ایک نئی شرمندگی کی لہر بنتی تھی لیکن سمندر کی تیز لہر کی طرح جس طرح یہ لہر اٹھتی اسی طرح بیٹھ جاتی تھی، پلٹ جاتی تھیں۔

''مجھے تم سے بہت سی توقعات ہیں سلمان! میں تمہیں کسی بہت اچھے عہدے پر دیکھنے کا شاید اتنا تمنائی نہیں جتنا ایک اچھا انسان بنتے دیکھنے کا خواہش مند ہوں۔ اچھی اولاد صدقہ جاریہ ہے اور میں چاہتا ہوں، میرے گھر سے یہ صدقہ جاریہ ایک مسلسل عمل کی صورت ہوتا رہے اور اس گھر میں کبھی ہو حق نہ ہو۔ ایسی ہو حق جو بڑے محلوں، شاندار حویلیوں میں کج کلاہی کا سورج ڈوبنے کے بعد اترتی ہے۔ کوئی سائل ان کے دروازے پر آنا پسند نہیں کرتا۔ ان سے مانگنا پسند نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ خیرات میں بھی انہیں کوئی نیکی تک دینا گوارہ نہیں کرتا۔ میں بس چاہتا ہوں تم ایسا گھر نہ بنو، تمہارے گھر میں ہمیشہ دعائیں ہوں اور نیکی تمہارے سفر کا زادراہ۔''

وہ اب اس کا کاندھا تھپتھپانے لگے تھے۔ وہ مکمل موم ہو کر ان کے قدموں میں گرنے والا تھا، جب امی نے کمرے کی دہلیز پر آ کر ان کا سب سے ناپسندیدہ نام لیا۔

''باہر شعیب بیٹھا آپ کا انتظار کر رہا ہے، انٹر کام پر اس نے بتایا ہے آپ سے اس کی میٹنگ طے تھی۔''

''ہاں...... ہاں، مجھے آج اس کے ساتھ ایک بک فیئر میں جانا تھا۔ سلمان تم چلو گے۔''

حمید آفاقی نے کہنی ماری۔ بات اقرار کی تھی۔ سو وہ فوراً تیار ہو گیا۔

''بابا! ہم اپنی گاڑی میں چلیں گے نا؟'' وہ سیڑھیاں اترتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ حمید آفاقی نے یہ سوال کرنے کے لیے اُکسایا تھا، بابا لمحہ بھر کو رکے تھے پھر گویا ہوئے تھے۔

''میں نے کہا تھا مگر وہ کہہ رہا تھا آج کی شام اس کے ساتھ اس کی محبت کے حق کے طور پر گزاری جائے گی یعنی ٹوٹلی وہ ہمارا میزبان ہو گا۔ آج سیٹر ڈے بھی ہے اس لیے وہ کل بالکل فارغ ہے۔ سو آج کو وہ خوب انجوائے کرنا چاہتا ہے۔''

''انجوائے، ہونہہ کتابوں کے ساتھ انجوائے...... کتابی کیڑا بابا کو پڑھا کو بن کر رام کرنا چاہتا ہے۔ لیکن بابا کوئی منسٹر چیف منسٹر تو نہیں ہیں جو اس کا کوئی کام نکل سکے گا اس بھاگ دوڑ سے۔ اونہہ یقیناً کسی عزیز کا بابا کی یونیورسٹی میں ایڈمیشن کرانا ہوگا تب ہی اتنے پاپڑ بیل رہا ہے۔''

اس نے سوال کو پہلی ہی سانس میں دم گھونٹ کر مار دیا اور تنقید نگار کی طرح بابا کے ہمراہ قدم گنتا چلا گیا۔ وہ اپنی ریڈ نسان پیٹرول کے ساتھ ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ براؤن سوٹ میں اس کا گندمی رنگ بے حد کھل رہا تھا، سیاہ سلکی بال طریقے سے سیٹ تھے مگر پھر بھی کچھ بال پیشانی پر آ کر ٹھہر گئے تھے۔ بڑی بڑی سیاہ غلافی آنکھیں اس کے چہرے کی واحد جان تھیں۔

''آپ دونوں بھی چلیں گے۔'' شعیب نے پوچھا تو جھنکا فطری امر تھا۔ وہ بہت بچی تھا اپنی ذات کے حوالے سے، اور اماں کا یہی خیال تھا وہ اپنے بارے میں ہی زیادہ سوچتا اس لیے زندگی میں کسی اور کی طرف دیکھنا، اس کے دل کی کرنا اس پر حرام تھا۔ وہ اسے خود پسند انسان کہتی تھیں جو غرور اور انا کے تڑکے سے اور بھی زیادہ زہر ہو گیا تھا۔

''آپ کو اگر ناپسند ہے تو ہم نہیں جا رہے، شاید آپ کو نہیں معلوم ہم دونوں بہت عدیم الفرصت رہتے ہیں۔''

اس نے چونکنے کی شاندار اداکاری کی۔ حمید آفاقی کا یہ خیال تھا مگر وہ اپنا جملہ کہہ کر جواب سنے بغیر بابا سے رائٹرز کے بارے میں بات کرنے لگا تھا۔ وہ دونوں اندر ہی اندر تن فن کرنے لگے تھے۔

''چلئے آ گئے ہیں تو بیٹھ جائیے۔ میری جیپ میں کافی گنجائش ہے۔'' تلوؤں سے لگ کر سر پر بجھنے والی بات ہو گئی تھی مگر بابا ہنوز مسکرائے جا رہے تھے۔

''بابا! مجھے کچھ نوٹس بنانے ہیں۔ شاید میں آپ کے پروگرام میں شامل نہ ہو سکوں۔''

''بکومت مجھے پتا ہے کیا کرنا ہے تم دونوں کو، چلو میرے ساتھ کچھ اچھی کتابیں ہی خرید لینا۔'' وہ ناچار سمٹ کر بیٹھ گئے مگر موڈ دونوں کا ہی آف ہو چکا تھا۔

''انکل کیا یہ ڈبل او سیون کی ٹیم ہمیشہ اتنی ہی خاموش رہتی ہے؟''

دونوں نے تیز نظروں سے مرر میں اسے گھور کر دیکھا اور اس کے شریر ہونٹوں کی شریر مسکراہٹ انہیں مزید سلگا گئی۔ گاڑی میں نیرہ نور کی آواز گونج رہی تھی اور بابا اس کے سوال کا ان کے حسابوں نامعقول سا جواب دے کر میلوڈیز۔ آواز پر رائے کا اظہار کرنے لگے تھے۔

''ہم دونوں اس وقت کتنے غیر ضروری لگ رہے ہیں نا؟''

''یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے، مجھے تو لگتا ہے مجھے کسی نے بندی بنا کر رکھ دیا ہے۔''

''بندی نہیں بندہ بنا کر رکھا ہے غلط مت بولو۔'' سلمان نعیم کی اردو دانی سے حمید آفاقی کو چکر آنے لگے۔

''واقعی اردو ایم اے کلیئر کرنا کتنا دشوار لگتا ہے تمہیں دیکھ کر۔''

''یہ کیا بات ہوئی......'' سلمان نعیم نے گھورا، مگر وہ بندی کی صحیح لغت اور ترجمے سے بچ کر اسے دوسری باتوں میں لگا گیا اور یہ باتیں شوبز

کی تازہ ترین خبروں کے علاوہ کیا ہو سکتی تھیں۔

بابا اور وہ ادق قسم کے ادبی مسئلے حل کر رہے تھے جب وہ بک فیئر شاپ کے سامنے رکے۔

''آج کا دن خاص یوں بھی ہے کہ یہاں ادبی شخصیات کے آنے کا بھی امکان ہے۔''

شعیب نے بابا کے لیے دروازہ کھولا، یہ خاص فرزندانہ عادت انہیں یاد ہی نہ آئی اور بابا کی نظر میں اس کی قدر کچھ اور بڑھ گئی۔

''تم بہت مہذب اور نہایت پیارے بچے ہو۔''

وہ مسکرانے لگا اور ان کی مسکراہٹ زہر ہو گئی۔ وہ اندر داخل ہو چکے تھے۔ بابا اپنے یونیورسٹی کولیگز، شاعر حضرات سے ملنے لگے تھے اور وہ دونوں ساتھ ساتھ دائیں بائیں یونہی گھوم رہے تھے۔

''شبو رانی!'' یکدم حمید آفاقی نے ناول کی طرف ہاتھ بڑھایا اور وہ سامنے کھڑا پھر سے مسکرانے لگا۔

''آپ ابھی تک یہ ناول پڑھتے ہیں۔'' گھڑوں پانی پڑنے والی بات تھی مگر یہ حمید آفاقی تھا سو پروں پر پانی پڑنے دینے والا نہیں تھا فوراً ڈٹ گیا تھا۔

''میں عصمہ کے لیے دیکھ رہا تھا یہ لڑکیوں والے ناول تو اسی کے حسابوں لکھے جاتے ہیں۔ جن سے وہ اچھی طرح انٹرٹین ہو جاتی ہیں۔''

''حالانکہ عصمہ وہ بچی ہے جو آپ دونوں سے زیادہ ذمہ دار اور نہایت بردبار دکھائی دیتی ہے۔''

''کیا مطلب خواتین کے ناول پڑھنا قطعی بچکانہ کام ہے۔''

''نہیں آج کل کی لڑکیاں کچھ اچھا لکھ رہی ہیں۔ صرف ان خواتینی ناول کی بات کر رہا ہوں جن میں انگلی پر آنچل لپیٹتی لڑکی اور لمبے اونچے خوبرو ہیرو کے سوا کچھ برآمد نہیں ہوتا۔ میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے اور لڑکیاں محبت میں اور نہا کر چغد ہو جاتی ہیں۔''

''آپ کو کیسے معلوم محبت میں انسان چغد ہو جاتا ہے''

''تمہاری شکل دیکھ کر اندازہ لگایا ہے، ویسے ماریہ اچھی لڑکی ہے۔''

سلمان نعیم ہونق ہو گیا اور وہ ہنسنے لگا۔

''آپ بھوت تو نہیں ہیں۔''

''بس میں اپنے قدم زمین پر مضبوط رکھتا ہوں اس لیے ناکام نہیں رہتا۔'' مسمریزنگ ریزان کے اطراف گھیرا تنگ کرنے لگی تھی۔

''آپ کو کون سا رائٹر پسند ہے؟'' حمید آفاقی نے ''مہر دو نیم'' اٹھا کر سوال کیا اور وہ سوچنے لگا پھر کچھ سیکنڈ بعد بولا۔

''ہر وہ رائٹر جو سچ لکھے، جس کے افسانے کا ہر لفظ پڑھ کر آپ کو محسوس ہو جو تلخی ان لفظوں میں رچی ہے۔ زندگی واقعی اس سے زیادہ تلخ ہے۔ ویسے میرے پسندیدہ رائٹرز میں امرتا پریتم، مظہر السلام، ممتاز مفتی، پریم چند، غلام عباس وغیرہ شامل ہیں۔ ان کی تحریروں میں سچائی کی تلخی اور حقیقت کا زہر بھرا ہوتا تھا بقول امرتا پریتم ایک اچھے ادیب کی ایمانداری یہ ہے کہ اس کا لکھا ہوا بے خوف ہو کر بھونک سکے۔''

''ادیب اور بھونکنا...... کچھ بچ نہیں رہا۔''

وہ دونوں غیر شعوری طور پر اس سے بحث کرنے لگے اور وہ دیوار سے ٹیک لگا کر بولا۔

''ادیب کی سچائی کا تمغہ ہے کہ وہ نیا ہو کر فرمائے نہیں۔ بلکہ اندھیرے میں کھڑے ہو کر تیز آواز میں اندھیرے پر بحث کرے۔ بند گلی میں کسی بے نام موت سے لوگوں کو بچائے ایک فلاسفر کے بقول اندھیرا حد سے بڑھ جائے تو گلی کا کتا بھی باہر کے کتوں سے مل کر ساز باز کر لیتا ہے۔ اپنی زمین پر، اپنی ایمانداری پر، حب الوطنی پر پھر وہ باہر نہیں بھونکتا، اپنے لوگوں پر چڑھ دوڑتا ہے اور کڑوا سچ لکھنے والا ہی بے خوف ہو کر سودے بازی کیے بغیر بے ایمانی پر بھونک سکتا ہے، اسے بدل سکنے کی جنگ لڑ سکتا ہے۔''

وہ دونوں خاموش ہو گئے تھے، حمیدہ آفاقی نے مہر دو نیم اور سلمان نعیم نے ماریہ کی پسندیدہ جاناں جاناں، بازیافت خریدی تھیں۔

وہ انہیں دیکھ کر مسکرانے لگا تھا۔

''پرائمری اسٹیج میں یہ کتابیں بہت زیادہ اچھی لگتی ہیں۔ مگر کوشش کرو جلدی یہ اسٹیج پھلانگ لو، انکل کو تم سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔''

وہ دونوں بور سے ہونے لگے اور وہ آگے بڑھ کر بابا کے ساتھ اچھی کتاب اور بہت اچھی کتاب کا معرکہ لڑ کر کتابیں منتخب کرنے لگا۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ گھومتے رہے پھر گھر آئے تو بابا کچھ اچھے ناولز اس کے ٹیبل پر رکھ کر چلے گئے تھے۔ قرۃ العین حیدر، بانو قدسیہ وہ ناولز کی ضخامت دیکھ کر ہی بے ہوش ہونے لگا تھا۔

''یہ لوگ اتنی طویل چیزیں پڑھ کیسے لیتے ہیں۔؟'' اس نے قرۃ العین کا ناول اٹھایا۔ دو صفحے پڑھے اور دھماکے سے کتاب بند کر دی۔

''پتا نہیں کون اسے...... بڑا ناول نگار مانتا ہے مجھے تو اس کے کسی فقرے نے متوجہ نہیں کیا۔ رپورتاژ جیسی کچھ خلجانی کیفیت میں لفظ ایک دوسرے کے پیچھے دوڑ رہے ہیں جیسے کہانی بھاگ رہی ہو۔''

شام گئے بغیر کسی خواہش کے شعیب منصوری کے سامنے دل کا حال اگل دیا اور وہ ہنسنے لگا۔

''تم کہانی پڑھو یا شاعری تم یہ کیوں چاہتے ہو، ہر لفظ تمہیں کہانی خود بتا دے۔ تمہارا وے آف تھنکنگ ہی غلط ہے۔''

اسے تو شعلہ جوالہ بن ہی جانا چاہیے تھا۔ اس کا مزاج تھا مگر وہ ٹھنڈے دل سے اسے دیکھے گیا۔ ''آپ کی اس بات کا کیا مطلب نکالوں میں۔''

وہ گھوم کر اس کے سامنے کرسی پر آن بیٹھا پھر مدھم ہو کر بولا۔

''سیدھی سی بات ہے، تم لفظوں سے مت کہو ہمیں کہانی دو، ہمیں کیفیت سمجھاؤ، کہانی اور کیفیت تو الہامی چیز ہیں۔ یہ ہمارے دل میں ہوتی ہیں۔ کوئی نا کوئی زندگی تو ہم سب ہی گزار رہے ہوتے ہیں نا اچھے واقعات سے پُر یا اور خوشیوں سے قطعی مجرد۔ مگر ہر انسان کے دل میں کہانی ہوتی ہے۔ وجدانی کیفیت ہوتی ہے جو خود بخود لفظوں کے اندر بیٹھے دم سادھے دکھ کو کھوج لیتی ہے یا غم کا بگل مارے شرارت سے بھس بھری خوشیوں کو چھو آتی ہے۔ تم صبا کی طرح چھو آنا سیکھو، لفظوں کے ساتھ خود کو بہنے دو، تمہارا دل تمہیں خود کہانی سمجھا دے گا۔ تمہارا وجدان خود کیفیت بن کر تمہارے دل پر کن من کن من برسے گا۔ پھر تمہیں لگے گا تمہیں کہانی کے پیچھے نہیں دوڑنا پڑ رہا، بلکہ تم خود کہانی کے اندر سانس لیتی زندگی ہو جو کہانی کو بڑھاوا دیتی

ہے۔تم خود ایک واقعہ ہو جو کہانی کی بُنت کرتا ہے۔تم خود پنچ لائن ہو جو کہانی کو معنی خیز اختتام دیتی ہے۔تم اس طرح پڑھو۔تم اسے سیکھنے کے خیال سے بھی مت پڑھو،اس طرح تم ایکسٹرا اوڈنری قسم کی اٹینشن سے کہانی سے پہلے ہی تھک جاؤ گے۔تم ایک سادھو بن کر کہانی کو پڑھو جسے لینے دینے کا لالچ نہیں ہوتا،بس جو مرضی جو من چاہے ہاتھ سے دان کردے وہ تمہارے کاسے کا نصیب۔تمہیں پتا ہے اس طرح تمہارے اندر صبر پیدا ہوتا ہے۔ پورے کا پورا دے دینے کا ہنر کمال کو پہنچتا ہے اور تم کچھ اچھا حاصل کر لینے والے بنتے ہو۔تمہارے اندر اور باہر کوئی تضاد نہیں ہوتا،تم دنیا کو خوش رکھنے کے لیے اپنے آپ کو ناخوش رکھنا چھوڑ دیتے ہو بلکہ تم دنیا کو اپنے اندر کی وہ خوشی دان کرتے ہو جو خود تمہارے لیے انوکھی نئی اور بالکل غیر متوقع ہوتی ہے۔عام اور غیر متوقع میں چھپی خوشی کو الگ الگ کر سکنا ہی علم ہے۔علم ڈگری نہیں،اچھا رویہ ہے،اچھا انسان ہے۔ضروری نہیں ہر بزنس ٹائیکون کا علم اسے انسان سے انسان کا تعلق بتانے والا ہو،کیونکہ یہ تعلق دلوں کی بات ہے،دلوں کا الہام ہے۔اور یہ الہام محبت کرنے والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اور جسے محبت کرنا محبت سمجھنا آ گیا پھر اس کے لیے دنیا کا کوئی معاملہ دشوار طلب نہیں رہتا۔اُفوہ میں بھی کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔تم بور تو نہیں ہو گئے۔“

وہ شرمندہ نظر آنے لگا اور سلمان نعیم کے اندر حیرتیں دم توڑنے لگیں۔

کسی سے ملے بغیر کسی کو مسترد کر دینا کتنا آسان ہے،مگر انا پرست کا کسی دوسرے انسان کو مان لینا بھی تو بے حد مشکل ہے۔وہ خاموشی سے اٹھ گیا مگر حقیقتاً اسے لگا،وہ اس کے قریب ہی آ دھارہ گیا تھا،پھر یہ ایک ہفتے بعد کی بات تھی جب وہ کسی بڑے بھائی کی طرح اس کے سر پر کھڑا تھا۔

”سگریٹ پینا اچھی بات نہیں ہے۔“ اس نے گھبرا کر ہاتھ پیچھے کر لیا تھا۔

”وہ ایسے ہی چینج کے لیے پی رہا تھا میں،ہمیشہ تو نہیں پیتا۔“

”اچھا میں نے بھی ایسی کوشش تمہاری عمر میں کی تھی،پتا ہے کیا ہوا تھا۔“

وہ ساکت اسے دیکھنے لگا،حمید آفاقی کے بھی چھکے چھوٹ گئے تھے،اور وہ مزے سے پول سے ٹیک لگائے اپنی داستان سنا رہا تھا۔

”پہلا کش لیتے ساتھ ہی میرا اوپر کا سانس اوپر،نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔کھانسی کا وہ دورہ پڑا تھا کہ آنکھیں ابل گئی تھیں،کھانس کھانس کر چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔سانس تیز تیز چلنے لگی تھی مگر میں نے کہا۔”کیا ہے ایسا اس سگریٹ میں جو اسے میں نہیں پی سکتا،پھر میں نے خوب گہرے گہرے کش لیے،اب کی بار حالت پہلے سے کم بری ہوئی تھی۔میں نے کھڑے کھڑے دو سگریٹ ختم کر لیے تھے۔میرا پہلا تجربہ تھا اور میں تجربے کو فطری انداز میں ہونے دینے کا قائل تھا،مگر جب میں نے دوسرا سگریٹ ختم کیا تو مجھے یہ کوئی بہت دھانسو کام نہیں لگا۔بے کار اور بے معنی سا کام جس کا کوئی مقصد نہیں تھا۔ہاں نقصان زیادہ تھا اور مجھے کمزور کردار اور شخصیتیں ہمیشہ بری لگتی تھیں۔سو میں نے کہا۔اس میں کتنا نشہ ہے جو میں اتنا بڑا مرد ہو کر اسے چھوڑ نہیں سکتا،کیا یہ مجھ سے زیادہ طاقت ور ہے۔ایک چھوٹی سی چار انچ کی سگریٹ اور چھ فٹ انسان تقابلی فرق بہت زیادہ تھا پھر میں کیسے ہار سکتا تھا۔میں نے ایک ہفتے اس عادت کو انجوائے کیا پھر ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا۔“

حمید آفاقی اور سلمان نعیم دونوں خاموشی سے اسے دیکھنے لگے،اس نے کتنے آرام سے انہیں شرمندہ اور ذلیل کر دیا تھا۔جھوٹ بولنے پر سرزنش بھی کر دی تھی۔تن فن بھی نہ کر سکے تھے۔پھر اس سے پہلے کہ وہ اپنی ذات کا مزید دفاع کر سکتے،وہ انہیں اپنے بازوؤں کے حصار میں لیے

قریب کے کیفے میں جا بیٹھا۔

''کافی .....'' دونوں نے اسٹرانگ کافی کی فرمائش کی اور وہ ہنسنے لگا۔

''خواتین کی کہانیوں کا دل گیر ہیرو بننے کی ناکام کوشش۔'' ان کے چہرے پر ایک نظر ڈال کر شرارت دکھائی اور حمید آفاقی مسکرانے لگا۔

''بس ویسے ہی جب سے چائے چھوڑی ہے۔ تب سے کافی اپنالی ہے۔''

''اور کیا کیا اپنایا ہے میرے فرسٹریٹ ینگر زنے؟''

''بس وہ سگریٹ پی لیتے ہیں دراصل اگر ہم اپنے اندر کا اینگر اسٹیم سگریٹ کے دھوئیں کے سات باہر نہ نکالیں تو بلاسٹ ہو جائیں یا دہشت گرد بن جائیں۔''

''یعنی یہ فرار کی بچکانہ کوشش ہے، ویسے میری ایک الگ سوچ ہے اس معاملے میں، مسئلہ ہو بے حد الجھا ہوا، دکھ ہو بے حد دل گیر سا تب بھی یہ اسموکنگ ڈرنکنگ یہ ساری چیزیں شو آف پر سائٹی لگتی ہیں یوں جیسے انسان دنیا میں دکھی ہونے کا لیبل لگائے پھرے۔ جو دکھ کو گلے کا ہار بنا لیتے ہیں، وہ کبھی دکھ سے نجات نہیں پاتے۔ دکھ شکل بدل بدل کر ان پر سوار ہوتے رہتے ہیں، انہیں پھر دکھ اتنے بڑے لگتے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں دکھائی نہیں دیتیں، جس لمحے نے آپ کو جتنا بھی آزردہ کیا ہو، یہ بھی تو حقیقت ہے کوئی لمحہ کہیں آپ کے لیے مسکراہٹ جمع کیے ہوئے بھی تو موجود ہے۔ زندگی اور خوشی موجود اور ناموجود، حاضر اور غائب ہی کا تو کھیل ہے جو ہماری نظر سے اوجھل ہے ہم اس کے نا ہونے پر کلستے ہیں اور جو ہمارے پاس ہے چاہے مختصر سا کوئی اچھا دن یا کھلکھلاتی معصوم ہنسی ہم اسے مانتے ہی نہیں اور روٹھے رہتے ہیں۔ سنو جبران کہتا ہے اضطرار کا ہیجان، فرار کے سکون سے بہتر ہے۔ کچھ کر گزرنے اور شکست کھا لینے میں آسان شکست کھا لینا لگتا ہے۔ بندہر کھکھیڑ سے بچ جاتا ہے۔ اسے کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا، مگر میں انسان اسے ہی مانتا ہوں جو کسی مضبوط ٹیک کے نہ ہونے کو اپنی ناکامی کی تسکین بنائے بغیر مضبوط چٹان پر ضربات لگاتا رہے۔ یہاں تک کہ راستہ نکلتا چلا جائے، پیچھے آنے والوں کے لیے سہولت اور عزم مصمم کی تاریخ چھوڑ جائے، تاریخ پڑھنا اور تاریخ بنانا دو مختلف کام ہیں۔ مجھے مشکل کام کرنے میں مزہ آتا ہے۔''

سلمان نعیم نے ٹھنڈی سانس بھر کر اس کی شخصیت کو تین چار نمبر اور دے دیے، مگر حمید آفاقی، وہ اتنی آسانی سے ہار ماننے والا نہیں تھا۔ سو کھٹاک سے بولا۔

''ویل آف فیملی سے تعلق، اچھی تعلیم، اچھا کیریئر رکھتے ہوئے ایسے لیکچر تو شاید میں بھی دے سکتا ہوں۔ مگر نا مساعد حالات ہی درحقیقت آپ کا کردار یا تو بنا دیتے ہیں، یا بگاڑ دیتے ہیں۔''

حیرت انگیز طور پر اس نے اس رائے پر مزاج ٹھنڈا رکھا تھا ورنہ سلمان نعیم کا خیال تھا یہ جملہ اس کے لیے ہوتا تو وہ شکر دانی سامنے والے کے سر پر دے مارتا۔ مگر وہ نہایت نرمی سے چینی ملا رہا تھا جب کپ اس نے تھام لیا تو مسکرا کر بولا۔

''حمید آفاقی! تم بہت گہرا سوچتے ہو، تم نے ٹھیک کہا نا مساعد حالت ہی درحقیقت آپ کو یا تو بنا دیتے ہیں یا بگاڑ دیتے ہیں۔ اب فیصلہ تو

ہمارے ہاتھ میں ہے نا، ہم بگڑنے میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں یا سنورنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔"

اس کی ہی دلیل سے اسے وضاحت دے دینا، اس کا ایک اور کمال تھا۔ وہ اگلا تلخ سوال اپنے اندر ہی گھونٹ کر اٹھ گیا تھا پھر وہ دونوں نامحسوس طور پر اس کو آئیڈیلائز کرنے لگے تھے۔

فرسٹریشن کی جگہ کہیں چپکے سے امید نے ہاتھ تھام لیا تھا، مگر پورے کا پورا کسی کے سامنے گر جانا کہاں گوارا تھا سلمان نعیم کو۔ سو چپکے سے اس کی شخصیت کی بنت کے اس بخیے کی کھوج میں تھا جس کی سلائی ادھڑنے سے سارا کا سارا شعیب منصور ادھڑ جاتا تھا۔ مگر اس کا ہر کام اتنا مکمل تھا کہ کہیں کوئی جھول دکھائی ہی نہیں دیتا تھا پھر یکدم مایوسی کے دنوں میں اچانک ایک کرن چمکی۔ شعیب منصور کی گاڑی میں اس نے مہر سیما کو دیکھا تھا اور حمید آفاقی تھا کہ غیر متوقع کہانی کے انجام کی طرح حیران کھڑا تھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے مہر صاحبہ اتنی لیے دیے رہنے والی محترمہ ہیں حالانکہ انہیں محترمہ کہنے کو دل نہیں چاہتا تھا، لیکن پھر بھی محلے کی لڑکی سمجھ کر یہ احسان بھی کرنا ہی پڑتا ہے مگر یہ شعیب صاحب کس چکر میں ہیں۔" سلمان نعیم نے تبصرہ کیا تھا۔

اور وہ جواباً بولا تو صرف اتنا "تمہیں کیا لگتا ہے وہ کسی قسم کے ثواب دارین کے چکروں میں ہوں گے بھی انسان ہیں، دنیا میں رہتے ہیں سو دنیاداری گھسیٹ لے گئی ساری شخصیت، اب خون روئے یا جگر پیٹے ہاتھ کچھ نہیں آنے کا یعنی پہاڑ سرک کر پستی میں گر گیا۔ قرب قیامت کی نشانیاں ہیں ساری۔"

حمید آفاقی خالص فٹ پاتھی لہجے میں بول رہا تھا، ذات کا سارا فرسٹریشن کسی اور کی تذلیل میں آزمایا جا رہا تھا اور یہ فطری بات ہے کہ انسان جو عزت اور توقیر بھری نظر کے لیے ترستا ہو تو ایک وقت وہ آتا ہے کہ پھر کسی کی بھی عزت محفوظ نہیں رہتی اس سے۔ وہ اندر کا غصہ ہر نظر آنے والے شخص کو مسترد کر کے نکالتا ہے۔ اس سے اس کی کھوکھلی ذات کی تسکین ہوتی ہے کہ وہ بھی جس کے لیے چاہے کیٹیگری نا صرف اناؤس کر سکتا ہے، بلکہ ان کی عزت و بے عزتی پر ریمارکس بھی دے سکتا ہے۔ سو دونوں اس معاملے میں کھل کر بحث کر رہے تھے حالانکہ ان کی بحث ان دونوں پر کسی طرح اثر انداز نہیں ہو سکتی تھی مگر دل جمعی سے کام جاری تھی۔

"آپ کے ذہن میں یہ خیال تو آیا ہوگا میں نے پہلی بار آپ کی آفر کیوں قبول کر لی۔"

وہ اس کی جیپ میں بیٹھی تو خود ہی سوال داغ دیا اور وہ مسکرانے لگا۔

"میں نے خود کو یہ پلس پوائنٹ دیا تھا کہ شاید میں آپ کو قابل اعتبار لگا ہوں گا۔ کچھ اچھے دوست سا، اس لیے آپ نے مجھے مسترد نہیں کیا۔"

وہ خالی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی پھر خالی آنکھوں سے بھی زیادہ خالی آواز میں بولی۔

"آپ نے میرے بارے میں تو بہت کچھ سنا ہوگا، پھر آپ کو کیا لگا میں کیسی لڑکی ہو سکتی ہوں۔"

اس نے گاڑی کو دھیما رکھا اور لہجے کو ہاتھوں کی حرکت سے بھی زیادہ دھیما پھر بولا۔

”جولوگ یہ سوچتے ہیں نادنیا ان کے بارے میں کیا سوچ رہی ہے وہ کبھی خوش نہیں رہتے۔ ان کے حواسوں پر دنیا سوار ہوتی ہے اوران کی اپنی ذات کہیں کھو جاتی ہے۔ مہر! مجھے وہ لوگ اچھے لگتے ہیں جن کی ذات دنیا کے لیے ضروری ہوتی ہے، جن پر صرف دنیا سوچتی ہے وہ دنیا کے سوچنے پر کلستے نہیں بلکہ اپنی ذات پر دنیا کا وقت خرچنے پر خوش ہوتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ داستانیں سننے میں اچھی ہیں یا بری، کیونکہ اپنی ذات کا اعتبار اپنے دل میں ہوتا ہے۔ آپ کا ضمیر اور دل مطمئن ہے تو پھر کوئی بھی گواہی، کوئی بھی داستان آپ کا دل میلا نہیں کرسکتی۔“

”آپ واقعی شعیب ہیں، اسم بامسمی۔ آپ کا نام کس نے رکھا تھا؟“

اس نے گاڑی اس کے بتائے پتے پر ڈالی پھر آہستگی سے بولا۔

”یہ پاپا کا نادر خیال تھا، ان کا خیال تھا میں کسی کام کو غلط ہوتے دیکھ ہی نہیں سکتا۔ سو انہوں نے کلاس تھری میں میرا نام فراز سے بدل کر شعیب رکھا، میرے پاپا منصوری الماس ایک بہت اچھے پینٹر تھے شاید آپ نے نام سنا ہوگا۔“

”جی ہاں ایک وقت میں جب مجھے رنگوں سے دلچسپی تھی، تب مجھے رنگوں سے زندگی تخلیق کرنے والوں کی خبر رہتی تھی اور پھر آپ کے والد بہت مشہور آرٹسٹ تھے۔ جن کے لیکچر ہماری پینٹنگ کی کلاسز میں آنریری ہوا کرتے تھے۔ ایک دو بار انہیں بے حد قریب سے دیکھا بھی تھا مگر اب تو لگتا ہی، سب کچھ ماضی تھا۔ پتا ہے شعیب صاحب! اب تو میں نے خود کو پہچاننا بھی چھوڑ دیا ہے۔ کبھی کبھی مہر سیما کہہ کر کوئی پکارے تو کتنی ساعتوں میرے اندر تحریک ہی نہیں پیدا ہوتی۔ مجھے لگتا ہے شاید کوئی اور کسی اور کو پکار رہا ہے۔“

”آپ بہت زیادہ حساس ہیں اور بہت زیادہ حساس لوگ خود اپنے لیے اذیت ناک ہوتے ہیں انہیں کوئی اور اتنی تکلیف نہیں دیتا جتنا وہ خود اپنے آپ کو آزار میں رکھتے ہیں۔ وہ اندر سے اتنے تلخ ہوجاتے ہیں کہ پھر کوئی انہیں دق نہ بھی کرے تب بھی وہ اپنے آپ کو خود دق کرتے رہتے ہیں۔ تلخ سے تلخ ریمارکس پاس کرتے ہیں خود اپنے لیے۔ وہ خود کم سے کم سخت بات خود کو کہہ کر اپنے آپ کو بچا لیتے ہیں حالانکہ یہ حماقت ہے کبھی کبھی کوئی ہمارے بارے میں کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتا لیکن ہم پھر بھی سمجھتے ہیں وہ ہم پر دھڑا دھڑ رائے دے رہا ہوگا اور یہ کس قدر بے وقوفی کی بات ہے ہم ہمیشہ دوسروں کی سوچ کی سزا خود کو دیتے ہیں۔“

وہ کچھ نہیں بولی تھی مگر لگتا تھا اس نے سب کچھ بے حد غور سے سن کر پلو میں باندھ لیا تھا۔

”آپ یہاں کیا جاب کرتی ہیں؟“ ایک ٹریڈنگ کمپنی کا سائن بورڈ پڑھ کر سوال کیا تو اس نے بیگ اور چادر سنبھالتے ہوئے کہا۔

”میں یہاں کمپیوٹر پروگرامر ہوں، اچھی سیلری ہے اس لیے رنگ چھوڑ کر تلاش معاش میں لگے ہوئے ہیں۔“

وہ مسکرانے لگا پتا نہیں کیوں کر بات بات پر ہلکی ہونٹوں پر سمٹ آتی تھی یا کچھ لوگوں کی طرح وہ مسکراہٹ میں خود کو چھپا لینا چاہتا تھا۔ اتنے گہرے پردے میں کہ لوگ چاہتے ہوئے بھی شخصیت کو کھوج نہ سکیں مگر یہ اس کا مسئلہ نہیں تھا۔ وہ خود کو دریافت کرنا بھی نہیں چاہتا تھا، اس کے اندر کچھ ایسا تھا ہی نہیں جسے دریافت کیا جاسکتا۔ اس کا اندر تو ایسا تھا جیسے بارانی زمین، جس پر برسوں سے بارش نہ برسی ہو۔ زمین جگہ جگہ سے چٹخ چکی تھی۔ گہرے گہرے شگاف تھے جن میں دل کا سارا قیمتی سرمایہ دفن ہوگیا تھا، اس کے پاس کچھ بھی نہیں بچا تھا۔ بس یہی خالی پن کا احساس تھا جو وہ

دوسروں کی داستانوں، ان کی تکلیفوں کو دور کرنے کی سعی کرنے سے اپنے ہونے اپنی بقا کی جنگ لڑتا رہتا تھا۔

مر جانا بہت آسان ہے مگر دل کے مر جانے کے باوجود اپنے وجود بھرے دھوکے پر زور زور سے کہنا میں زندہ ہوں۔ مجھے دیکھو۔ میری آواز سنو، میرے لفظوں سے جیون لو یہ سب گواذیت پسندی کی اعلامثال سہی، لیکن آج کل یہی اس کا وتیرہ تھا۔

اس نے گاڑی اپنے اسٹوڈیو کی طرف موڑ دی تھی۔ وہ اکثر جب اپنی بزنس مصروفیات سے تھک جاتا تھا تو یہاں چلا آیا کرتا تھا۔

یہ اسٹوڈیو اس کے پاپا نے اسے اکیسویں سالگرہ پر گفٹ کیا تھا۔ یہاں پاپا کی کچھ پینٹنگز اور مجسمے رکھے تھے۔ ان کا خیال تھا اس اسٹوڈیو کو وہ بڑھا کر آرٹ گیلری میں شامل کر دیں گے۔ وہ ایک آرٹ اسکول بھی کھولنا چاہتے تھے مگر وقت نے مہلت ہی نہیں دی۔ شعیب منصوری کی آنکھوں میں اس وقت اگر وقت انسان بن کر جھانک لیتا تو ساری عمر کسی کو دکھ دینے کی نہ کرتا۔ وہ اس وقت مجسم دکھ تھا اور اس کی آنکھیں بینائی سے بڑھ کر صرف آنسو کے سوا کچھ نہیں دکھائی دیتی تھیں حالانکہ کبھی ان ہی آنکھوں میں کس قدر خواب ہوا کرتے تھے۔ کس قدر سچے اور تعبیر ہو جانے والے خواب، زندگی میں پہلے کب ناممکن کا لفظ تھا۔ وہ اندر آ کر اپنی مخصوص کرسی پر آن بیٹھا۔ یہاں بالکل سامنے گیارہ برس پہلے پاپا کھڑے ہوئے اسے اسٹوڈیو کی غرض وغایت بتا رہے تھے۔ اپنے خوابوں کے تار سے تار جوڑ کر ایک حقیقت کا رنگ بھر رہے تھے، رنگ کس قدر کچے نکلے تھے۔ اس نے دونوں ہتھیلیاں آگے کر لیں۔ مخروطی لانبی انگلیوں میں ادھ بجھا رنگ تک نہیں تھا۔ بس سارے رنگ روح میں پتھر باندھ کر اتر گئے تھے۔ روٹھ گئے تھے اور وہ باہر بے رنگ پھرا کرتا تھا۔

اس نے اٹھ کر پاپا کی پینٹنگ پر روز صفائی کے باوجود آ جانے والی گرد کو صاف کیا۔

بپھرا سمندر اور وہ آنکھیں جو سمندر سے زیادہ گہری تھیں۔ گہرا چپ سمندر اور آنکھیں، یہ میں ہوں ہاں یہ سمندر میں ہوں، مگر یہ آنکھیں، یہ تمہاری آنکھیں ہیں، گہری خاموش...... میں تمہارے اندر اک روھم کی طرح رہنا چاہتا ہوں تمہارے اندر سے ایک جذبے ایک پرشور جذبے کی طرح اٹھ کر اس سمندر کی بپھری لہروں کی طرح بکھر جانا چاہتا ہوں۔ جو میں کر نہیں سکا تمہارے اندر میں وہ ہونے کا گمان کرنے کا خوش گمان احساس سانس میں بھر لینا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں دنیا میں جب میرا وجود نہ ہو تب بھی لوگوں کو تم میں، میں دکھائی دوں۔ کیا تم مجھے یہ مارجن دو گے اپنی ذات میں تھوڑا سا چپہ دو گے، مجھے جہاں میں قیام کروں۔“

”پاپا! چٹکی بھر کیوں، میرے سارے دل میں آپ قیام کریں۔ جہاں جی چاہے، جہاں انعکاس کرنا چاہیں کریں۔ میں تو سر سے لے کر پیر تک آپ کا ہوں، آپ سا ہوں۔“

اور پاپا ہنسنے لگے تھے پھر پکارے تھے۔ ”بہت دریا دل ہو رہے ہو پورا دل قیام کو دینے کی سوچ رہی ہے۔ وہ حصہ کیا کرو گے جہاں کسی اور کو بسا چکے ہو۔“

”پاپا! آپ بھی نا......“ یکدم اس کے چہرے پر رنگ بکھر سے گئے تھے۔ تب اس نے پوچھا۔

”آپ کو ظل قمر کیسی لگی پاپا؟“ وہ جانتا تھا ظل قمر اور اس کے متعلق کہی داستان احمد ضیاء کے سوا پاپا تک کوئی نہیں پہنچا سکتا، پھر خود پاپا بھی

اس کے معاملے میں اتنے اٹینشن رہتے تھے کہ باقی دو بھائی اور اس کی اکلوتی بہن لالہ تک اس سے چڑ جاتے تھے۔

''پاپا کو صرف شوبی بھائی سے محبت ہے اور بس.....'' اور وہ اس جملے پر اندر سے کتنا کھل اٹھتا تھا، مگر اس وقت وہ اس لمحے کے سامنے کھڑا تھا جو ایک خوشی بن کر آیا تھا۔

''بتایئے ناپاپا! آپ کو ظلِ قمر کیسی لگی؟''

پاپا نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے لیا تھا، پھر محبت سے بولے تھے۔ چاند کا سایہ نہیں ہے وہ لڑکی۔ وہ تو خود قمر ہے۔ پورا'' چاند، میرے چاند کا ہالہ روشن اور مکمل، مجھے وہ بہت پسند آئی ہے۔ خدا سے دعا ہے وہ تمہاری قسمت تمہاری زندگی کو بھی میری طرح ہی پسند آ جائے۔''

اور اسے لگا تھا پاپا کے کہہ دینے ہی سے زندگی اور اس کی قسمت نے اسے اوکے کر دیا ہوگا پاپا کا کہنا کون مسترد کر سکتا تھا۔ سو وہ خوش خوش یہ خبر لالہ کو سنانے جا پہنچا تھا۔

''لالہ کی بچی! تمہارے لیے انٹرٹینمنٹ کا سامان ہے۔''

''کیا ہے؟'' اس نے واک مین ہٹا کر بھائی کو دیکھا تھا اور وہ دھم سے اس کے بیڈ پر گر گیا تھا۔

''تمہاری صلاحیتوں کو ہمیشہ جلا دینے کے لیے ایک نیا کردار متعارف کروانے کی کمپین ہے۔ تم بتاؤ تم حصہ لوگی۔''

''میری تو یہ سمجھ میں نہیں آ رہا آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ کون آ رہا ہے ہمارے گھر میں۔'' تجسس سے اس نے ہاتھ سے کتاب رکھ دی تھی پھر جتانے والے انداز میں بولی۔ ''پاپا کے لاڈلے بیٹے صاحب میرے فرسٹ ایئر کے اگزامز ہو رہے ہیں۔ پلیز بتایئے۔ جلدی سے آپ کسے لا رہے ہیں۔''

تمہاری ہونے والی بھابھی کو، تمہیں شوق ہے نا کسی سے دنگل کرنے کا جھگڑا کرنے کا، سارا سامان تیار کر لو ہار ماننا اس نے بھی نہیں سیکھی اور تم تو ہو ہی میری بہن، سو تمہیں تو یوں بھی ہار نہیں ماننا چاہیے۔''

''بکومت، بھابھی سے بھی کوئی لڑنے کا مزہ ہے اور پھر تم پاپا کے پرنس کراؤن تم شادی کے بعد مجھے ایسا موقعہ کب دو گے۔ تمہاری ساری ہمدردیاں اس ہی کے ساتھ ہوں گی۔''

''پرامس، میری ساری ہمدردیاں تمہارے لیے ہوں گی، ہاں محبت کہہ سکتی ہو یہ معاملہ مشکوک ہو سکتا ہے۔''

''اویو چیٹر، یو راسکل.....'' اس نے کشن اٹھا اٹھا کر اسے مارے تھے اور وہ دو سال چھوٹے ہونے کا اسے پورا پورا فیور دے رہا تھا آخر کو وہ اس کی سب سے عزیز بہن تھی۔ پھر یہ معرکہ بھی سر ہو گیا تھا، ظلِ قمر پاپا کی طرح اسے بھی بہت پسند آئی تھی۔

''تم نے زندگی میں پہلی بار کوئی معرکہ مارا ہے۔ تم دونوں واقعی ایک دوسرے کے لیے بنے ہو۔'' بہت محبت سے اس کے شانے پر ہلکا سا دباؤ ڈال کر اس نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔

اور اسے لگا تھا وہ ہواؤں میں اڑنے لگا ہے، اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ محبت میں وہ بھی پا لینے والا ہو سکتا ہے۔ وہ سمندر سے جھوم کر اٹھنے والی گھٹا بن کر اٹھا ظلِ قمر اس کے لہجے سے بھیگ بھیگ گئی تھی۔

''تم......ظل! تمہیں میں نے خود سے بھی بڑھ کر چاہا ہے مجھے تم پر اپنی ذات سے بھی بڑھ کر یقین ہے۔ اتنا کہ مجھے گمان ہونے لگا ہے اگر کبھی ساری دنیا بھی مل کر، مجھے رد کرنے کی کوشش کرے تو تب بھی تم میری پشت پر ہوگی، میرے ہونے کی جنگ مجھ سے بھی زیادہ دل سے لڑو گی۔ تم مجھ سے بھی زیادہ مجھے چاہو گی، بولو چاہو گی نا؟''

اس کا لہجہ شوخ ہو گیا تھا اور وہ شرگیں احساس تلے مسکرائے جا رہی تھی۔ یہ اونچا لمبا شخص تین چار سالوں میں اسے کتنا عزیز ہو گیا تھا حالانکہ کبھی کسی کے ساتھ بہت سا جیون گزار کر بھی ہم نہیں کہہ سکتے۔ ہم اسے جانتے ہیں۔ مگر اس شخص کو کالج میں دیکھ کر ہمیشہ سے لگتا تھا، وہ اس شخص کو اتنا جانتی ہے جتنا شاید اپنے آپ کو بھی نہیں جانتی بہار کی اولین صبح کی طرح وہ اس کے دل میں اترا تھا، اس کا آنگن دل اس کی محبت کی سرمئی دھوپ سے بھر گیا تھا۔ سائبان جیسا وجود اس پر تن گیا تھا اور محبت جب لفظوں میں سمجھ آنے کا روپ اختیار کرتی ہے تو وہ اس روپ میں پورا کا پورا آن بسا تھا۔ محبت کیا ہے؟ صرف وہ!

محبت کو دیکھو تو کیسی لگتی ہی، بالکل اس کے چہرے، اس کی آنکھوں جیسی۔ محبت اگر خوشی ہے تو وہ مسکان صرف اس کے ہونٹوں پر سجتی ہے۔ کہیں محبت روپ رکھتی ہے تو صرف اسی کا بھیس ہے، صرف وہ ہے۔''

شعور کی پہلی سیڑھی پھلانگ کر وہ اس کے سامنے تھا، اس سے دو سال سینئر اس آرٹ اسکول میں اس کے لیے وجہ، سرخوشی، محبت اعتماد کا سمبل وہ اس ساتھ پر جتنا ناز کرتی کم تھا۔ سو زندگی بے حد سہل ہو گئی تھی یا شاید سہل لگنے لگی تھی مگر خوابوں کی تتلیاں پکڑنے کے لیے بقول شاعر دور جانا پڑتا ہے۔ وہ اس منگنی پر بے حد خوش تھی۔ کوئی بھی ناخوش نہیں تھا کہ اچانک ایک سال بعد وہ سب کچھ ہو گیا جو کسی کے وہم و گمان میں نہیں تھا وہ گم صم کھڑی تھی اور ماضی کہیں ہولے سے گنگنا رہا تھا۔

وفا کا نام زمانے میں عام کر جاؤں
پھر اس کے بعد زندہ رہوں کے مر جاؤں
میرے وجود کا یہ بھی تو ایک مصرف ہے
دلوں میں پیار کی مانند میں اتر جاؤں

وہ دل کے اندر آنکھوں میں یہی گنگنا رہا تھا، مگر دلوں میں پیار کی مانند اتر جانے کی خواہش رکھنے والا یکدم دل سے ہی اتر گیا تھا۔ وہ باہر دروازے پر دستک بنا ہوا تھا اور وہ چیخ رہی تھی۔

''چلے جاؤ شعیب منصوری! میں بھول جانا چاہتی ہوں کہ میں کبھی تمہیں جانتی تھی۔''

''شعیب! یہ میں کیا سن رہا ہوں، وہ نشاء حسین وہ لڑکی کہہ رہی ہے کہ تم اور وہ بہت عرصے سے ایک دوسرے کو جانتے ہو۔ اتنا قریب سے کہ حجاب کی کوئی پرت تمہارے اس کے درمیان نہیں بچی۔ کیا یہ درست ہے۔''

سوال، بے شمار سوال چوبیس برس کا شعیب منصوری ہونق کھڑا تھا۔ ارمغان احمد کے سامنے بائیں طرف فضہ آنٹی کھڑی تھیں اور صوفے

پرلٹی پٹی سی ظل قمر تھی، اس کی آنکھوں میں اس لمحے کیا نہیں تھا۔ جو کچھ وہ کہہ نہیں سکی تھی۔ وہ سب شکوے گلے اور دکھ اس کے چہرے پر آن جمے تھے۔ خاموشی الزام لگانے سے زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔

خلق مجھ کو کیا کیا نہیں کہتی

کچھ سنوں میں تیری زبانی بھی

''وہ کچھ سنوں میں تیری زبانی'' کی حسرت بنا اس کے سامنے کھڑا تھا مگر اس کی خاموشی نے اسے الزام دیے بغیر ذلیل کر دیا تھا۔

''چلے جاؤ تم یہاں سے، تم ہماری بیٹی کے قابل ہی نہیں ہو۔ تمہیں تو صرف وہ لڑکی سوٹ کرتی ہے وہ نشاء حسین...... ہاں اسی کے پاس جاؤ تم جیسے گھٹیا انسان کو ایسی ہی لڑکیاں ملتی ہیں۔ ملنی چاہئیں ایسی لڑکیاں جو تم سے تمہارے لہجے میں بات کریں۔ تم سے تمہارے انداز میں دھوکا کریں اور پھر بھی تم انہیں خود سے جدا نہ کر سکو، برے لوگوں کے لیے بری لڑکیاں ہی ہوتی ہیں ایسی ہی لڑکیاں۔''

وہ صدمے کے مارے قدم موڑ گیا، وہ کہنا چاہتا تھا انسان نہیں حالات برے ہوتے ہیں۔ وقت برا ہو جاتا ہے جو سر بلندی پستی میں گر جاتی ہے اور پستی یکدم بلند راستے کی طرف جانے والا راستہ بن جاتی ہے۔ وقت کسی انسان کو اونچائی سے قدموں میں گرا دیتا ہے اور کسی کو ذرے سے آفتاب بنا دیتا ہے۔ برا انسان کہیں نہیں ہوتا بس لمحاتی لغزش، کمزور لمحے کی معمولی سی غلطی اچھے کو برا اور برے کو اچھا بنا دیتی ہے۔ انسان کے فطری عناصر میں خطا کا خمیر ملا ہے پھر یہ کہاں جائز ہے کہ غلطی سے منہ موڑنے کی خواہش میں خطا کار سے بھی منہ موڑ لیا جائے۔ غلطیاں تو کبھی بھی کسی سے بھی ہو سکتی ہیں، مگر کسی برے انسان کو اچھے ہونے کے ہر مارجن سے کک آؤٹ کر دینا تو انصاف نہیں، وہ کہنا چاہتا تھا۔ نشاء حسین بھی ایک اچھی لڑکی ہے۔ بس وقتی محبت کے جھانسے میں آ کر اس مقام پر آن کھڑی ہوئی ہے مگر وہ کہہ نہیں سکا اس کی کون سنتا کہ وہ اس کہانی میں صرف ایک ناصح کے علاوہ کوئی کردار نہیں رکھتا تھا۔ کون مانتا کہ اسے نشاء حسین سے صرف اتنا انس تھا کہ اسے وہ اپنی لالہ کی طرح تحفظ دینے کا خواہاں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ باپ کے نہ ہونے اور ماں کی ملازمت کرنے نے اسے عقل نہیں سکھائی بلکہ وہ خود تجربہ کرنے کی خو میں جھلس گئی ہے۔ وہ اسے اس بار بار کی خطا کرنے سے صرف روکنے کا خطاوار تھا مگر اسے کیا خبر تھی کہ یہ الزام اس کے سر آئے گا۔ وہ گھر آیا تھا، اسے لگا تھا گھر میں اسے پاپا کا سائبان اب بھی میسر ہوگا مگر اس اطلاع کے بعد سے پاپا نے خود کو اپنے اسٹڈی روم میں بند کر لیا تھا۔ لالہ نے جو دل چاہا تھا کہا تھا۔ اپنی دوست کی زندگی خراب کرنے پر وہ جتنا چلا تی کم تھا، مگر وہ خاموشی سے کھڑا تھا۔ آخر وہ کیسی دوست تھی کہ اسے اس کی زندگی میں اتنے بڑے بھونچال کے آ جانے کی خبر نہیں ہوئی۔ دونوں بھائی کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھے، اپنی کم عمری کے باعث چپ تھے، مگر ان آنکھوں میں جتنا طنز اور حقارت آ گئی تھی۔ اس طنز اور حقارت نے مل کر اسے مسخ کر ڈالا تھا۔ وہ ان کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو لگتا کوئی طنزیہ ہنسی سے پوچھ رہا ہو۔

''اچھا تو تم ہو اپنے پاپا کے سب سے لاڈلے بیٹے جسے وہ اپنا دل کہتے تھے، سنو دل کے قریب رہنے والے کیا یہ ضروری ہے کہ دل کو گہرا زخم ہی دیں۔ محبت کرنا کیا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی یہ سزا دی جائے۔''

امی اس حادثے کے بعد سے بستر سے لگ گئی تھیں۔ ڈاکٹر کا خیال تھا انہیں کوئی بیماری نہیں ہے، کوئی بہت بڑا صدمہ ہے جو ان کی جان کا

روگ بن گیا ہے اس نے سنا تو بڑھ کر ماں سے کہنا چاہا۔

''وہ ان کا بیٹا ہے ان کا، عائشہ منصوری الماس کا بیٹا۔ جنہوں نے عورت کی عزت کرنے کا سبق دیا تھا۔ وہ ان کا وہی بیٹا ہے۔ جس کی غیرت مندی کی وہ آنکھ بند کر کے قسم کھا سکتی تھیں مگر ماں جب بھی اسے دیکھتیں منہ پھیر لیتیں، پھر وہ امید رکھتا تھا کہ پاپا اس صدمے سے بحال ہو کر اس کے بارے میں جو کمٹس دیں گے۔ وہی اس کی زندگی کا فیصلہ ہوگا تو بس اچانک ہی بساط لپیٹ دی گئی۔ پاپا چار دن بعد جو صرف چائے اور کھانے پر آیا کرتے تھے ایک دن نہیں آئے تو لالہ نے ڈرتے ڈرتے اسٹڈی روم کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ بے آواز کھلتا چلا گیا۔ پاپا راکنگ چیئر پر آنکھیں موندے بیٹھے تھے۔ ان کے چہرے پر ہلکی سی تکلیف تھی، جیسے زندگی کو چھوڑ کر موت سے دوستی کرنے کے خیال سے ہر ذی روح کے چہرے پر کھنڈ سکتی تھی۔ وہ آگے بڑھی تھی۔

''پاپا! ناشتہ لے آؤں۔...... پاپا......؟'' اس نے انہیں چھوا اور پھر چیخیں در و دیوار کو ہلانے لگیں۔

''شوبی بھائی! پاپا......'' وہ دوڑتا ہوا اندر آیا۔ اس کو لگا اس کے اندر اٹھنے والا ہیجان زندگی کا بس آخری ہیجان ہے، تیز تیز چلتی سانس بس یک بارگی رک جائے گی مگر یوں ہوا، موت کہیں اندر مرگئی تھی اور زندگی مری ہوئی موت پر حیران کھڑی تھی۔ ڈاکٹر عارف کیانی سامنے کھڑے کہہ رہے تھے۔

''یہ سخت جذباتی پریشرائزنگ کے تحت ہونے والا ہارٹ فیل کا کیس ہے۔''

''مار دیا۔ تم نے میرے منصوری الماس کو مار دیا۔'' ماں نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ تب وہ نفرت سے بولی تھیں۔

''چلے جاؤ میری نظروں سے دور، تم نے ہمارا سب کچھ ختم کر ڈالا ہے۔ جاؤ یہاں سے چلے جاؤ اور اپنی نئی زندگی کی شروعات کرو۔ جشن مناؤ کہ باپ کی لاش پر تم نے اپنی خوشیوں کی جنگ جیت لی ہے۔''

وہ پاپا کی میت کو کاندھا بھی نہیں دے سکا تھا، ماں نے اسے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا تھا۔ آخری دیدار ڈاکٹر عارف کیانی کی کوشش کی وجہ سے اس نے قبرستان میں کیا تھا پھر شہر میں ہوتے ہوئے وہ شہر ہی میں گم ہو گیا تھا اس نے بہت محنت کی تھی۔ خود کو اسٹیبلش کرنے میں، وہ یہ سب کچھ پاپا کے، محبت گھر، کے لیے کر رہا تھا۔ پاپا نے پیچھے اچھی خاصی پراپرٹی چھوڑی تھی مگر وہ بڑا بیٹا ہونے کا حق ادا کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ماں کے نام سے ایک ماہانہ فکس اکاؤنٹ کھولا تھا جہاں سے ہر ماہ ایک اچھی رقم ماں کو ملتی تھی۔ کاغذات میں وہ پاپا کا اکاؤنٹ ہی شو کیا گیا تھا۔ اس لیے ماں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا، وکیل انکل اس تمام تر معاملے میں اس کے مددگار تھے۔

پھر وہ شہر چھوڑ کر مختلف ملکوں میں گھومتا رہا۔ گھر سے تعلق صرف اکاؤنٹ نمبر کی حد تک تھا۔ پہلے وہ ایک نام ایک وجود رکھتا تھا مگر اب وہ صرف ایک اکاؤنٹ نمبر تھا جس پر پاپا کے نام کا لیبل لگا ہوا تھا لیکن ''محبت گھر'' سے اس کا یہ تعلق بھی روح کی تسکین کے لیے کافی تھا۔ پھر وہ کراچی کے پرہجوم شہر میں آن بسا تھا۔ جہاں ایک کمپنی میں بزنس مارکیٹنگ آفیسر کے عہدے پر کام کر رہا تھا، یہاں اس کی ملاقات رفاہت عماد

سے ہوئی تھی۔ وہ یہاں دفتر میں پبلک ریلیشن آفیسر تھی۔ ہنس مکھ اور خنداں رو۔ جب جہاں ملتی بہت دل سے، عزت سے مخاطب کرتی۔ برملا کہتی۔

''آپ کو جب بھی دیکھتی ہوں دل کرتا ہے، آپ کو پکاروں، آپ کی عزت کرنے میں جان لڑا دوں۔ کبھی کبھی ہوتا ہے نا آپ کسی کے بارے میں احترام اور عزت سے اتنا سوچتے ہیں، جتنا شاید آپ اپنے بارے میں بھی وقت نہیں نکالنا چاہتے اور شعیب منصوری! مجھے آپ کے بارے میں عزت سے سوچنا۔ آپ کو عزت دینا اچھا لگتا ہے۔ ویسے سنا ہے عزت اور احترام محبت کی پہلی سیڑھی ہیں۔''

کبھی شرارت سے کہتی۔

''ندیم عفان ہمارے دفتر کا واحد کولیگ ہے، جسے ہر شخص سے محبت کرنے کی عادت ہے مگر مجھے ہمیشہ اس کی اس عادت سے چڑ ہوتی تھی پر اب سوچتی ہوں، شاید وہ جن سے محبت اختیار رکھنے میں بے بس ہوتا ہو وہ آپ ہی جیسے چہرے ہوتے ہوں۔ آپ اسے غلط وے میں مت لے جائیے گا۔ میں صرف دوستی کی بات کرتی ہوں اور جب میں دوستی کرتی ہوں تو صنف کو منہا کر لیتی ہوں۔ صرف اچھے اور برے انسان کے سوا میرا پھر کوئی اور قار موالا نہیں ہوتا، ذات اور شخصیت کا مبہم سوال حل کرنے کے لیے۔''

اس نے ہاتھ بھی بڑھایا تھا اور اس نے دل سے اس چار سال کے بعد کے تعلق کو قبول کر لیا تھا پھر رفتہ رفتہ وہ اس پر کھلی تھی تو پتا چلا تھا وہ تین بھائیوں میں سب سے ذمہ دار اولاد ہونے کا فرض بناہ رہی تھی۔ اس کے پاپا کو دنیا چھوڑے ہوئے آٹھ سال ہو رہے تھے اور کم و بیش اتنا ہی عرصہ اسے بھی دنیا کو بھولے ہوئے ہو ہی گیا تھا۔ بہت دن ایک ساتھ رہے تو تب اس نے نم آنکھوں سے اسے دیکھ کر کہا تھا۔

''میرا ایک بڑا بھائی ہے، وہ کچھ بھی نہیں کرتا اور ساری محبتیں اس کے حصے میں ہیں۔ سارے خاندان میں اس کی ٹور ہے وہ بیس ہزار ماہانہ کماتا ہے مگر اس کے پیسے میں اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ گھر میں بھی صرف مخصوص رقم کے سوا کچھ نہیں دیتا اور جب کسی معاملے میں وہ کم تنخواہ کے باعث بے بسی محسوس کرتی ہے تو وہ قہقہہ لگا کر کہتا ہے۔ ''مانگو مانگو مس رفاہت سے مانگو، انہیں گھر کا چیف منسٹر ہونے کا شوق ہے نا، یہ لڑکی شروع سے باغی ہے۔ اسے ہر ایک سے لڑنے جھگڑنے کے سوا کوئی کام نہیں۔ یہ کہتی ہے دنیا میں اچھائی کا صرف یہی واحد پیمانہ ہے۔ دوسروں کی نظر میں اچھا بننے کی کوشش میں یہ ہر ایک کو برا بنا کر پیش کرتی ہے، یہ ایکسٹرا اوڈنری پرسنالٹی کانشیس ہے۔ دراصل یہ اندر سے کھوکھلی ہے۔ اس لیے اس کا بدلہ یہ ہم سب کی شخصیتیں مسخ کر کے لیتی ہے۔'' تمہیں پتا ہے شعیب۔''

وہ یکدم کہتے کہتے چپ ہوئی۔ جیسے اپنے ہونے کے جرم کے بارے میں جھک گئی ہو پھر آنسو پیتے ہوئے بولی۔

''میرے دونوں بھائی بھی میرے بھائی کے ہم خیال ہیں۔ وہ ان کی فضول خرچی کے لیے انہی رقم دیتے ہیں اور وہ کہتے ہیں۔ میں ان کے گھر پر بوجھ ہوں۔ وہ مجھے کام والی لڑکی سے منسلک ہر کہانی کے ہر کردار میں دیکھتے ہیں۔ مسترد کر دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کون ہوگا جو آ کر مجھے ان کے گھر کی برائی کی طرح لے جانے کی سعی کرے گا۔ وہ جلد سے جلد مجھے ناپسندیدہ شخص کی طرح گھر بدر کر دینا چاہتے ہیں، مگر مجھے اپنی ماں کی محبت کسی طرف نہیں دیکھنے دیتی۔ مجھے معلوم ہے میری ماں میرے بعد اس گھر میں بالکل اکیلی رہ جائے گی۔ وہ تینوں میرے چچا جیسے ہیں جو اپنی بیوی کو بات بات پر گھر سے نکالتے نکالتے تھک کر اب زبان پر موقوف ہو گئے ہیں، میری چچی ایک صابر عورت ہیں۔ وہ ماں کی بہن ہیں۔ اس لیے معذور

چچا کی خدمت کے ساتھ ساتھ ان کی تذلیل بھی سہتی ہیں۔ میرے چچا کے سارے بچے بھی ان کی طرح ہیں۔ وہ کہتے ہیں ماں کے ساتھ جو ہوتا ہے یہ ان کا اپنا بویا ہوا ہے اور یہی سب کچھ میرے گھر میں ہوتا ہے۔ ان کا خیال ہے ماں اس گھر کے ماحول کو ڈسٹرب کرنے والی ہستی ہیں۔ ان کا ان کے کسی ماضی حال اور مستقبل میں کوئی حصہ نہیں ہے اور یہی میرے ساتھ ہے تمہیں ایک نظم سناؤں، یہ نظم میں اکثر گنگنایا کرتی ہوں۔"

اس نے سر ہلایا تھا، پوری توجہ سے اسے دیکھا تھا اور وہ نظم سنانے لگی تھی۔

دس بائی دس کمرے کا اثاثہ

چند کتابیں، ایک مسہری،

جگنو، خواب اور تنہائی

دن چھپتے ہی خواب اور جگنو

کمرے میں در آتے ہیں

پو پھٹنے تک

میری طرح سے جلتے بجھتے رہتے ہیں

پھر میں

دن کے ہنگاموں میں گم ہو جاتا ہوں

شہر رزق کے دروازے پر دستک دیتا رہتا ہوں

جلتی بجھتی رات کا منظر

خواب اور جگنو

کچھ بھی یاد نہیں رہتا

شہر رزق کی سڑکیں جس دم

تھک کر سو جاتی ہیں

میں بھی اپنی جانب لوٹتا ہوں

دس بائی دس کا میرا کمرا

چند کتابیں، ایک مسہری

خواب اور جگنو، تنہائی

میرا رستہ تکتے رہتے ہیں

''میرا رستہ تکتے رہتے ہیں۔ شعیب اپنے علاوہ کسی کا، کسی اور کا ہمارا رستہ تکنا کیسا لگتا ہے؟''

''کبھی کبھی اتنا افسوں خیز کہ ہم پھر کسی اور کے لیے انتظار ہی سوغات کرتے رہتے ہیں، مگر انتظار بھیجنے والے انتظار کرنے کا ایک لمحہ بھی جی لیں جو ہم بتا دیتے ہیں اپنی جان پر تو شاید وہ پتھر ہو جائیں۔ اس انتظار سے، اندر سے دل گلیشیئر کے اندر دب جاتا ہے اور پھر اس حنوط شدہ دل کو کوئی بھی بازیافت کروانے نہیں آتا، انتظار ہی پھر وجود بن جاتا ہے اور وجود کہیں منہا ہو جاتا ہے۔''

''تم نے جس دل سے انتظار کا نقشہ کھینچا ہی، یہ صرف محبت برتنے والے ہی کھینچ سکتے ہیں۔ سچ بتانا کیا کوئی تھا تمہاری زندگی میں بھی۔''

سوال بہت ذاتی تھا مگر ذات میں اتر جانے والوں کو یہ حق دے دینا چاہیے، اس نے بہت مختصراً اپنی ذات کی بابت اسے بتایا تھا پھر جب وہ نشاء حسین کے پوائنٹ پر پہنچی تو اس نے سے بغیر کہا۔

''کوئی کچھ بھی کہے میں نہیں مانتی، آپ نے ایسا کچھ کیا ہوگا۔ اگر آپ خود بھی میرے سامنے کہتے میں نے یہ خطا کی ہے تب بھی میں کہتی۔ آپ جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ میں آپ کے لیے اتنا حسن ظن رکھتی ہوں کہ پھر میرے یقین کو کوئی بھی چیلنج نہیں کر سکتا۔''

وہ اسے دیکھے گیا۔ یہ یقین اس نے ظل قمر سے چاہا تھا کہ وہ ساری دنیا کو چھوڑ کر اس کی پشت پر آ کھڑی ہوگی اور یقین سے کہے گی۔ ''شعیب منصوری ایسا نہیں کر سکتا اور اگر اس سے ایسا کوئی کام سرزد ہوا ہے تب بھی وہ مجھے قبول ہے۔'' مگر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا اور ایک بالکل اجنبی لڑکی کہہ رہی تھی۔ اسے اس کی ذات پر اندھا یقین ہے۔ ایک اعتماد کی لہر سی اٹھی تھی اور اس نے ظل قمر کو دیکھنے کی خواہش کی تھی۔

اس نے والٹ نکال کر تصویر اس کی طرف بڑھا دی تھی۔ وہ بے حد خوبصورت لڑکی تھی، کم عمری کا حسن اس کے حسن سے مل کر دو آتشہ ہو گیا تھا۔ اس نے پشت کی طرف دیکھا ایک قطعہ لکھا تھا اس نے جیسے خود کو پڑھ کر سنایا تھا۔

سر طاق جاں نہ چراغ ہے پس بام شب نہ سحر کوئی
عجب ایک عرصہ درد ہے نہ، گماں ہے نہ خبر کوئی
نہیں اب تو حلال بھی کوئی، کسی واپسی کا خیال بھی
غم بے کسی نے مٹا دیا، میرے دل میں تھا بھی اگر کوئی

وہ اسے دیکھ رہی تھی پھر مدھم ہو کر بولی تھی۔

''کیا کسی کو بھلا جا سکتا ہے شعیب منصوری؟''

اس نے نظر اس کی نظر کے سوال سے چرائی تھیں اور اٹھ گیا تھا پھر یہ تعلق یوں ہی چلتا چلا گیا تھا یہاں تک کہ وہ کمپنی کی طرف سے انگلینڈ چلی گئی تھی پھر ان کا رابطہ صرف ای میل کے ذریعے رہتا تھا اور آج کتنے عرصے بعد وہ یہاں آیا تھا، شاید ایک سال آٹھ ماہ بعد۔

آج بالکل اپنے جیسے کردار نے اپنا ماضی کس قدر تیزی سے یاد دلایا تھا۔ ہم سمجھتے ہیں ہم سب کچھ بھول چکے ہیں۔ ہمیں شاید ماضی کا کوئی واقعہ یاد بھی نہیں ہے۔ ہماری یادداشت کتنی بری ہے مگر جب کوئی نئی ٹھیس لگتی ہے تو پرانی چوٹیں مل کر ایک حشر سا برپا کر دیتی ہیں۔ دل کہتا ہے، ''میرا

دل ہائے یہ دل'' اور ٹیس کہیں اندر ہی اٹھ اٹھ کر پھیلتی چلی جاتی ہے۔ رگ و ریشے میں ایک درد سا جگا دیتی ہے اپنے ہونے کا خراج لیتی ہے۔ وہ کرسی پر بیٹھا بیٹھا جم گیا تھا۔ اسے لگ رہا تھا شاید وہ صدیوں سے یہیں بیٹھا ہے۔

ٹرن ٹرن......''

فون بیل پر وہ چونکا تھا۔ اسے کھڑے ہونے میں بہت دقت ہو رہی تھی مگر وہ فون کی طرف آیا تھا لیکن سی ایل آئی میں نمبر دیکھ کر وہ حیران رہ گیا تھا۔ بیل مسلسل بج رہی تھی اور یہ فون اسے کتنی مرتبہ ستاتا تھا۔ ہم جس سے ملنا چاہیں اور مل سکنے کے قابل نہ ہو تو......؟ اس نے بیل بجنے دی تھی اور بریف کیس لیے واپس گھر کی طرف لوٹ آیا تھا۔

''اوئے شعیب منصوری! وہ دیکھ اکیلا ہے اور آج صرف تین چار گھنٹے بعد لوٹ آیا۔ یقیناً ابھی مہر سیما بھی آ ہی جائیں گی۔'' پتا نہیں وہ سخت کونشیس لہجے کے باوجود مہر سیما کے ساتھ کوئی بدتمیزی کیوں نہیں کر پاتے تھے۔

''ارے سر! آپ...... آپ آج دفتر نہیں گئے۔''

''نہیں، ویسے ہی آج کچھ طبیعت خراب تھی میری۔'' وہ سرسری سا جواب دے کر سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

''کچھ گڑبڑ لگتی ہے، یہ شعیب منصوری کا لہجہ تو نہیں۔''

دونوں اس سے خار کھاتے جانے کب اس کے متعلق حساس ہو گئے تھے۔

''مہر سیما نے شاید کچھ الٹا سیدھا کہہ دیا ہوگا۔ اس حادثے کے بعد سے وہ یوں بھی کچھ آؤٹ آف کنٹرول ہو گئی ہیں۔ محلے کے ہر شخص کو تو انہوں نے کچھ نہ کچھ سنا ہی دیا ہے۔ اب یہ بھائی صاحب کی بھی عزت افزائی ہو گئی ہے شاید۔''

وہ دونوں بات کرتے کرتے سیر آرام کرتے نعیم الحسان کے سامنے جا پہنچے

''اچھا اس کی طبیعت خراب ہے۔ تم فون کر دیتے یا خود ہی خیریت پوچھ لیتے۔ کیا سوچ رہا ہوگا بچہ بھی کیسے بے مروت پڑوسی ہیں۔''

بابا فوراً اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور وہ دونوں یہی تو چاہتے تھے، جانتے تھے، وہ ڈانٹ کر بے مروتی سے دروازے سے لوٹائے گا نہیں، لیکن اگر وہ ایسا کر ہی گزرا تو ساری عزت خاک میں مل جاتی، سو بابا کے سائے میں وہ دونوں اس کے فلیٹ میں داخل ہوئے تھے، دروازہ غیر متوقع کھلا ہوا تھا۔

''پتا نہیں یہ شخص ہماری زندگی کا رقیب ہے یا حبیب، ہم اس کے لیے، ہراساں بھی اتنے کیوں ہو رہے ہیں جتنا اس سے ہماری جان سلگتی ہے۔''

بابا اسے آواز دیتے ہوئے کمرے میں آئے تھے۔ مگر وہ انہیں سائیڈ کے ٹی وی لاؤنج کے صوفے پر آڑا ترچھا پڑا ہوا ملا تھا۔

''شعیب! کیا ہوا بیٹے؟'' بابا جان تیزی سے بڑھے تھے اور ان دونوں کے اندر کا ہیجان خون کی رگیں توڑنے پر کمربستہ ہو گیا تھا۔

''کیا ہو گیا شوبی بھائی! شوبی بھائی!'' وہ دونوں اسے ہلا جلا رہے تھے مگر ہنوز خاموشی تھی، بابا اسے اپنی گاڑی میں ڈال کر بمشکل ہاسپٹل پہنچے تھے۔

''نروس بریک ڈاؤن کا اٹیک ہے، شاید انہوں نے کسی بات کا بہت اثر لیا ہے۔'' وہ بستر پر لیٹا تھا جب حمید آفاقی نے پہلی چوری کی

تھی۔ اس کے والٹ میں لگی تصویر کو باہر نکال کر دیکھا تھا۔ اس قطعے تک بات پہنچی تھی تو وہ دونوں موم ہو کر پگھل گئے تھے۔

''یہ شخص اس لیے نہیں ہارتا تھا کہ اسے محبت نے پہلے ہی ہرا رکھا تھا۔ یہ شکست خوردہ تھا اس لیے ہر شکست زدہ دل کی ڈھارس بن جانے کی تمنا کرتا تھا، ہم نے بھی تو اسے کس قدر ستایا ہے۔''

دونوں اپنا محاسبہ کر رہے تھے، جب ہی اس نے رات گئے آنکھیں کھولی تھیں۔ پاپا نیند میں تھے، سلمان نعیم اور حمید آفاقی اس کے گرد تھے۔

''میں زندہ ہوں؟'' یہ سوال تھا یا دکھ بھری حسرت ان دونوں کا زم دل آنکھوں میں آنسو بن کر آ ٹھہرا۔

''یہ آپ کو بیمار ہونے کی کیا پڑی تھی۔ کیا کیا سہتے پھرتے ہیں خود پر، آپ آخر ہیں کیا؟ ہیں کون؟ آپ کے گھر والے ان سے کوئی رابطہ کا ذریعہ؟''

اس نے آنکھیں بند کر لیں جیسے کہنے کو کچھ بھی نہیں ہو۔ وہ دونوں خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے، مگر دوسرے دن ہی کی بات تھی وکیل حماد نور اس کے فلیٹ کے سامنے کھڑے تھے۔ سلمان نعیم نے حیرت سے دیکھا تھا پھر جب اس کی حیثیت پہچانا تھا تو چیخ پڑا تھا۔

''اچھا تو یہ وہ پیارا سا آرٹسٹ ہے۔ جس کی لکیروں پر انہوں نے کبھی بحث کی تھی اور جس کے اچانک منظر سے ہٹ جانے کو انہوں نے کم علمی کی بنا پر سسٹم کی خرابی اور قابلیت پر دولت کی سرداری کا پیپر پڑھا تھا اور بہت دکھ سے ایک اچھے آرٹسٹ کے کھو جانے کا دکھ منایا تھا۔ وہ اس کے صورت آشنا نہیں تھے، مگر اس پر جب جب خبر لگتی وہ ضرور پڑھتے اس کی کمبائن اور سولو نمائش دیکھنے جاتے تب بھی منصوری الماس کو دیکھ کر مل کر بھی وہ ان کا اور شعیب منصوری کا رشتہ نہیں جان سکتے تھے۔ تب انہوں نے اسکول چھوڑ کر نیا نیا کالج جوائن کیا تھا۔ تب اپنے جیسا جوان امنگوں سے بھرا ہر چہرہ ایج گروپ کی نمائندگی کرتا، ہر کردار اپنا کردار لگتا تھا اور تب ہی وہ اس کردار کے غائب ہو جانے پر بہت دنوں تک اداس رہے تھے، پھر مصروفیت نے سب کچھ بھلا دیا تھا اور آج یہ وہی شعیب منصوری تھا، ان کے اتنے قریب آ گیا تھا اور وہ اسے مسترد کیے جا رہے تھے۔

''شعیب منصوری واقعی یہ حق رکھتا ہے وہ چاہے تو کچھ بھی بدل دے، کیونکہ اس نے محبت کرنا سیکھ لی ہے، محبت کرنے کا فن جانتا ہے اور ایسے لوگ سنوارنے کا ہنر کمال رکھتے ہیں۔ وہ مٹ جاتے ہیں اس لیے سنوارنے میں طاق ہوتے ہیں۔ وہ دونوں مکمل سرنگوں ہو چکے تھے جب تیسرے دن وہ گھر آ گیا تھا۔ اماں اور عصمہ نے اس کی تیمارداری میں جان لڑا دی تھی۔ وہ بیماری اور تنہائی سے آدھا رہ گیا تھا جب مہر سیما اس کے روم میں داخل ہوئی تھی۔

وہ کچھ ساعت چپ رہا پھر فکر مندی سے بولا۔

''آپ اور یہاں؟ آپ کو خوف نہیں ہوا کہ آپ کی زندگی کی داستان میں ایک واقعہ کا اور اضافہ ہو جائے گا''

اس نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ پھول گلدان میں لگانے لگی پھر بھرپور اعتماد سے بولی۔

''میں نے دراصل اس بات پر خود کو راسخ کر لیا ہے، اگر آپ کا ضمیر مطمئن ہے تو پھر کوئی بھی گواہی، کوئی بھی داستان آپ کا دل میلا نہیں کر سکتی۔''

وہ سامنے کرسی پر بیٹھ گئی تھی تب اس نے پہلی بار کہا تھا۔

''کیا آپ اپنا دکھ مجھ سے شیئر نہیں کریں گی مہر؟''

''ارے مجھے کوئی دکھ نہیں ہے۔ آپ خود کو پریشان مت کریں۔ ایک ملاقات نے یہاں تک تو پہنچا دیا ہے۔ اب پوری داستان سن کر آپ کہاں جانا چاہتے ہیں۔''

وہ ہنسنے لگا۔ ''افوہ آپ غلط سمجھیں، دراصل یہ جھٹکا کچھ اپنی ذاتی پرابلمز کا شاخسانہ تھا۔ آپ دل پر کوئی اثر نہ لیں، ایسے میں کئی جھٹکے سہہ چکا ہوں، یونو جب آپ جذباتی ہوں اور کسی کا کاندھا دستیاب نہ ہو تو انسان ایسے میں ٹوٹ ہی جاتا ہے۔ یہ تو فطری بات ہے۔''

''ہاں شاید یہ فطری بات ہے۔ میں اس دکھ سے آشنا ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا تھا۔

''آپ اگر اپنا سمجھتی ہیں تو بتایئے نا کیا مس ہیپ ہوا ہے زندگی میں۔''

وہ ہنسنے لگی، یوں جیسے کوئی رونے کی آواز دبانے کے لیے ہنسنے لگے پھر بہت دیر بعد بولی۔

''میری بہت لمبی داستان نہیں ہے۔ بے حد مختصر واقعہ ہوا تھا۔ ایسا واقعہ جو کتنی ہی لڑکیوں کے ساتھ ہو جاتا ہے اور کوئی ان کے دکھ سے آشنا بھی نہیں ہوتا۔'' لمحہ بھر کو رک کر اس نے کھڑکی کا پٹ بند کر دیا تھا۔ پھر بولی۔

''میں کالج میں پڑھتی تھی پاپا کی لاڈلی تھی۔ بہت آگے جانے کے خواب دیکھتی تھی۔ میرے پاپا نے ان خوابوں کے لیے زرخیز ماحول دیا تھا، ان دنوں میں پری انجینئرنگ میں تھی۔ کو ایجوکیشن تھا ہمارا، وہاں ایک امیر نوجوان سے تلخ کلامی ہوگئی۔ پاپا نے حق بات کہنے کا شعور دیا تھا اور میں نے اس شعور کو آزمایا تھا مگر یہاں اس دنیا میں، بہت سی باتیں صرف پڑھ کر بھول جانے والی ہوتی ہیں اور میرا قصور تھا میں نے یہ سب یاد رکھا تھا۔

وہ لڑکا اس تلخ کلامی کو اپنی انا کا مسئلہ بنا گیا تھا، پاپا نے اس سے اچھے الفاظ میں میری طرف سے دل صاف کرنے کی اور اس کو غلطی پشیمان کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس نے معاملہ ختم نہیں کیا اور مجھے اغوا کروا لیا۔ وہ تین دن تک میری بے بسی کا تماشا دیکھتا رہا پھر مجھے آزاد دیا، مگر پاپا اس صدمے سے جانبر نہیں ہو سکے تھے۔ محلے کے ہر شخص کی زبان پر داستان تھی۔ میرے گھر سے بھاگ کر من پسند شادی کی داستان اور نجانے کیا کیا۔ تب میں نے ہر ایک کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی بقا کی جنگ لڑی، مجھے لگتا تھا میں دنیا کے لیے مر چکی ہوں مگر مجھے اپنے بھائیوں کے لیے زندہ رہنا تھا سو میں اپنے گرد کمزوری اور بزدلی کے تنے ہوئے خول کو توڑ کر مہر سیما کا نیا احیاء کیا۔ مجھے اسی دنیا میں رہنا تھا اسی دنیا کے لوگوں میں۔ سو مجھے ان جیسا ہی بن جانا تھا، مجھے حقیقت کی آنکھ میں آنکھیں ڈالنی تھیں۔ میں جانتی تھی میں کسی افسانے ناول کی ہیروئن نہیں جس کی داستان میں کہیں سے بہت اعلا ظرف، سب کچھ بھول کر اپنا لینے والا ہیرو آجاتا ہے یا وہی اکھڑ، بدمزاج ہیرو پشیمان ہو کر مظلوم ہیروئن کو بیاہنے آن کھڑا ہوتا ہے۔ حقیقت میں یہ سب کچھ نہیں ہوتا اور مجھے اسی تلخی سے دل کا جام بھر کر جینا تھا۔ سو میں اب تک اپنی بقا کی جنگ میں جتی ہوئی ہوں، ہاں کبھی کبھی گھبرا جاتی ہوں تو شکر سے سوچتی ہوں میری کوئی بہن نہیں ورنہ میرے جرم کی وہ کس قدر کڑی سزا بھگتی۔ جب میں یہ سوچتی ہوں تو میرے دل کو صبر آجاتا ہے۔ شعیب جب کوئی تکلیف ہم تنہا اپنی ذات پر جھیلتے ہیں تو ہمارا دل چاہتا ہے کوئی اس معاملے میں ہمیں شیئر کرے مگر جب وہ تکلیف ہم برت چکتے

ہیں تو ہم سوچتے ہیں خود سے محبت کرنے والوں کو اگر تکلیف درد اور دکھ سے بچانے کے لیے ہماری روح آبلہ ہو بھی جاتی ہے تو بھی یہ سودا مہنگا نہیں۔ ہمارے ہونے کا یہی اجر کافی ہے۔

میں نے ایک جگہ پڑھا تھا، کیرو لکھتا ہے اور کیا خوب لکھتا ہے۔

وہ لکھتا ہے۔

''قسمت کیا ہے؟

ایک مکمل قانون جس نے ہر چیز کو خیر کے لیے بنایا۔

تاکہ انسان اپنے اچھے اعمال کا اچھا اجر پاسکے۔

تاکہ انسان اپنے افعال واشغال میں دنیوی جاہ مرتبہ کے جائے صداقت اور اعلا قدروں کو پیش نظر رکھے۔

تاکہ ایک کی کامیابی سب کی کامیابی بن سکے۔ سب اس سے فیض اٹھاسکیں۔

یہی اس دانا، بینا ہستی کی مرضی ہے

جو حقیر ترین مخلوق سے بھی غافل نہیں رہتی۔

اے خدا ہم تیرے ارادوں اور مصلحتوں سے نا آشنا ہیں۔

ہمیں خبر نہیں کہ انسان کی تخلیق سے تیرا مقصود اصل کیا ہے۔

تیرے مقابلے میں ہم محض بے حقیقت ہیں اس لیے ہمیں معاف فرما۔ ہم تجھ سے کچھ مانگ نہیں سکتے تو ہی ہمیں وہ سب کچھ عطا کردے جو ہمارے لیے ضروری ہے۔

تو ہی ہماری زندگی، ہماری موت اور ہماری لازوال روح ہے ہم کچھ نہیں، کچھ نہیں۔''

وہ یقین کی کس منزل پر کھڑی تھی۔ اسے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی پر کوئی شکوہ نہیں تھا۔ کہیں اس کے اندر ہمت اور طاقت میں کمی آنے لگی تھی، وہ پھر سے خود کو مجتمع کرنے لگا۔ اس لڑکی کو اپنے خدا پر جتنا یقین ہے مستقبل کے کسی اچھے دن کا اس کو جس قدر انتظار ہے، پھر وہ اچھا مستقبل اس سے کیسے دور رہ سکتا تھا۔ اس نے بہت ساری دعائیں اس کے گرد حصار کی تھیں، وہ زندگی کرنے کے قابل تھا جب ایک دن اسنوکر کھیلتے اس کے موبائل پر وہی اسٹوڈیو والا نمبر آیا۔

''مجھ میں کچھ اور سہنے کے لیے ہمت نہیں ہے اب کیا سنانا باقی ہے لالہ؟''

وہ موبائل آف کر کے کرسی پر بیٹھ گیا۔ سلمان نعیم اور حمید آفاقی اس کے ساتھ تھے پھر وہ ایک گھنٹے بعد اپنے فلیٹ کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا، جب اس نے اپنی سیڑھیوں پر لالہ کو دیکھا تھا اور بت ہو گیا تھا۔

''لالہ تم...... تمہیں میرے اس گھر کا پتا کیسے چلا، تم آخر کیسے مجھ تک پہنچ جایا کرتی ہو۔''

اس نے سر جھکا لیا"میں برسوں سے آپ کے پیچھے دوڑ رہی ہوں بھائی! لیکن آپ کو کہیں رک کر مجھے سننا ہی گوارا نہیں ہے۔"

اس نے غور سے دیکھا لالہ منصوری یکدم بڑی بڑی لگنے لگی تھی۔

"اندر آ جاؤ یہاں کیا باتیں ہوں گی۔"

وہ اسے اپنے فلیٹ میں لے آیا، لائٹ آن کی وہ پہلے سے زیادہ واضح اور صاف دکھائی دی۔ اس لڑکی کو وہ پچھلے آٹھ سال سے نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ تھی اور بہت حق سے سامنے کھڑی تھی۔

"ماں کیسی ہیں؟ اس نے ٹھنڈے پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا اور وہ شکستگی سے بولی۔

"ایک بار میں نے آپ کی ڈائری میں ایک نظم لکھی تھی اس نظم پر آپ خوب خفا ہوئے تھے اور آپ نے کہا تھا۔" مجھے مایوسی بھری شاعری سے چڑ ہے لیکن یہ تمہارے ہاتھ کی لکھی نظم ہے اس لیے میں اسے پھاڑوں گا نہیں مگر لالہ منصوری تم اپنا ذوق او نچا رکھو امید لکھو، امید پڑھا کرو" شوبی بھائی کیا وہ نظم آج بھی آپ کے پاس محفوظ ہے؟"

اس نے خالی آنکھوں سے اسے دیکھا کہ ان آٹھ سالوں کا ایک ایک دن نظم میں لکھے ہوئے ایک ایک لفظ میں حسرت، تشنگی اور دکھ بن کر ٹھہر گیا تھا۔ ڈائری سامنے کھلی پڑی تھی اور نظم باہر جھانک رہی تھی۔

ہم وہ بے درد ہیں

خواب گنوا کر بھی جنہیں نیند آ جاتی ہے

سوچ سوچ کر بھی جن کے ذہنوں کو کچھ نہیں ہوتا

ٹوٹ پھوٹ کر بھی جن کے دل دھڑکنا یاد رکھتے ہیں

ہم وہ بے درد ہیں

کہ جن کے آنسو

آنکھوں کا رستہ بھول جاتے ہیں

ٹوٹ کر رونے کی کوشش میں جو

بات بے بات مسکراتے ہیں

شام سے پہلے مر جانے کی خواہش میں جو

جیتے ہیں اور

جیتے ہی چلے جاتے ہیں

وہ اس کی ڈائری کھولے بیٹھی تھی اور وہ اس کے پیروں کے پاس فلور کشن پر آن بیٹھا تھا۔

''جب میں گھر سے نکلا تھا تو میرے پاس کوئی زادِ راہ نہیں تھا، مگر تمہاری یہ نظم میرے لیے ایسی تھی جیسے کسی بہت اجنبی بستی میں کوئی واحد اپنا، اس کے لفظ لفظ نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر دلاسا دیا جب جب میں اکیلے بیٹھ کر رو دیا تو اس نظم کا کاندھا ہی تھا جس نے میرے آنسو جذب کیے۔ یہ نا امیدی کی نظم تھی، مگر اس نظم سے مجھے ہمیشہ تم یاد آتی تھیں۔ میری عزیز از جان بہن...... تو میرے دل کے تار ٹوٹتے ٹوٹتے جڑ جاتے تھے۔ مجھے لگتا تھا کہ تم جو جاتے سے مجھ سے خفا تھیں، اب مجھ سے خفا نہیں ہو گی۔ بہنوں کے دلوں سے خفگی تو آٹھ سیکنڈ میں دور ہو جاتی تھی۔ میں تو تم سے آٹھ سال سے دور ہوں پھر تم مجھ سے کہاں خفا رہی ہو گی، مگر جب بھی تمہارا نمبر دیکھتا تھا میں ڈر جاتا تھا کہ کہیں تم پھر سے مجھے ریزہ ریزہ کرنے نا آ جاؤ، میں نے بہت مشکلوں سے خود کو جوڑا تھا۔''

اس نے ڈائری بند کی پھر نم آنکھوں سے پکارا۔

''جب میں نے حماد نور سے آپ کا یہ پتا لیا تھا، آپ کا موبائل نمبر لکھا تھا تو انہوں نے ایک بات کہی تھی۔ ''جو لوگ خود سے ناراض ہوں، وہ کبھی بھی منائے نہیں جا سکتے۔ ہماری مرضی سے خفا لوگ صرف اپنی مرضی سے مانا کرتے ہیں۔'' اور میں ان کی اس بات کو بہتر سمجھ سکتی تھی ہماری مرضی سے خفا لوگ، واقعی یہ سب کچھ بہت تلخ ترین سچ جیسا تھا۔ نشاء حسین کے معاملے میں، میں نے خود خفا کیا آپ کو۔ سو جب میں یہاں کراچی یونیورسٹی میں لیکچرر ہوئی تو میں نے خود سے کہا۔

''جو لوگ میں نے گنوائے اب تک ان میں تم سب سے قیمتی حوالہ تھے میرا اور مجھے تمہیں منا لینا ہے۔ چاہے تم کتنا ہی دھتکارو، دھکے دو میں تمہارا سارا غصہ پی لوں گی اور تمہیں پاپا کے ''محبت گھر'' میں واپس ضرور لاؤں گی۔'' تمہیں نہیں پتا لیکن ماں اس واقعے کی پرتیں اترنے پر، تمہاری بے گناہی ثابت ہونے پر خود پر ہزار صدی جیسا روئی ہیں۔ انہیں لگا تھا انہوں نے اپنا سب سے پیارا بیٹا گنوا دیا ہے، وہ بیٹا جو ان کی محبت کی سب سے دلکش صورت گری تھا۔ ماں نے کبھی نہیں کہا مگر مجھے پتا تھا وہ جب بھی مجھے دیکھتی تھیں، تب ان کی آنکھوں میں ایک ہی سوال ہوتا تھا، کیا تم میرے شعیب منصوری کو میرے لیے منا کر نہیں لا سکتیں۔؟'' تب سے میں نے عزم کر رکھا تھا میں ایسا ضرور کروں گی۔ تمہیں پتا ہے شوبی بھائی مجھے کیا لگتا تھا۔''

رک کر اسے دیکھنے لگی پھر جذب سے بولی۔

''مجھے لگتا تھا میری قسمت مجھے چاہے کتنا بھی ستائے میری محبت کی طاقت مجھے کبھی بھی ناکام نہیں کرے گی۔ یہی وجہ تھی جہاں تمہارے ملنے کا ہونے کا انکل حماد سے پتا چلتا۔ میں وہاں ضرور پہنچتی، لیکن تم محبت کا محبت سے سامنا ہی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ تم تو محبت کو خفگی سے بھی دیکھنے کے روادار نہیں تھے ورنہ کب کا تمہیں منا ہی چکی ہوتی۔''

اس نے آنسو بھری آنکھیں سے اسے دیکھا۔ بازو پھیلا کر اسے بلایا اور وہ لالہ منصوری جو ادق سے ادق معاملہ بنا کسی مشکل کے حل کر لیا کرتی تھی۔ وہ بت بنی بیٹھی رہی۔

''اب کیا مجھے تمہیں منانا پڑے گا۔'' وہ اٹھ کر اس کے پاس چلا آیا اور وہ دھواں دار رونے لگی۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم اتنی آسانی سے بھی مان سکتے ہو۔''

وہ اس کے کشادہ سینے پر سر رکھ کر رونے لگی تھی اور وہ اس کے شیگی کٹ بالوں میں انگلیاں پھنسائے کہہ رہا تھا۔

''آٹھ برس میں لالہ کی بچی تو بالکل نہیں بدلی، ویسے ہی ہونق اور شکی ہے۔ سن مجھے کیا لگتا تھا میں تیرا بھائی ہو کر زیادہ دیر تیری طرح تجھ سے ناراضی افورڈ کر سکتا ہوں۔''

وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ اس لمحے وہ صرف شعیب منصوری کو محسوس کر رہی تھی۔ اس حوصلہ کو اپنے اندر پھر سے سانس لیتے محسوس کر رہی تھی، جو اس کے اچانک چلے آنے سے اندر مر سا گیا تھا۔ پھر کتنی ساعتیں دونوں کچھ بول ہی نہیں سکے تھے۔ شعیب منصوری اب فلور کشن پر بیٹھا تھا اور وہ کچن میں کھڑی چائے اور اس کے اور اپنے لیے سینڈوچز تیار کر رہی تھی۔

کمرے میں ہلکی ہلکی ان دونوں کی پسندیدہ نیرہ نور کی سریلی آواز گونج رہی تھی۔

''تم اب بھی نیرہ کو اتنی ہی لگن سے سنتے ہو۔'' وہ اٹھ کر کچن کے کاؤنٹر کے پاس رکھے اسٹول پر آن بیٹھا۔

''ہاں شاید نیرہ کی آواز میں جو گہرائی ہے اس نے کبھی مجھے مایوس نہیں ہونے دیا۔ اس شہر میں تمہاری نظم اور یہ آواز ہی تو میرا اثاثہ تھا۔ ویسے تم سناؤ، تم نے شاعری پڑھنے میں ابھی تک وہی نان اسٹاپ ریکارڈ رکھا ہے یا زندگی میں کچھ ٹھہراؤ آ گیا ہے۔''

''وہ مسکرانے لگی۔'' نہیں تمہارے خیال سے بھی زیادہ رگ جاں بن گئی ہے شاعری مگر آٹھ سال سے مزہ نہیں رہا اس میں۔ دراصل نظم پڑھ کر تمہیں سنانے اور پھر اس پر رائے لینے کا، دینے کا جو مزہ ہے، وہ تو خود نظم میں بھی نہیں تھا۔''

وہ دونوں چائے لے کر واپس فلور کشن پر آن بیٹھے تھے، تب اس نے پوچھا تھا۔

''نشاء حسین کیسی ہے لالہ! آخر اس نے یہ سب کیوں کیا تھا کچھ پتا چلا۔ آخر یہ بات کیسے کھلی تھی میری بے گناہی کیوں کر ثابت ہوئی؟''

اس نے تکلیف سے آنکھیں بند کر لیں، جیسے وہ قیامت کی گھڑی پھر سے اس پر بیت رہی تھی۔ کتنی دیر اسے خود کو مجتمع کرنا پڑا تھا پھر اس نے کہا تھا۔

''نشاء حسین اس سارے معاملہ میں بالکل اپنے پلان کے مطابق جا رہی تھی۔ گھر میں اس ہنگامے سے اکھاڑ پچھاڑ کا عالم تھا اس کی امی ماں کے پاس آ کر اس معاملے کا سارا الزام آپ پر ڈال چکی تھیں۔ اس کے ماموؤں نے گھر کا رستہ ہی دیکھ لیا تھا۔ پاپا کے دسویں کے بعد وہ ماں کے پاس آ آ کر چیخ رہے تھے۔ ان کا خیال تھا انہوں نے آپ کو معاملات سنبھالنے کے لیے گھر سے کہیں بھیج دیا ہے اور وہ چاہتے تھے کہ نشاء حسین کے ساتھ جو کچھ ان فیئر کیا گیا ہے اس کے لیے یہی انصاف ہے شعیب منصوری کو کہیں سے بھی برآمد کر کے اس کے سات بیاہ دیا جائے۔ امی ان کے مطالبات سے عاجز آ گئی تھیں۔ کبھی رونے لگتی تھیں۔ راتوں کو اٹھ کر کبھی تہجد میں گلہ کرتی تھیں انہیں کیسا بیٹا ملا ہے جس نے ان کی عزت خاک میں ملا دی ہے۔ میں ماں سے کہتی جو ہونا تھا اب صرف اس پر صبر کرنا ہی چاہیے، تب نشاء حسین کے لیے طیفی کا رشتہ آیا۔ نشاء حسین نے اس دن مجھے فون کیا۔ وہ مجھے ستانا چاہتی تھی۔ اس نے فون کر کے کہا۔

''دیکھو طیفی کتنا اچھا انسان ہے تمہارے بھائی کی بدکرداری کو اپنے کردار کی بلندی سے سب کی نظروں سے منہا کرنا چاہتا ہے۔''

میں اس کے فون پر خوب روئی تھی۔تب ان کے گھر سے چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دیں۔اس کے ماموں طفیلی پر چڑھ دوڑے تھے۔ وہ ان کے خاندان کے حساب سے بے حد کمتر تھا وہ کہہ رہے تھے جیسا طفیلی ہے۔اس کے جیسے تو ان کے گھر کے ملازمین ہیں۔تب اس نے زمین پر تھوک کر کہا تھا۔

''تمہاری بیٹی نے جو کیا ہے اس کے لیے تمہارے ملازمین بھی نہ چاہیں گے کہ وہ ان کی بیوی بنے۔میں تو پھر بھی چلا آیا ہوں، آج آپ مجھے دھکے دے کر نکال رہے ہیں لیکن کل ہاتھ جوڑ کر مجھے ہی ڈھونڈتے پھریں گے۔''

ماموؤں کو زعم تھا وہ کسی قیمت پر ایسا نہیں کرنا چاہ رہے تھے وہ ہم پر چڑھ دوڑے تھے کہ نشاء حسین کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی، وہ ایمرجنسی میں تھی۔جب اس نے ماں کو بلایا تھا میں ساتھ گئی تھی، تب اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا تھا۔

''تمہارا بھائی بے قصور ہے لالہ! یہ سب کچھ میرا اور طفیلی کا پلان تھا۔ہم دونوں شادی کرنا چاہتے تھے یا شاید صرف میں اب شادی کرنا چاہتی تھی مگر جانتی تھی طفیلی کے لیے گھر میں کوئی نہیں مانے گا پھر شعیب نے مجھے طفیلی کے ساتھ دیکھ لیا تھا، وہ میرے پیچھے پڑ گیا تھا۔وہ روز مجھے سمجھانے آ جایا کرتا تھا۔وہ کہتا تھا میں غلط کر رہی ہوں، میں غلط راستے پر جا رہی ہوں میں کچھ سمجھ نہیں پاتی تھی جب مجھے اپنے اور طفیلی کے تعلق کے بعد ہونے والے معاملے کا پتا چلا میں نے طفیلی پر زور ڈالا کہ وہ مجھ سے شادی کر لے وگرنہ میں اس کو سب کے سامنے بے عزت کر دوں گی اس نے سنا تو ہنسنے لگا اس نے کہا۔

''تم مجھے بے عزت کرو گی تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑنے والا ایسے کئی معرکے میں نے مارے ہیں، ایک تم بھی میرے نام کی شہرت بن جاؤ۔''

میں ہراساں تھی تب مما نے مجھ سے اس شخص کا نام پوچھا جو اس حادثے کا باعث بنا۔میں زمین اور آسمان کے درمیان معلق تھی جب اچانک شعیب مجھے تمہارے گھر سے منگائی کتابیں دینے آئے۔''کیا ہوا خالہ؟'' انہوں نے پوچھا، مما رونے لگیں۔انہوں نے پھر سے ان کے سامنے مجھے دھنک کر رکھ دیا۔تب بس میں خود غرض بن گئی۔مجھے لگا شعیب کے اندر اتنا رحم ہے کہ وہ مجھے ان حالات سے نکال لیں گے۔میں نے کہا۔''وہ شخص یہ ہیں'' مما کتنی دیر سکتے کی کیفیت میں کھڑی رہی اور شعیب تو لگا مر گئے ہیں، ان کی پتلیاں تک حرکت نہیں کر رہی تھیں۔مما انہیں برا بھلا کہنے لگی تھیں، پھر انکل کی ڈیتھ کے بعد شعیب کے منظر سے ہٹ جانے کے بعد میں بالکل بے یار و مددگار ہو چکی تھی، جب طفیلی دوبارہ آیا۔اس نے کہا۔وہ شاید مجھ سے واقعی محبت کرنے لگا ہے اس لیے وہ اس معاملے میں مجھے سپورٹ کرے گا۔میں نے شعیب کی بابت بتایا تو وہ کمینگی سے ہنسنے لگا۔''پھر تو میرے کردار کی عظمت تو بڑھ ہی جائے گی، تمہارے گھر والے میرے آگے پیچھے پھریں گے۔'' وہ آیا مگر گھر والوں نے اسے مسترد کر دیا۔ لالہ میری یہ حالت شعیب کی خاموش بددعا کا نتیجہ ہے۔''

وہ یہ کہہ کر رونے لگی۔ڈاکٹرز اس کے لیے جواب دے چکے تھے اس لیے اس نے مرنے کے خوف سے سچائی بیان کر دی، مگر دو ہفتے تک زندگی اور موت کی جنگ لڑتے لڑتے وہ زندگی کی طرف لوٹ آئی تو اس کے پاس اس کی ماں کے سوا کوئی نہیں تھا۔میں ماں کے ساتھ اس سے ملنے گئی تھی۔اس کے خوف نے سچائی بیان کر کے میرا بھائی بے گناہ ثابت کر دیا تھا۔میں اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی تب آنٹی نے ماں کو گلے لگا کر نشاء

کی اس غلطی پر، پاپا کی وفات پر رو رو کر معافی مانگی۔ نشاء کے دونوں ماموں جو اس کے والد کی وفات کے بعد سے ان کے گارجین تھے اس بات کے بعد سے انہوں نے ان کے گھر سے اپنا جینا مرنا ختم کر دیا تھا۔ ان کا خیال تھا نشاء نے انہیں ساری دنیا میں تماشا بنا دیا تھا۔ سو آنٹی نے ماں سے مشورہ کے بعد طفی کو پھر سے بلا بھیجا تھا۔ نشاء ٹھیک ہو کر گھر آ گئی تو تین ماہ بعد اس کی شادی طفی سے طے کر دی۔ میں اس سے ملنا نہیں چاہتی مگر وہ مجھ سے خود ملنے آ گئی تھی۔ اس نے بلک کر کہا تھا لالہ! میں بہت بری لڑکی ہوں۔ لوگ جب کہتے تھے یہ لڑکی منحوس ہے، اپنے باپ کو پیدا ہوتے ہی کھا گئی تو میں رو رو کر سر پر آسمان اٹھا لیتی تھی۔ تب مما میرے لیے ڈھارس بن جاتی تھیں۔ وہ کہتی تھیں میری بیٹی دنیا کی سب سے پیاری اور بھاگوان لڑکی ہے۔ مگر شعیب کی زندگی کو جس طرح میں نے برباد کیا ہے۔ اس پر میں خود کہتی ہوں میں واقعی منحوس لڑکی ہوں اللہ نے مجھے بہت خوش قسمت بنایا تھا، مگر میں نے اپنی زندگی خود برباد کی، اپنی زندگی کے فیصلے اپنے اللہ کو نہیں کرنے دیے خود اپنی مرضی سے اپنی قسمت لکھی سو اس کی ساری سزائیں بھی میری ہیں۔ تمہیں پتا ہے لالہ طفی کتنا برا انسان ہے۔"

وہ کہہ کر رک گئی تھی بھائی پھر ایسا لگا تھا موت اس کے ہونٹوں پر نیلاہٹ پھیلا گئی تھی۔ تب اس نے خالی لہجے میں کہا۔

"وہ اتنا برا انسان ہے لالہ کہ میں کسی کتے کے برتن میں کھانا کھا سکتی ہوں مگر اس کی شخصیت جاننے کے بعد اس کے ساتھ سانس بھی نہیں لینا چاہتی، مگر میں جب شعیب کا سوچتی ہوں تو مجھے لگتا ہے اگر میں اپنے گناہ کی یہی سزا بھگت لوں تو شاید روز محشر میرا اعمال نامہ بہتر ہو جائے لالہ! وہ شخص مجھ سے محبت نہیں کرتا۔ وہ کہتا ہے اسے رہنے کے لیے ایک گھر چاہیے اور عیش کے لیے ایک پڑھی لکھی بیوی جو اسے کما کر کھلا سکے چاہے وہ کسی بھی طرح کمائے اسے اس سے مطلب نہیں۔ اسے مجھ سے بھی مطلب نہیں بس پیسے سے مطلب ہے۔ وہ کہتا ہے تمہاری ماں نے تھوکا ہوا چاٹا ہے تم دیکھنا میں اس کو کیسے کیسے نہیں ستاتا۔ وہ پتا نہیں کیا کیا کرنا چاہتا ہے مگر میں اب احتجاج نہیں کر سکتی۔ میں نے اپنا ہر حق کھو دیا ہے لالہ! کیونکہ وہ کہتا ہے وہ مجھ پر زندگی بھر اعتبار نہیں کرے گا اور وہ اولاد نہیں چاہے گا، کیونکہ اسے اس اولاد کے اپنے ہونے کا یقین نہیں آئے گا۔ میں بند گلی میں ہوں لالہ! بند گلی میں اور مر جانا میری قسمت......"

وہ پھر چلی گئی دوبارہ کبھی نہیں ملی۔ ظل قمر کے والد اس معاملے سست جانے پر ہمارے گھر آئے تھے۔ ماں نے ان سے پھر تمہارے متعلق بات کی تھی۔ ماں کا خیال تھا وہ تمہاری زندگی کی پہلی خوشی ہے مگر مجھے یقین تھا وہ تمہاری زندگی کی شاید آخری خوشی بھی تھی پہلی محبت انسان کے لیے ساری زندگی پہلی بار دیکھے چاند کی طرح ہوتی ہے۔ جب ہم اسے ان ہی کی ہمک سے دیکھتے ہیں، ہاتھ بڑھاتے ہیں اور ہماری مائیں اس سے منسلک مائتھالوجی میں آدھا آدھا بانٹ دیتی ہیں اور ہم سند باد جیسے کسی سفر کو اپنے اندر بھوگتے ہیں برستے ہیں۔ پہلی محبت ان دیکھی سرزمین کے لیے جانے والے سفر کی طرح ہمیشہ ہماری یادوں میں تازہ رہتی ہے اور ماں نے یہی چاہا تھا کہ وہ تمہیں مل جائے مگر ظل قمر نے انکل آنٹی کو انکار کر دیا۔ وہ کہتی تھیں وہ کسی سے بھی شادی کر لیں گی مگر شعیب منصوری سے نہیں کریں گی۔ انہیں ماں نے بتایا وہ سب جھوٹ تھا تو وہ کہنے لگیں۔ "میں جان چکی ہوں مگر میں پھر بھی اپنا فیصلہ نہیں بدلوں گی۔" پھر یہ سلسلہ خود ختم ہو گیا ظل قمر کی وجاہت ظفر سے شادی ہو گئی۔ وہ کراچی آ گئی تھیں شادی کے بعد۔"

وہ کہتے کہتے یکدم رکی پھر ڈرتے ڈرتے پوچھنے لگی۔

''آپ ظل سے ملے تھے بھائی؟'' اس نے پلکوں میں اترتی نمی کو اندر دھکیلا۔

''نہیں، میں نہیں ملا ظل قمر سے، کراچی بہت بڑا شہر ہے بس! یہاں پر کھو جانا بہت آسان ہے اور ملنا مشکل ترین۔'' لالہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا مگر وہ برتن اٹھا کر سنک کی طرف بڑھ گیا تھا۔

''آپ بیٹھیے میں خود دھولوں گی۔'' اس نے برتن دھونے شروع کیے اور وہ ہاتھ ٹاوَل سے صاف کرتا اس سے مخاطب ہوا۔

''تم کراچی میں کہاں رہتی ہو؟''

''کہاں رہنا ہے، تمکین خالہ کے گھر رہ رہی تھی۔ میں تو ورکنگ ویمن ہاسٹل میں رہنے کی خواہاں تھی مگر ماں نے خالہ کو فون کر دیا تو وہ مجھے ایئر پورٹ سے ہی گھر لے گئیں، ان کی کوئی اولاد تھی نہیں سو میری جگہ آسانی سے بن گئی۔''

''اچھا تمکین آنٹی! یہ وہی نہیں ہیں جن کی الماری سے ہم چپکے چپکے بسکٹ اور چاکلیٹ چرا کر کھاتے تھے اور جب وہ ماں کے سامنے ہماری شکایت لگاتی تھیں تو انکل کہتے، تم خوامخواہ انرجی برباد کرتی ہو ورنہ یہ ہی بتا دو، تم یہ سب چیزیں کس کے لیے خریدتی ہو۔ تب آنٹی کتنا ہنستی تھیں مجھے یاد ہے وہ مجھے اور تمہیں کتنا چاہتی تھیں، پھر انکل کی نوکری کی وجہ سے جب وہ ہم سے جدا ہو رہی تھیں تو کتنا روئی تھیں۔

''کراچی تو مصروفیت کا لوگوں کا شہر ہے وہاں لوگ بہت ہیں مگر پھر بھی تنہائی حد سے زیادہ ہے۔''

''میں نے سوال کیا تھا آنٹی بہت سے لوگ ہوتے ہیں تو ہلا گلا رہتا ہے تنہائی کہاں ہوتی ہے۔'' تو وہ اور زیادہ رونے لگی تھیں میں ساتویں میں تھا مگر مجھے ان کا وہ چہرہ آج تک یاد ہے لالہ! کیا وہ پہلے جیسی ہیں یا ان کا چہرہ بدل گیا ہے۔

لالہ برتن خشک کر کے ریک میں رکھتے ہوئے پلٹی تھی۔ ''وہ پہلے جیسی ہیں ہاں مگر عمر نے انہیں تھکا دیا ہے، وہ کہتی ہیں اگر ان کی بھی اولاد ہوتی تو شاید وہ اتنا نہ تھکتیں۔''

شعیب کچھ نہ بولا اسے نشاء حسین اس جملے سے پھر سے یاد آ گئی۔ ''اولاد نیک ہو تو کتنی بڑی آسودگی ہے مگر وہ بے چاری لڑکی ہوس میں، محبت کے فریب سے مار کھا گئی۔ اسے اس پر دکھ ہو رہا تھا اور لالہ تمکین خالہ کے گھر فون کر رہی تھی۔

''میں بھائی کے پاس ہوں، شوبی بھائی کے پاس وہ بھی آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں، آپ ان کو یاد ہیں ہاں یہ لیں۔''

اس نے فون اچانک اس کی طرف بڑھا دیا پھر شعیب تھا اور تمکین خالہ کی لمبی باتیں سارے پرانے واقعات پھر سے دوہرائے جا رہے تھے۔

لالہ وہیں کارپٹ پر اس کی ٹانگوں پر سر رکھے رکھے سو چکی تھی۔ وہ فون بند کر کے اس کی طرف متوجہ ہوا اور اسے دیکھ کر مسکرانے لگا پھر آہستگی اس کا سر کارپٹ پر رکھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھا چادر اور تکیہ لا کر آہستگی سے اس کے سر کے نیچے رکھا چادر اوڑھائی مگر اس میں جنبش بھی نا ہوئی تھی۔

''بہت تھکی ہوئی ہے۔ شاید میرے پیچھے بھاگتے رہنے نے اتنا ادھ موا کر دیا ہے کہ اسے نیند کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں لگتی۔'' وہ خود بھی وہیں صوفے پر لیٹ گیا تھا پھر نیند نہیں آئی تھی۔ ہاں اک جاں گسل یاد تھی جو یکدم اس کے قریب آن رکی تھی۔

''آپ ظل سے ملے تھے بھائی؟''

نہیں کرنے والا شعیب دم سادھے بیٹھا تھا اور وہ اس کے سامنے کھڑی تھی، دونوں بک شاپ میں کتابیں پسند کر رہے تھے۔ ایک دوسرے سے بے خبر تھے مگر جب دونوں نے ''بارش کی آواز'' پر ہاتھ رکھا تو لمحہ خود خبر بن گیا، وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے تھے۔

مجھ کو اتنا کہنا ہے

پھول، بارش، خوشبو، چندا

مجھ کو اچھے لگتے تھے

اب تم اچھے لگتے ہو

کوئی کتنے دل سے سنا رہا تھا وہ اس کی آواز ہی میں گم تھا کہ ایک تیز آواز گونجی تھی۔ ''چلے جاؤ تم یہاں سے میں بھول جانا چاہتی ہوں کہ کبھی میں بھی تمہیں جانتی تھی۔''

''سنو، تم اکیلے رہتے ہو۔'' وہ کتاب رکھ کر اس کی طرف پلٹی تھی اور وہ جو اس منظر سے بھاگ جانا چاہتا تھا، تھم گیا تھا۔ تم ابھی تک اکیلے ہو؟''

''شاید کسی کے اعتبار کے قابل نہیں ہوں۔''

''تم نے کبھی یہ نہیں پوچھا تمہارا دل نہیں چاہا، تم پوچھو کہ میں نے تمہیں کیوں مسترد کر دیا۔

''میرا الزام بہت بڑا تھا، شاید اتنا بڑا کہ میری ساری سچائی چھوٹی ہو کر قدموں تلے روند دی گئی۔''

وہ کچھ نہیں بولی تھی خاموشی سے آگے بڑھ گئی تھی اور آج...... آج اس کا دل چاہ رہا تھا وہ پوچھے اس نے حقیقت پا لینے کے بعد بھی اسے کیوں چھوڑ دیا اور اس حقیقت کو جان کر بھی چار برس مزید اسے اسی آگ میں جلنے دیا۔ جس آگ میں وہ چار برس پہلے جل رہا تھا۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی مگر تھکے ہوئے دماغ کے لیے نیند ہی جنت ہے، سو وہ سو گیا تھا۔

صبح اس کی آنکھ لالہ کی آواز پر کھلی تھی۔ وہ ناشتہ لگائے جانے کا اعلان کر رہی تھی، وہ واش روم سے ہو کر ڈائننگ ٹیبل پر آن بیٹھا تھا پھر وہ یونیورسٹی فون کر رہی تھی۔ آج نہ آنے کی بابت چیئرمین کو مطلع کر رہی تھی جب اس نے ظل قمر کے گھر کا پوچھا تھا۔ اس نے بنا اگلا سوال کیے گھر کا پتا بتا دیا۔ وہ دفتر جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا جب مہر سیما نے گھر کی بیل بجائی۔

''آپ کی تعریف......؟'' اس نے کچھ کچھ شرارت سے پوچھا اور وہ گھورنے لگا پھر سنبھل کر بولا۔

''یہ مہر ہیں یہاں کی نہایت اچھی خاتون۔ خیریت مہر! آج صبح ہی صبح آپ......؟''

ادھورا جملہ چھوڑ کر وہاں اس کی آمد کی وجہ پر کرنے کی جگہ چھوڑی اور اس نے سر جھکا لیا۔

''وہ میں دراصل آج دفتر سے چھٹی کیے جانے کی اطلاع کرنے کے لیے آپ کا فون استعمال کرنا چاہتی تھی۔ پتا نہیں میرا فون کیوں خراب ہو گیا ہے۔'' اس نے فون کی طرف اشارہ کیا، وہ فون کرتی رہی اور لالہ اسے شرارت سے دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ بات ختم کر کے پلٹی تو شعیب منصوری کو اس کی توجہ بٹانے کے لیے پوچھنا پڑا۔ وہ آج چھٹی کیوں کر رہی ہے، اس کا خیال تھا بھائیوں میں سے کسی کا کوئی مسئلہ ہو گا۔ مگر

وہاں پر کھلا ایک رشتے کی خالہ اس کے لیے رشتہ لے کر آ رہی ہیں۔

''کیا کرتا ہے لڑکا؟''

''گورنمنٹ ملازم ہے، چار ہزار تنخواہ ہے مگر شعیب صاحب! میری چھ ہزار کی تنخواہ مل کر اچھا گزارہ بن جائے گی۔ ان کا ماں کے سوا کوئی نہیں ہے، کرائے کے گھر میں رہتے ہیں اس لیے شادی کے بعد وہ یہاں آ کر رہیں گے، پھر عظمت اللہ کو میرے بھائیوں کی شادی کے بعد ذمہ داری اٹھانے پر اعتراض نہیں ہے مجھے تحفظ مل جائے گا، شعیب صاحب مرد کی تو جوتی بھی بھاری ہوتی ہے وہ تو ایک معقول انسان ہیں، ان کی ماں کی دعائیں ملیں گی اور ان کا تحفظ...... مجھے اور کیا چاہیے۔ ہاں بس غصے کے کچھ تیز ہیں عظمت مگر مرد تو غصے کے بہت کم ہی ٹھنڈے ہوتے ہیں۔ وہ ایک اچھے انسان ہیں انہوں نے اس حادثے کے باوجود مجھے اپنا لینے کا فیصلہ ہے، یہ ان کی اچھائی ہی تو ہے پھر مجھے اپنے اللہ پر یقین ہے وہ مجھے اس نئے فیصلے میں برکت دے گا۔''

اس نے سر ہلایا تھا، اسے کچھ اور دعائیں دی تھیں اور لالہ چڑ گئی تھی۔

''آپ نے اتنی اچھی لڑکی کو جانے کیوں دیا۔ ویسے کیا ہوا تھا اس کے ساتھ؟ اس نے اس کے بال بکھرا دیئے تھے۔

''بری بات دوست کا راز دل میں رہنا چاہیے، ہر ایک کو نہیں بتانا چاہیے رہی اس کی بابت ایسا کیوں نہ سوچا تو لالہ جو میری قسمت کی لڑکی ہوگی نا، میں اس کے متعلق خود بخود ایسا سوچنے لگوں گا، بس ابھی تک وہ وقت نہیں آیا شاید۔''

اس نے سر ہلایا پھر دوسرے دن وہ جب خالہ تمکین کے گھر اسے لے کر گئی تو کتنی دیر تک وہ اس کے گھر سے جانے پر قلق کرتے رہے، مگر یہ سب یوں ہی ہونا تھا۔ خالہ تمکین نے اسی تنہائی کے لیے آدھا پورشن کرائے پر دے رکھا تھا۔ آمدنی اور پینشن کے ساتھ گزارہ بھی ہو جاتا تھا اور فیملی کے بچے ان کے ہی پورشن میں قلقاریاں مارتے پھرتے تھے۔ اس لیے لالہ کو ان کی بہت زیادہ فکر نہیں تھی۔ وہ بھائی کے ساتھ رہنے پر بہت خوش تھی پھر دوپہر کھانے کے بعد کی بات تھی۔ جب اس نے اپنے سوٹ کیس سے ایک ڈائری نکالی تھی پھر بولی۔

''اس دن یہ میرے پاس تھی اس لیے میں نے اس کی بابت کچھ نہیں بتایا تھا، مگر آپ کی یہ وہ امانت ہے جس کے لیے ہی میں آٹھ سال سے آپ کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ مجھے ایک ہی دھن تھی کہ ایک بار آپ سے ملوں، اپنی غلطی کی معافی مانگو پھر یہ امانت دوں آپ پھر چاہیں تو مجھے دھتکار ہی دیں مگر میرا فرض پورا ہو جائے گا۔''

اس نے تجسس سے ڈائری کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

پھر یہ تجسس باقی نہیں رہا تھا وہ پاپا کی لکھائی کو ہزاروں میں پہچان سکتا تھا اور کل سے آج تک وہ اپنی بریت کے باوجود ایک خلش سے ہی سلگ رہا تھا کہ سب کچھ ثابت ہو گیا مگر پاپا تو اس سے خفا ہی ہو گئے تھے مگر آج یہ خلش دور ہونے والی تھی۔ ڈائری کے ہر ورق کے صفحے پر اس کے لالہ کے لیے ان کے سوچے ہوئے خواب بکھرے ہوئے تھے پھر ایک صفحے پر آ کر جیسے تحریر تھم گئی تھی۔

18 جنوری 1991ء

او میرے خدا آج میں نے کیا سنا۔ میرے شعیب پر دنیا نے کیا الزام لگا دیا ہے وہ میرا پر تو ہے میں جانتا ہوں اسے...... وہ کچھ بھی کر سکتا ہے مگر یہ جرم اس سے سرزد نہیں ہو سکتا۔ جس کے لیے وہ موردِ الزام ہے۔ ساری دنیا اس پر حرف گیر ہے۔ اس کی ماں تک یہی سمجھتی ہے کہ اس نے ان کی تربیت کو داغ لگا دیا ہے اور میں یہ مانتے ہوئے میرا بیٹا ایسا نہیں کر سکتا، کسی کے دل سے اس بات کو مٹا نہیں سکتا۔ آج میں بہت بے بس ہوں بے حد بے بس مجھے آج ہر لمحے خدا یاد آتا ہے میں کہتا ہوں اگر میری زندگی کی قیمت پر بھی وہ میرے بیٹے کی بریت ثابت کر سکتا ہے تو کر ڈالے، مجھے کچھ بھی اہم نہیں لگ رہا، اس کے دکھ کے سوا میں جانتا ہوں، وہ جاننا چاہتا ہے میں اس کے متعلق کیا سوچ رہا ہوں، جس طرح مجھے صرف اس کی رائے کے اظہار کی عادت تھی وہ بھی یہی چاہتا ہے میں اس کے سامنے جاؤں اور خیالات کا اظہار کروں مگر مجھ میں ہمت نہیں ہے۔ میں اس کے سامنے جا ہی نہیں سکتا وہ ٹوٹا ہوا دل گیر سا شعیب دیکھنے کی مجھ میں تاب نہیں ہے۔ میں اسے اسی طرح کھلکھلاتا محبت کے بارے جھکا ہوا شعیب منصوری کے تصور میں دیکھنے کا تمنائی ہوں۔ میں نہیں دیکھ سکتا اس کی آنکھوں میں آنسو اور بے یقینی...... میں نہیں دیکھ سکتا۔ اس کی حسرت بھری آنکھ، اے کاش میں اس کا سامنا کرنے سے پہلے ہی کہیں چلا جاؤں اور پھر اس وقت تک نا آؤں جب تک یہ معاملہ اس کے حق میں نہ ہو جائے وہ آ کر یہ نہ کہے پاپا میری سچائی نے آپ کی محبت نے اتنے سخت مقدمے میں میری بقا کی جنگ پورے دل سے لڑی اور جیتی ہے۔ میں اسے صرف جیتا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں، میں اس کو شکست خوردہ نہیں دیکھ سکتا۔ اے میرے خدا، میرے خدا......"

باقی کے صفحے ان ہی پرانی باتوں سے بھرے ہوئے تھے، اس نے ڈائری بند کر کے لالہ کو دیکھا تھا۔

پھر رونے لگا تھا لالہ نے اسے روکا نہیں تھا وہ اچھی طرح دل کا غبار نکال چکا تو لالہ نے کسی کا نمبر ڈائل کیا۔

"میں نے ظل سے بات کی تھی، وہ آپ سے ملنا افورڈ نہیں کر سکتی۔ آپ اس سے فون پر بات کر لیں۔"

اس نے ریسیور تھام لیا۔ "ہیلو ہاں لالہ!"

"نہیں میں شعیب...... شعیب منصوری۔"

"آ...... آپ...... کیسے لالہ کہہ رہی تھی آپ مجھ سے بات کرنا چاہتے تھے، فرمائیے۔"

اتنا پر تکلف انداز ایسے انہوں نے کبھی بات نہیں کی تھی۔ مگر وہ اب اس لہجے میں بول رہا تھا۔

"آپ میری بریت سے واقف تھیں ظل! پھر بھی آپ نے مجھے اس دن کیوں نہیں بتایا، آپ کو میرے گزرے ہوئے مرے ہوئے چار سالوں پر بھی رحم نہ آیا اور آپ نے مجھے مزید چار سال کے لیے اسی بھٹی میں جھونک دیا۔"

وہ رونے لگی تھی پھر پکاری تھی۔

"میں محبت میں بہت خود غرض لڑکی نکلی شعیب! مجھے ہر چیز نئی رکھنے اور لینے کی عادت تھی پھر جب مجھے تم ملے تو مجھے لگا میری زندگی میں کوئی حسرت نہیں ہے تمہارے ساتھ پر مجھے فخر ہوتا تھا مگر میں تمہارے ساتھ رہ کر بھی تم سے محبت کرنا نہیں سیکھ سکی۔ تمہیں محبت یقین کے سوا کہیں نہیں

ملتی تھی اور مجھے محبت میں یقین صرف اپنی ذات کے ہونے کے یقین کے سوا کہیں نظر نا آتا تھا۔تم کہتے تھے دنیا کچھ کہے سب تمہیں چھوڑ کر چلیں جائیں، مگر میں پھر بھی تمہاری پشت پر رہوں تو مجھے لگتا تھا میں ایسا ہی کرنے والوں میں سے ہوں۔شعیب! برے حالات ہی کسی انسان کے کردار کی مضبوطی اور اس کی معاملہ فہمی کا ثبوت بنتے ہیں۔ بہادری، بزدلی یہ لفظ ہیں جب تک کے ہمارے لیے کوئی واقعہ ان جذبوں کو پرکھنے کا ذریعہ نہ بنے۔ ہم بہت سے دعوے کرتے ہیں، کر سکتے ہیں مگر وقت اور حالات ہی ہمارے دعوؤں کی سچائی اور حقیقت کھولنے والے ممتحن ہیں اور میں اس امتحان میں فیل ہوگئی۔میں نے تمہیں بہت بلند کر لیا تھا۔تم میرے لیے آئیڈیل تھے اور تم اس لمحے میری نظروں سے گر گئے تھے۔تم سوال بنے کھڑے تھے اور میں یہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ انسان ضروری ہے یا آئیڈیل پھر مجھے لگا میں تمہیں کبھی بھی اپنے سامنے نظریں جھکائے نہیں دیکھ سکوں گی، تمہارا اعتماد سے اٹھا سر ہی میرے لیے آخری منظر تھا۔سو میں نے یہ تلخ فیصلہ کیا کہ میں تمہیں چھوڑ دوں۔''

''ظل! تم خود غرض تھیں۔'' جانے وہ کیا کہتے کہتے رک گیا تھا اور وہ پھر سے رونے لگی تھی۔پھر تھمی تو بولی۔

''میں آج بھی خود غرض ہوں، میں اس دن بھی خود غرض تھی جب تم مجھ سے ملے تھے۔تم سوال کر رہے تھے اور میں دامن بچا کر آگے بڑھ گئی تھی۔میں نے ایک منٹ کے ہزارویں حصے میں سوچا تھا تم نے اگر حقیقت ابھی تک نہیں پائی ہے تو کیا یہ ضروری ہے میں اس وقت اس لمحے تمہاری نظروں کے سامنے جھک جاؤں، تم نے مجھ سے محبت کی تھی اور میں محبت ہی تاثر رکھنا چاہتی تھی۔ میں تمہاری تحقیر اور افسوس بھری نگاہیں سہار نہیں سکتی تھی۔جب تم کہتے تم کتنی بودی لڑکی نکلیں ظل کہ میں تم سے محبت کرتا تھا مگر اب میں تمہیں بھول جانا چاہتا ہوں کیونکہ میں ایک مضبوط اور بہترین لڑکی سے محبت کرتا تھا اور تم بہت کمزور ہو۔پھر شعیب یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ میں اپنی عزت نفس کا اپنی محبت کا بھرم نہ رکھتی۔درحقیقت میں تمہارے قابل ہی نہیں تھی۔ہوسکتا ہے زندگی کے کسی اس سے بھی زیادہ اہم موڑ پر میں تمہارا ساتھ چھوڑ دیتی اس لیے وقت نے خود تمہارے لیے ایک اچھا فیصلہ کیا، مجھے تمہارے کھونے کا دکھ نہیں ہے شعیب! ہاں فخر ضرور ہے کہ میں تم جیسے مضبوط کردار کے انسان سے محبت کرتی تھی۔''

وہ خاموش بیٹھا رہ گیا تھا۔لالہ چائے لے کر واپس آئی تھی۔اس نے کچھ نہیں پوچھا تھا تب بہت اچانک بیل ہوئی تھی۔شعیب اٹھ کر باہر گیا تھا پھر وہ کسی کے ساتھ اندر آیا تھا۔

''عارف کیانی تم؟'' لالہ نے اسے گھور کے دیکھا تھا، پھر وہ فرشتوں کی طرح ایستادہ لڑکوں کی طرف متوجہ ہوگئی تھی'' یہ کون ہیں؟''

''یہ میرے جان جگر قسم کے بچے ہیں۔اپنے روجیل اور شرجیل جیسے، یہاں ان کی دوستی نے خوب مزہ دیا۔''

''کیا ہم صرف مزے کی چیز ہیں؟''

''نہیں! یاد رکھنے اور محبت سے یاد رکھنے والے حوالے ہو تم لوگ'' اس نے دونوں کو دائیں بائیں بھینچا اور دونوں رخصت لے کر چلے گئے۔تب وہ عارف کیانی کی طرف مڑا۔

''تم یہاں کیسے؟'' سوال سخت تھا مگر سامنے بھی عارف کیانی تھا فوراً بات بنا کر بولا۔

''آنٹی نے لالہ کے متعلق پروگریس دینے کو کہا تھا مگر یہ کسی کے سر سے سینگ کی طرح غائب تھیں میں تو گمشدگی کا پرچہ کٹوانے والا تھا کہ انکل

حماد کو فون کر لیا۔ تب پتا چلا یہ ایک اور گمشدہ شخصیت کے ساتھ پائی جاتی ہیں سو فوراً تلاش کرتا یہاں آ گیا۔ اب بتائیے کیا پروگریس دوں؟'' شعیب مسکرانے لگا پھر کالر کھینچ کر اپنے قریب بٹھاتے ہوئے بولا۔

''سچ بتا کیوں ڈھونڈ رہا ہے لالہ کو۔'' جانتا جو تھا لالہ نے کل رات ہی کو ماں کو فون کر کے اپنے ساتھ شعیب کو لانے کی بابت خوشخبری سنائی تھی، سو یہ ڈھونڈ خود اس کی ذات کا حصہ تھی۔

''وہ آنٹی نے دراصل لالہ کے لیے مجھے پسند کر رکھا ہے، پتا نہیں کب سے، مجھے تو اب لگ رہا ہے اس واقعے کو صدیاں گزر گئی ہیں مگر لالہ صاحبہ کا عزم تھا یہ شعیب منصوری کو منائے بغیر فیصلہ نہیں کریں گی۔ یعنی پیا دیس نہیں سدھاریں گی سو ہم نے بھی طرح دے دی پھر میڈیکل تعلیم نے بے صبری میں بڑا سہارا دیا۔ سو جب انکل حماد کو واقعی لالہ کے متعلق پوچھنے کے لیے فون کیا تو پتا چلا راوی چین ہی چین لکھنے والا ہے۔ ویسے تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے ناکلوتے برادران لا کے اس انتخاب پر۔'' اس نے کچھ کہے بغیر اسے سینے سے لگا لیا تھا پھر وہ دوسرے دن پیکنگ کر رہا تھا جب سلمان نعیم اور حمید آفاقی، مہر سیما اس سے ملنے آئے تھے۔

''آپ جا رہے ہیں شعیب بھائی؟''

''نہیں واپس آنے کے لیے جا رہا ہوں، ابھی مہر کی شادی کا انتظام باقی ہے پھر تمہاری تربیت بھی تو ادھوری ہے۔ تمہیں کہاں چھوڑ کر جا سکتا ہوں۔ واپس آ کر پھر سے دماغ کی اوور ہالنگ کرنی ہے، بے فکر رہو تمہارا مجھ سے پیچھا نہیں چھوٹ سکتا۔ میں بہت سخت قسم کا ٹیچر ہوں تم بور ہو جاؤ گے۔ میں تب بھی تمہاری جان نہیں چھوڑوں گا۔ آخر کو انکل احسان سے تمہیں سدھار دینے کا وعدہ جو کیا ہے۔''

''سچ بتائیں نا، آئیں گے نا آپ واپس۔'' سلمان نعیم گلے سے جھول گیا تھا اور حمید آفاقی نے گھٹنے پر سر ٹکا کر جذب سے کہا تھا۔

''آپ اتنے اچھے ٹیچر ہیں کہ ہم خود بھی آپ کو چھوڑنا نہیں چاہیں گے۔ پلیز آئیے گا ضرور۔''

''ہاں ہاں میں صرف پاپا کے معاملات سدھارنے اور ماں کو اور اپنے بھائیوں کو لینے کے لیے وہاں جا رہا ہوں۔ میری جاب یہاں ہے پھر لالہ بھی یہاں ہو گی، سو لاہور میں رہنا اب ممکن نہیں ہے۔ وہ شہر میرے لیے بہت ضروری سہی، مگر نئے رشتے اور زندگی مجھے اس شہر نے گفٹ کی ہے۔ اس لیے میں اب نیا گھر یہیں بناؤں گا۔''

وہ تینوں رخصت ہو چکے تھے۔ جب بہت اچانک لالہ چیخی تھی۔

''شوبی بھائی! کوئی رفاہت عماد آپ سے چیٹنگ کرنا چاہتی ہے۔

''رفاہت عماد......'' وہ تیزی سے کمرے میں داخل ہوا پھر سمجھا تو اس کے بالوں کو کھینچ کر مصنوعی خفگی سے بولا۔

''لالہ کی بچی تم میرے پاس ورڈ سے واقف نہیں ہو پھر کمپیوٹر پر لاگ ان کیسے ہو سکتی ہو۔ سچ بتاؤ تم نے چیٹنگ کی ہے نا۔'' وہ ہنسنے لگی پھر شرارت سے کی بورڈ کے ذریعے اپنی مرضی کا جواب لکھتے ہوئے بولی۔

''پرسوں دوپہر تو ہم چیٹنگ پر بات رہے تھے۔ آپ اپنے نئے نئے دوستوں کے متعلق بتا رہے تھے، تب رفاہت کا ذکر آیا تھا پھر میں

نے چیٹنگ کرنے کی خواہش کا تذکرہ کیا تھا اور آپ نے اپنا پاس ورڈ مجھے بتا دیا تھا۔کتنی کمزور یادداشت ہے آپ کی۔"

اس نے خفگی سے گھورا تو اس کی آنکھیں رفاہت کے نام پر جم گئیں۔جس سے وہ دھڑا دھڑ شعیب منصوری بن کر بات کر رہی تھی وہ سوالیہ نظر بھی تو بولی۔

"مجھے آپ کے گھر میں رکھی رائٹنگ ٹیبل کی دراز سے رفاہت کی ای میلز ملی تھیں۔کافی اچھی علیک سلیک محسوس ہوئی پھر سوچنے کا انداز دھانسو لگا تو ان کے ای میل ایڈریس پر میں نے خود شعیب بن کر کلک کر لیا، ویسے دیکھ لیجیے ہم دونوں کی سوچ کتنی ملتی جلتی ہے۔،ابھی تک آپ کی رفاہت پہچان نہیں سکیں کہ میں شعیب نہیں ہوں۔" لمحہ بھر کو رکی پھر بولی۔

"سنیے میں رفاہت کو رات میں فون کرنے کی ریکویسٹ کرنے جا رہی ہوں، ہاں یہ میں نے بھیج دیا پیغام بس اب سب کچھ ٹھیک ہے، رات کو آپ اس سے بات کر رہے ہیں۔ابھی سے سوچنا شروع کر دیجیے ان سے آپ کو کیا کہنا ہے۔مگر دیکھیے مجھے کوئی بونگی نہیں سننی ہے۔فیصلہ میرے حق میں ہونا چاہیے۔"

وہ بات کا اختتام کر کے رفاہت سے رخصت لے چکی تھی اور وہ دھم سے وہیں کرسی پر گر سا گیا تھا۔

"لالہ کی بچی! ابھی میں شادی کے لیے تیار نہیں ہوں۔میں فی الحال تمہاری شادی کرنا چاہتا ہوں۔" لالہ نے گھور کر دیکھا اور Mirc پر نئے سرے سے لاگ ان ہو کر کسی کے کلک کرنے پر اپنا ASL شعیب 32 سال کراچی فل کر رہی تھی۔

"لالہ کی بچی! کیوں مجھے بدنام کر رہی ہو میری اچھی خاصی عزت ہے نیٹ پر۔"

"سوواٹ! میں تو تھوڑا سا انجوائے کر رہی ہوں، ادھر جا کر سوچیں اور ڈائریز نکال کر کوئی اچھی سی محبت کی نظم ڈھونڈیے، مجھے جواب میں ہاں سننا ہے رفاہت کی طرف سے۔"

"آخر اتنی جلدی کیا ہے، رفاہت کہیں بھاگی نہیں جا رہی ہے۔میں آہستہ آہستہ اسے اپنی بات کلیئر کر دوں گا، وہ بہت حساس لڑکی ہے ایک دم سے اظہار کو پتا نہیں ہو کیا سمجھے اور پھر ابھی ظل کا معاملہ کل ہی کی تو بات ہے مجھے سنبھلنے کا کچھ تو وقت دو۔"

اس نے کرسی پوری موڑ لی تھی پھر سنجیدگی سے بولی تھی۔

"ظل نے جس قدر آپ کی محبت لینی تھی لے لی۔مجھے کہنے دیجیے وہ آپ کا صرف ایک جذباتی فیصلہ تھا جب زیادہ خوبصورتی نے ان کے اندر کی خامیوں اور خوبیوں کا حساب کتاب نہیں رہنے دیا اور آپ شادی تک پر راضی ہو گئے۔عمر بھر کا ساتھ سمجھ بیٹھے حالانکہ عمر بھر کا ساتھی عمر بھر ساتھ رہتا ہے۔وہ آندھی طوفان کے سامنے کبھی بھی گھٹنے نہیں ٹیکتا اس کی محبت اور یقین ہمیشہ آپ کے ساتھ ساتھ رہتا ہے، یہ ہر معرکہ میں آپ کی پشت پر ہوتا ہے۔اس کے ہونے کا احساس اور مجھے کہنے دیجیے وہ اس معاملے میں ہار چکی ہیں۔انہوں نے آپ کو تنہا چھوڑ دیا تھا جب کے ساتھ دینے کے لیے رفاہت اور مہر سیما بڑھے تھے۔مہر سیما کو آپ عزت دیتے تھے مگر رفاہت سے آپ چپکے چپکے محبت کرنے لگے ہیں یہ اور بات کہ آپ یہ بات خود سے بھی شیئر نہیں کرنا چاہتے۔"

وہ اٹھ کر اس کے سامنے آ گیا۔ ''میں شاید ایسا ہی چاہتا ہوں جیسا تم لیکن اگر وہ بھی کہے کہ میں بھی ایک عام مرد ہی نکلا، کسی لڑکی کی دوستی کو عمر بھر کا ساتھ سمجھنے والا تو کتنی بری ہوگی نا میرے ساتھ میں، لالہ! میں اپنا ایک دوست نہیں کھونا چاہتا۔''

لالہ نے اسے کاندھوں سے تھاما اور پھر بولی۔ ''یہ بھی تو ہوسکتا ہے، وہ اپنا ایک اچھا دوست پالینا چاہتی ہو، ہوسکتا ہے۔ وہ آپ کی محبت ہی کا انتظار کر رہی ہو۔ پلیز، روشن پہلو دیکھیے مایوسی کو پاس بھی بھٹکنے مت دیجیے۔ محبت کرنے والے مایوس نہیں ہوتے۔ محبت ان کا نصیب نہ بھی بنے، تب بھی ان کے پاس یہ فخر تو ہوتا ہے کہ انہوں نے دل کی گہرائی اور خلوص سے بے ریا کسی کو چاہا تھا۔ کیا یہ احساس جینے کے لیے کافی نہیں۔'' وہ پھیکی سی ہنسی ہنس کر رہ گیا تھا پھر رات گئے وہ لالہ اور عارف کیانی کھانے کے بعد کافی پی رہے تھے۔ جب ٹیلیفون کی بیل ہوئی تھی۔ لالہ نے ریسیو کیا تھا اور ریسیور اسے پکڑا کر عارف کیانی کو گھسیٹتی ہوئی ٹی وی لاؤنج میں لے گئی تھی۔

''ہیلو رفاہت! میں شعیب...... تم کیسی ہو؟''

''بالکل ٹھیک، آپ سنائیں یہ آج آپ کے ہاتھ اور لفظ بار بار بہک کیوں رہے تھے۔ اینی تھنگ رانگ۔''

''وہ میں...... رفاہت دوپہر کو لالہ تم سے میں بن کر چیٹنگ کر رہی تھی، تم نے برا تو نہیں مانا اس کی کسی بات کا۔''

''نہیں آپ کی کسی بات کا میں نے کب برا مانا ہے۔'' آواز لگا مرنے لگی تھی وہ کیا سننا چاہتی تھی اور وہ کیا سنا رہا تھا اس نے آنکھیں بند کر کے خود کو مجتمع کیا تھا پھر پکارا تھا۔

''ایک نظم سنانے کو دل چاہ رہا ہے تمہیں، کیا تم سنو گی۔''

''سنائیے آپ کو تو میں کسی بھی لمحے کبھی بھی سننے کو تیار ہوں۔'' لہجے میں ہلکی سی شگفتگی واپس آنے لگی تھی اور وہ سنا رہا تھا دل سے...... دل کی تمام تر گہرائیوں سے۔

چلو تم کو بتاتے ہیں
کہ تم کو دیکھ کر دل نے
کہا تم رشتہ جاں سے بھی بڑھ کر ہو
دعا کی سرحدوں پر
جو ادھوری ہے، میری ایسی تمنا ہو
میرے دل کا مقدر ہو
کہ تم اک روشنی بن کر، شفاء لے کر
کبھی دست مسیحا کی طرح
اترے ہوئے، ہر زخم دل پر ہو
چلو تم کو بتاتے ہیں

کہ تم ایماں ہمارا ہو

سرائے دہر میں اندیشۂ زندگانی میں

تم ہی دل کا سہارا ہو

جو روح کے آسماں پہ جگمگایا ہے محبت سے

سہانی شام کی چاہتوں کا پہلا تارہ ہو

وفا کا استعارہ ہو

تمہارے قرب کی خوشبو سے پتھر کی طرح ہم نے

سلگتی دھوپ میں پھیلا ڈیرا پایا ہے

تمہارے پیار کے رنگین کنول ٹھنڈی ہوا سے

سرسراتے ہیں

ہم ساون میں بھیگے پیڑوں کو چھو لیں تو

تمہارے لمس کی خوشبو کے لمحے جگمگاتے ہیں

چلو تم کو بتاتے ہیں

کہ ہم نے زندگی کے سب ورق لے کر

سب ہی سطروں میں لکھ لی ہے تمنا تم کو پانے کی

زمانے بھر میں شاید کاتب تقدیر کے ہاتھوں

میرے دل نے لکھ لی ہے تمہاری چاہ کی خواہش

تمہاری آرزوؤں کا جو اک اوراک ہے مجھ میں

کسی میں ہو نہیں سکتا

چلو تم کو بتاتے ہیں

چلو تم کو بتاتے ہیں

"ہیلو رفاہت آر یو ویئر۔"

"ہوں......" نظم کے اختتام پر اس سے کچھ بولا ہی نہیں جا رہا تھا، کیا قسمت اتنا اچھا موڑ بھی کاٹ سکتی ہے وہ گم صم تھی جب وہ اس کی سنے بغیر پھر سے بولا تھا۔

"تم اپنے نام کی طرح ہو رفاہت! تمہیں دیکھ کر چین، آرام اور سکون کا احساس ہوتا ہے۔ زندگی میں مجھے تمہارے ساتھ نے بہت

ڈھارس دی۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ میری زندگی خوشی بنتی اور تم اس میں ہی نا ہوتیں۔ رفاہت! میری زندگی میں خوشی صرف تم ہو۔ تم یہاں سے جب گئی تھیں تو تمہارے پلو سے کوئی اچھی یاد کوئی وعدہ نہیں باندھا تھا میں نے، مگر آج میں کہتا ہوں تم لوٹ آؤ میں پھل، خوشبو اور خوشیوں سے تمہارا دامن بھرنا چاہتا ہوں۔ جو کچھ بھی ہے جس قدر بھی ہے میرے دامن میں سب کچھ تمہارا نصیب ہے، صرف تمہارا نصیب۔''

دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا تھا وہ گھبرا گیا تھا تب کوئی ڈرتے ڈرتے پکارا تھا۔

کہاں تک ہیں نہ جانے محبتیں اس کی
یہ عمر، لمحہ، زمانے محبتیں اس کی
کہاں ہے زندگی کرنے کی آرزو ہم کو
ہیں زندگی کے بہانے محبتیں اس کی

آسودہ سی سانس فضا میں بکھری اور لالہ نے انٹری دی۔

''یہ نظم ویسے کس کی تھی کیا آپ کی؟''

''نہیں میری نہیں تھی مگر تمہیں کیسے پتا، میں نے کوئی نظم سنائی ہے۔'' اس نے گھورا اور وہ ہنسنے لگی۔

''ایکسٹینشن زندہ باد آں...... ہاں گھوریے مت مجھے رفاہت ڈیر سے بات کرنے دو، آخر کو سارے معاملات سیٹ کرنے ہیں۔ رفاہت کی ممی کراچی میں رہتی ہیں نا ہاں۔''

وہ کبھی اس سے مخاطب ہوتی کبھی فون پر شروع ہو جاتی۔ شعیب منصوری مسکراتا ہوا عارف کیانی کے پاس جا بیٹھا۔ لالہ کے چہرے پر خوشی نے رنگ سے بکھیر دیے تھے۔ تب بہت قریب ہو کر اس نے پوچھا تھا۔

''کیا ہر لڑکی کے چہرے پر خوشی اتنے ہی رنگ اچھال دیتی ہے جتنے میری لالہ کے۔''

عارف کیانی نے مڑ کر دیکھا پھر بولا۔'' کچھ لوگوں پر خوشی اتنے رنگ بھر دیتی ہے کہ پھر رنگ سے چہرے الگ کرنا دشوار ہو جاتا ہے، محبت اور خوشی بہت کم کسی کا نصیب بنتی ہیں۔ پھر زندگی کیوں نا رنگ کھیلے''

شعیب منصوری نے آنکھیں بند کر لیں، رفاہت عماد اس کے اندر آن بسی تھی۔ ظل قمر کی محبت نے دل کی ساری زمین سے ہٹ کر ایک چھوٹا سا حصہ بخش لیا تھا اور رفاہت مجھ میں تم ہی تم رہتے ہو کا مصرعہ بنی اس کے رگ و پے میں دوڑ رہی تھی آج اسے یہ کسی کا ہو جانا بہت لطف دے رہا تھا، اس کے ہونٹوں پر آسودہ مسکراہٹ تھی اور زندگی، محبت نے اس مسکراہٹ کے ابدی ہونے کی دعا کی تھی بے حد چپکے سے، بے حد خاموشی سے۔

❀❀❀

خواب ساتھ رہنے دو

تمہیں کبھی اس بات کا احساس ہوا ہے کہ لوگ تمہیں ٹشو پیپر کی طرح استعمال کر کے ڈسٹ بن کی نذر کر جاتے ہیں۔تم نے کبھی کسی کو اپنے لیے پلٹتے دیکھا ہے۔کوئی ایک ہی نام گنوادو جو صرف تمہارے لیے آیا ہو۔

ہائم ہارون نے نہایت غصے سے صفیہ حماد کو دیکھا وہ انہماک سے میگزین کے صفحات الٹ رہی تھی۔ہائم کو اپنے غصے پر قابو پانا دشوار لگ رہا تھا۔

وہ کافی کا مگ ٹیبل پر رکھ کر اس کے سامنے آیا پھر غصے سے چبا کر بولا۔

صفیہ تمہیں معلوم بھی ہے عزت نفس کس چڑیا کا نام ہے۔

صفیہ نے پہلی بار سر اٹھا کر اسے دیکھا ہلکی سی نمی آنکھوں میں تھی۔اس نے حیرت سے دیکھا۔

تم رو رہی......اس کا سارا غصہ صابن کی جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔وہ تیزی سے اس کی طرف آیا۔

تم کیوں رو رہی ہو کیا میری باتیں بُری لگتی ہیں۔

اس نے نفی میں سر ہلایا پھر بھرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

ہائم مجھے لگتا ہے اب میں تم پر بوجھ بن گئی ہوں۔

بکواس مت کرو بظاہر ہمارا خون کا رشتہ نہ سہی لیکن ہم نے ایک ہی ماں کا دودھ پیا ہے اس حساب سے تم خود بخود ہماری ذمہ داریاں ہو اور ہائم ہارون کبھی ذمہ داریوں سے نہیں بھاگتا ہاں بس مجھے ٹینس کر رہی تھی تو ایک بات کہ اپنا گھر ہوتے ہوئے تم کرائے کے گھر میں کیوں رہ رہی تھیں۔

وہ بس یونہی ایک ہی گھر میں رہتے رہتے جی اکتا گیا تھا کسی گھر میں مہمان ہوئے عرصہ گزر گیا سوچا گھر بدل کر دیکھتے ہیں۔

بکواس مت کرو۔

یکدم لگا ہائم ہارون کو پھر سے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا وہ غصیلی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے اپنا گھر کسی کو لیگ کو دے رکھا ہے اور وہ بھی مفت۔اس نے سر جھکا لیا پھر ہنس کر بولی۔

وہ عالیان اپنی امی اور بہنوں کو شہر بلانا چاہتا تھا۔وہ اپنی بہنوں کو پڑھانا چاہتا ہے لیکن اسکے پاس کوئی گھر نہیں تھا۔کرائے کا گھر لینے کی اس کی حیثیت نہیں تھی اس لیے میں نے کہا تم میرا گھر لے لو میں تو اکیلی ہوں کہیں بھی جا کر رہ لوں گی۔

تم کہیں بھی جا کر رہ لوگی تم خود کو کیا سمجھتی ہو کیا نیکیاں کمانے کا تمہیں بہت شوق ہے۔کیا تمہیں معلوم نہیں ہے اکیلی لڑکی ویسے ہی ہر انسان کے لیے مفت کا مال ہوتی ہے اور تم اپنے پرانے محلے کو چھوڑ کر وہاں کہاں رہنے لگی تھیں اور رہ بھی رہی تھیں تو کرایہ نہ دینا کہاں کی عقل مندی ہے تمہیں

پتا ہے اگر میں بروقت نہ پہنچتا تو تمہارا سارا سامان سڑک پر رکھ دیا جاتا۔ وہ کچھ نہ بولی مگر اس نے اس کے چہرے سے نظر نہیں ہٹائی۔

میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے خالہ کے گزر جانے کی تم مجھے اطلاع نہیں دے سکتی تھیں جانے کہاں کہاں ماری پھرتی رہیں سیدھا سیدھا مجھے فون نہیں کر سکتی تھیں میرا دفتر گھر فارم ہاؤس ہر جگہ کا نمبر تھا تمہارے پاس۔

تھا تو لیکن ہائم بھائی میری عقل میں کچھ خرابی ہے۔

مطلب اس کا ادھورا جملہ ایک نئی حیرت کا در کھول رہا تھا وہ مسکینی سے بولی۔

مطلب یہی ہائم بھائی کسی غیر کے آگے ہاتھ پھیلانا آسان ہوتا ہے تا کہ کسی اپنے کے آگے دامن پھیلانا غیر سے آپ دوبارہ ملیں نہ ملیں لیکن اپنے سے کبھی نہ کبھی ٹاکرا ہونے امکان رہتا ہے یعنی ساری زندگی آنکھیں ہی نیچی کر کے بیٹھے رہیں۔

تم انتہائی احمق لڑکی ہو ویسے یہ تو بتاؤ تم نے تین مہینے کا کرایہ کیوں نہیں دیا تھا۔ تمہیں تنخواہ تو ہر ماہ ملتی رہی تھی۔

اس نے ہائم کی طرف دیکھا پھر منمنائی۔

بس اس گھر سے میرا دل بھر گیا تھا میں یہی چاہتی تھی کہ وہاں سے مالک مکان مجھے نکال دے۔

تم سچ کہہ رہی ہو......وہ شکی انداز سے اسے دیکھنے لگا اس نے اثبات میں سر ہلایا تو اس نے اس کے ہاتھ پر اپنے گھر کی چابیاں رکھیں پھر متانت سے بولا۔

جب تک میں ہوں ٹھیک ہے لیکن میرے بعد اس گھر کو تم ہی لُک آفٹر کرنا اور میں اب تمہیں ادھر اُدھر دھکے کھاتا نہ دیکھوں۔ یہ گھر میرا بھی ہے تمہارا بھی۔

اس نے پہلی بار نظر اٹھا کر اسے دیکھا پھر سنجیدگی سے بولی۔

لُک آفٹر والی بات ٹھیک ہے مگر یہ اپنے اور میرے گھر کا قصہ مت ڈالو۔ مجھے یہ سب کچھ فضول لگتا ہے کون سا رشتہ اچھا ہے کون سا برا ہے مجھے تو اس کی بھی سمجھ نہیں لیکن میں ملازمہ کے طور پر بہت اچھی ذمہ داری نبھا سکتی ہوں۔ چند ثانیے کو رکی پھر بھرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

تم پندرہ سال سے انگلینڈ میں ہو اور اماں کو گئے ہوئے آٹھ سال ہو گئے مجھے دھکے کھانے کا خاصا تجربہ ہو چکا ہے۔ رہی عزت نفس تو غربت میں اس جذبہ کی آوازیں بھی مردہ ہو جاتی ہے۔

تم......میں تمہیں شاید کبھی نہیں سمجھ سکوں گا صفیہ۔ تاسف سے اس نے اسے دیکھا۔ ہولے سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا پھر یکدم پشت موڑ لی اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر نکلتا چلا گیا۔ پھر وہ صفیہ کو اپنے گھر لے آیا ایک کمرے میں اس نے اپنا ٹھکانہ کر لیا۔ کوئی تیسرے چوتھے دن کی بات ہے کہ وہ لال پیلا ہوا کھڑا تھا۔

یہ جنید احمد کون ہے۔ کہتا ہے وہ تمہیں بہت عرصے سے جانتا ہے۔ لہجے میں افسوس تھا اور صفیہ حماد کھانا کھاتی رہی جیسے یہ اس کے لیے معمول کی کارروائی ہو۔

تم نے اسے اس گھر کا پتا دیا تھا۔ اس نے سرنفی میں ہلا دیا پھر دھیرے سے بولی۔

شاید اس نے عالیان سے لے لیا ہوگا میں نے تو صرف اسے ہی یہ پتا دیا تھا۔

عالیان...... یہ کون ذات شریف ہیں۔ اس نے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلا اور رسانیت سے بولی۔

وہی ہے جسے میں نے اماں والا گھر رہنے کو دیا ہے......

اماں کا گھر...... بہت اچھا ہوا تم نے یاد دلایا۔ میں کل ہی جا کر قبضہ بھی ختم کراتا ہوں۔ بہت ہوگئی دریا دلی۔

اس کے چہرے پر کشمکش نظر آئی یکدم اس نے ہائم کا ہاتھ تھام کر بے بسی سے کہا۔

میں نے کل آپ سے جھوٹ کہا تھا۔ وہ گھر میں نے اسے ایسے ہی رہنے کے لیے نہیں دیا تھا۔ دراصل اماں کی بیماری اتنی بڑھ گئی تھی کہ ان کی ٹریٹمنٹ کے لیے مجھے بہت زیادہ قرض لینا پڑا ان دونوں مجھے آپ کے اور اپنے رشتے کا بہت گمان تھا اس لیے میں نے آپ کو فیکس بھیجا فون کیے لیکن کوئی ریپلائی نہیں ملا بس پھر مجھے ان آٹھ سالوں کے قرض اتارنے کے لیے اپنا گھر بیچنا پڑا صرف چند جوڑے کپڑے رکھ سکی تھی۔ سب سے زیادہ قرضہ ریاض صاحب کا تھا اس لیے یہ گھر ان کے قبضے میں چلا گیا۔ کچھ زیور بنایا تھا اماں نے میرا وہ بیچا تو باقی کا قرضہ کلیئر ہوا رہا عالیان تو اسے کرایہ دیتی تھی۔ میں نے جھوٹ بولا تھا کہ وہ معاشی طور پر کمزور ہے۔

ہائم ہارون پوری آنکھیں کھولے اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

تم نے جھوٹ کب سے بولنا شروع کیا۔

اس نے سر جھکا لیا پھر گلوگیر لہجے میں بولی۔

دنیا میں اکیلا ہونا بہت بری کیفیت کا نام ہے۔ جھوٹ خود بخود بولنا آتا جاتا ہے۔ بولنا پڑتا ہے ہائم بھائی۔

تم نے واقعی مجھے ای میل فیکس اور فون کیے تھے...... اس نے اسے کندھوں سے تھام کر سخت لہجے میں پوچھا تو وہ رو پڑی پھر نفی میں سر ہلا کر بولی۔ مجھے اچھا نہیں لگا تھا کہ میں آپ کے آگے ہاتھ پھیلاؤں۔ مجھے لگ رہا تھا جو اماں نے آپ کو دودھ پلایا ہے میں اس کا سود لے رہی ہوں یا لینے کے بارے میں سوچ رہی ہوں ہائم ہارون نے کہا۔

تم اول درجے کی پاگل لڑکی ہو میں تمہیں شاید کبھی نہیں سمجھ سکوں گا لیکن اب میں چھ ماہ پاکستان میں ہی رہوں گا۔

آپ پاکستان میں رہیں گے تو وہ فائزہ بھابھی کیا کریں گی۔

فائزہ...... اس نے یکدم سوچا اور اس کے چہرے پر تناؤ آ گیا۔

چھوڑو، ہم کچھ اور باتیں کرتے ہیں۔ یہ بتاؤ تمہاری کہیں بات طے ہوئی تھی۔

وہ ہنسنے لگی مگر اس ہنسی میں آنکھیں رونے لگی تھیں۔ جیسے کچھ جھوٹ دل بولتے بولتے تھک جائے۔ کبھی آنکھیں جھوٹ بول دیں مگر کبھی یوں بھی ہوتا ہے دل آنکھوں میں آ کر بیٹھ جائے تو آنکھیں بھی جھوٹ نہیں بول سکتیں سو وہ بھی سچ ہوگئی تھیں۔

رو کیوں رہی ہو اس نے پلو سے آنسو پونچھے پھر مغموم مسکراہٹ لیے بولی۔

بس ویسے ہی جب کرنے کو کچھ نہیں ہوتا تو رونے لگتی ہوں جیسے اس سے کسی کا دل پگھل جائے گا مگر ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا۔

کون ہے وہ جس کا دل تمہارے آنسوؤں سے بھی نہیں پگھل رہا ایک دفعہ روبرو تو کر کے دیکھو۔ کان سے پکڑ کر نہ لایا تو...... کمینہ۔

نہیں لا سکتے آپ اسے نہیں لا سکتے...... وہ یکدم تیز قدموں سے ڈرائینگ روم سے نکل گئی وہ حیرت سے اسے جاتا دیکھتا رہا پھر وہ اٹھا اور اپنی یہاں کی کمپنی کی برانچ جانے کے لیے گلی سے باہر آ کر اس نے کسی کی پشت دیکھی۔

یہ کون ہو سکتا ہے جو میری غیر موجودگی میں یہاں آ رہا ہے۔ اس نے ایک لمحے سوچا اور خاموشی سے کار کو یوٹرن دے کر واپس لے آیا۔

گیٹ کھلا تھا ابھی اسے یہاں آئے پندرہ دن ہوئے تھے اس لیے ایک پرانے ملازم کے علاوہ نئے ملازمین نہیں رکھے تھے سو گیٹ پر کوئی موجود نہیں تھا۔ وہ چپکے سے اندر داخل ہوا۔ ڈرائینگ روم کے اندر سے صفیہ کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

سوری جنید صاحب آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے یہ میرا گھر نہیں ہے۔ میں یہاں جز وقتی ملازمہ ہوں سرونٹ کواٹر میں رہتی ہوں صاحب باہر چلے جائیں گے تو مجھے اس بنگلے کی دیکھ بھال کرنا ہوگی آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہائم ہارون سے ہمارا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ وہ صرف مالک ہیں یہاں کے اور میں ملازمہ......

ہائم ہارون تلملا کر رہ گیا یہ لڑکی...... یا تو پاگل ہے یا پاگل کرنے میں کمال ہنر رکھتی ہے اور یہ جنید اسے کیا ضرورت پڑی میری جاسوسی کرنے کی۔ وہ اندر جانے کا ارادہ ترک کر کے شام پر یہ معاملہ اٹھا کر واپس اپنے پروگرام کے تحت دفتر کے لیے روانہ ہو گیا۔ لیکن دھیان گھر ہی میں اٹکا رہا تھا سو شام کے وقت جب وہ شاور لے ٹیرس پر چائے کا انتظار کر رہا تھا تو چائے پیش کرنے کے انداز پر وہ بھنا گیا۔

تم میری ملازمہ ہو اس نے چونک کر دیکھا۔

یہ آپ سے کس نے کہا ہائم بھائی۔

مجھ سے کس نے کہا۔ وہ یکدم کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا پھر تنتناتے ہوئے بولا۔

تم نے ہی کہا تھا کہ یہ تمہارا گھر نہیں ہے تم یہاں صرف ملازمہ ہو اور میں صرف تمہارا مالک۔ تم یہاں اس گھر کو لک آفٹر کرنے کے لیے جز وقتی ملازمہ کے طور پر ہائر کی گئی ہو چائے میں چینی ڈالتے ڈالتے اس کے ہاتھ رک گئے۔

آپ نے باتیں کس سے سنی ہیں......

آنکھوں میں کرب تھا جیسے اپنے اوپر شک کیے جانے کا ملال۔ ہر بات ہر سوال جواب سے بڑھ کر تھا۔ ہائم ہارون اس کی آنکھوں کے تاثرات سے گھبرا کر گڑبڑا گیا تھا مگر پھر بھی سلیقے سے جھوٹ بولنے لگا ایک ضروری فائل رہ گئی تھی وہی لینے واپس آیا تھا بس تب ہی یہ جملے پڑے تھے کانوں میں۔ لیکن یہ جنید آخر ہے کون جو سر پر سوار ہونا چاہ رہا تھا۔

میرے برے دنوں میں تھوڑی سی مدد کی تھی اس لیے شاید چاہتا ہے اب میں اس کی اچھے طریقے سے مدد کروں۔ کچھ پیسوں کا طلب گار

ہو رہا تھا۔ مگر میں نے کہہ دیا میرے پاس دینے کے لیے کچھ نہیں ہے بھلا پچاس ہزار کہاں سے دوں اسے۔

اگر وہ واقعی ضرورت مند ہے تو میں تمہیں چیک دے سکتا ہوں...... ہائم ہارون کا لہجہ بہتر ہوا وہ افسردہ لہجے میں بولی۔

بھلے آپ کو اچھا لگے یا برا لیکن آپ مجھے اپنا عادی مت بنائیں مجھے ویسے ہی رف زندگی جینے کی عادت پڑ گئی ہے کرائے کی فکر بجلی پانی گیس کا بل میری زندگی ان خانوں میں اتنی بٹ چکی ہے کہ میں اب سٹ نہیں سکتی۔ یہاں بھی میں ایک کمرے کا کرایہ دینے کے برابر محنت کرنا چاہوں گی۔

بہت چھوٹی تھی جب ابا نے دوسری عورت کے لیے گھر چھوڑا یہاں ابا کو کما ہمیں دینا پڑتا تھا لیکن اس گھر میں ان کی بیوی کما کر لاتی تھی اور وہ کھاتے تھے۔ یہی وجہ تھی وہ عادی ہو گئے پھر کسی دن ایسے ہی مر گئے جیسے جیتے رہے تھے۔ اماں نے موت کی خبر سنی تو رونا چاہا میں نے تب پہلی بار کہا۔

آپ کو لگتا ہے اماں میرے ابا زندہ بھی تھے......

اماں کو یہ بات سمجھ آ گئی پھر وہ کبھی نہ روئیں لیکن رات کو ان کی آنکھوں کے آنسو میرا تکیہ بھگوتے رہتے تھے۔ پھر میں صبح نوکری پر جاتی تو گلی سے گزرتے ہوئے ہزار طرح کی نظریں فقرے جملے برداشت کرنے پڑتے دفتر میں ہر لڑکی ایک پرسکون گھر کے قصے سناتی تو میں جھوٹ بولتی رہتی۔ سارا دن جھوٹ بولتے بولتے پھر عادت بن گئی مگر کسی نہ کسی طرح سچ آ ہی جاتا ہے سامنے۔ سو میری کیس ہسٹری بھی میری ایک ساتھ ورکر کی وجہ سے دفتر میں کھل گئی ہر شخص مجھ سے عجیب سا سلوک کرتا مگر نوکری میری مجبوری تھی مجھے تو یہ سب برداشت کرنا تھا پھر اماں بیمار پڑ گئیں اس کے بعد کے حالات تو آپ جانتے ہیں یہ جنید ان ہی دنوں میری خبر گیری کرنے آتے تھے۔ محلے میں اسکینڈل بن گیا تھا میں نے انکار کیا مگر بعد میں پتا چلا یہ شخص خود میری بدنامی کر رہا تھا سارے جھوٹے قصے اس نے سنائے تھے تب میں نے پہلی بار اپنی شرم و حیا طاق پر رکھ کر کہا تھا کیا تم مجھ سے شادی کرو گے۔ اس بدنامی کو جو تم نے پھیلائی ہے خود سمیٹو گے تب اس نے پیٹھ دکھا دی تھی مجھ سے جو قرض کے نام پر رقم لیا کرتا تھا پتا چلا صرف میں اسی کے لیے اس کی نظر میں ضروری تھی۔ اس دن میں چلچلاتی دھوپ میں اکیلی کھڑی تھی اور اس جنید نے کہا تھا۔

میں تم جیسی لڑکی سے شادی کروں۔ جو میرے ساتھ لنچ پر جاتی ہے شام کو دیر دیر تک مجھ سے باتیں کرتی ہے۔ تمہارا کردار تمہارے باپ کی طرح ہے۔ وہ جو نشئی تھا۔ مجھے تم سے کوئی تعلق نہیں رکھنا۔

اور اب اسے آپ کے آنے کا پتا چلا ہے تو وہ آپ کے نام کی عزت ادھار مانگنے مجھ سے چلا آیا ہے نوکری چھوٹ گئی ہے اس کی مگر میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ ہائم بھائی اسے آپ کمینگی سمجھیں یا کچھ اور لیکن میں اس شخص کے کسی کام نہیں آنا چاہتی۔

ہائم ہارون نے نرم تاثرات سے اسے دیکھا پھر ملائمت سے بولا۔

لیکن صفیہ کسی کی مدد کرنا اچھا کام ہے کسی نے برا کیا ہے تو ہم بھی وہی جواب دیں تو اس میں اور ہم کیا فرق رہ جائے گا۔ صفیہ حماد نے چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا وہ بے آواز روئے جا رہی تھی۔

اب کیا ہو گیا میری بہنا ایک تو تمہارے پاس آنسوؤں کی مقدار بہت زیادہ ہے۔

اس نے سنے بغیر بھرائے لہجے میں کہا شاید اماں کے آنسو اب تک میری آنکھوں میں رکے ہوئے ہیں۔

کبھی میں روتی ہوں کبھی اماں رونے لگتی ہیں اور آنسو ہیں کہ ختم ہی نہیں ہوتے۔ پھر بولی۔

آپ کو پتا ہے وہ یہاں صرف پیسے لینے نہیں آیا تھا۔ بلکہ یہ ساری تصویریں لے کر آیا تھا تاکہ آپ کو بلیک میل کر کے رقم بٹور سکے اس کا خیال ہے آپ جیسے امیر آدمی کی بہن کی بدنامی واقعی کوئی دھماکہ خیز خبر ہوگی۔ ہائم ہارون کی پیشانی پر تاسف کے قطرے ابھرنے لگے۔ اسے اس لڑکی پر پھر سے حیرت ہونے لگی اسے اپنی بدنامی کا کوئی خوف نہیں تھا۔

ہر تصویر میں وہ مختلف لڑکوں کے ساتھ گھومتے پھرتے لنچ کرتے ہوئے دکھائی گئی تھی۔

یہ سب کون ہیں......

جھوٹ......صرف دھوکہ......اس مختصر جواب پہ وہ کھڑے سے بیٹھ گیا پھر کہنے لگا۔

ان تصویروں میں جھوٹ کون ہے۔

اس نے ایک تصویر اٹھائی پھر سامنے رکھے اپنے بیگ سے پین نکال کر تصویر کے دونوں سرے پر سرکل بنا دیے پھر بولی۔

دھوکہ یہ بھی ہے اور میں بھی دراصل جب میرے پاس تنہائی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میری ایک دوست نے مشورہ دیا تھا کہ گھر بسا لو۔

میں گھر بسانا چاہتی تھی لیکن ہمارے درمیان خوامخواہ محبت کا دھوکہ آن بیٹھا مجھے محبت سے کوئی سروکار نہیں تھا لیکن لوگ کہتے ہیں یہ کوئی بہت سرپرائزنگ فیلنگ ہے مجھے تو دنیا میں یہ کہیں نہ ملی۔

آپ کو کبھی ملی ہے یہ سوالیہ نظروں سے دیکھا تو بنا کوشش کے ہائم ہارون کی آنکھوں میں فائزہ کا عکس لہرا گیا۔

جب وہ پاکستان آیا تھا تو اس بات کا دور دور تک علم نہیں تھا کہ وہ کسی جھمیلے میں پڑے گا دراصل وہ وہاں کے حالات سے تنگ آ کر فائزہ کی خفگی سے خفا ہو کر پاکستان کی پناہ میں آیا تھا۔

کیونکہ اسے لگتا تھا اگر وہ کچھ دنوں اور اس کے ساتھ رہا تو شاید انہیں ہمیشہ کے لیے بچھڑنے سے کوئی نہیں روک سکتا فائزہ کو کچھ ناعاقبت اندیش دوستوں نے غلط فہمی کے شیشے میں اتار لیا تھا اور اب وہ اس کے آگے کچھ نہ سوچتی انجلینا اس کے لیے صرف ایک دکھی لڑکی تھی جس کی حتی المقدور مدد کرتے رہنا چاہتا تھا اور کرتا بھی تھا مگر بات کہیں سے کہیں جا پہنچی تھی۔

اس نے پہلے تو غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی پھر اس خیال سے خود کو آزاد کر کے وہی کرنے لگا۔

جو اسے ٹھیک لگتا تھا لیکن کام کی تھکن جب جیون ساتھی کے خراب رویے سے بڑھنے لگے تو دو ہی فیصلے رہ جاتے ہیں یا جیون ساتھی کو چھوڑ دیا جائے یا عارضی طور پر اس ماحول سے کنارہ کشی اختیار کر لی جائے۔ پہلا فیصلہ دل کے لیے مشکل تھا اس لیے وہ دوسرا فیصلہ کر کے پاکستان آ گیا۔

محبت کے لیے وہ بہت نرم جذبات رکھتا تھا مگر جب یہاں آیا تو اس کا خیال تھا یہ جذبہ دنیا میں صرف پرانی داستانوں کی حد تک ضرور ہے مگر اسے زندگی کا اوڑھنا بچھونا ہی سمجھ لینا زندگی گزارنے کے لیے بالکل غلط ہے وہ اسی بات پر عمل پیرا تھا کہ اچانک کچھ پرانے کاغذات میں کچھ پرانے

خطوط تصویروں نے اس کے ہاتھ روک دیے وہ حال سے ماضی میں چلے گئے تو اسے محسوس ہوا محبت کچھ اتنی عنقا بھی نہیں کہ دریافت نہ کی جا سکے۔

خود اس کا وجود عائشہ خالہ کی محبت کے قرض سے بندھا ہوا تھا۔عائشہ خالہ یاد آئیں تو اس نے پتا ڈھونڈ کر ان کی تلاش شروع کر وہاں سے مایوس ہوا تو کسی نہ کسی طرح اس کے موجودہ پتے تک پہنچا اور جب پہنچا تو اس کا سامان اٹھا اٹھا کر باہر پھینکا جا رہا تھا۔

وہ اکیلی کھڑی تھی اور بہت مطمئن انداز میں اس کارروائی کو دیکھ رہی تھی جیسے یہ سب کسی اور کی زندگی کا دکھ ہے یا یہ کسی ڈرامے یا فلم کی سچوایشن ہے جس پر چند ثانیے کے لیے دل دہلتا ہے اور بس اور بس آگے کسی اچھے موڑ سے دل شادمان ہو جاتا ہے۔

اس نے ساری کارروائی پر اپنے غصے کا بھرپور اظہار کیا معلومات کیں تو پتا چلا مالک مکان نے یہ گھر جسے بیچ دیا تھا یہ اس کی خانہ پری کی کارروائی تھی۔اس نے فوراً رابطہ کیا تھا اور اس مالک مکان سے منہ مانگے داموں پر وہ گھر خرید لیا تھا مگر یہ بات اس نے صفیہ جہاد کو نہیں بتائی تھی۔گھر کا سامان واپس گھر میں رکھوا کر گھر کو تالا لگا کر وہ اسے لیے اپنے گھر میں آ گیا تھا اور بس تب سے نئی سے نئی الجھنیں اس کے لیے تیار کھڑی تھیں۔

ٹرن ٹرن......فون کی بیل بجی اور وہ یکدم جھری جھری لے کر ہوش وخرد کی دنیا میں لوٹا سی ایل آئی پر نمبر دیکھ کر اس نے فون کو میسج پر منتقل کر دیا۔

آواز فائزہ کی تھی وہ بہت زیادہ ہراساں اور پریشان تھی اس کے چھوڑ دینے کا خوف اس کے اندر سرایت کر گیا تھا۔فائزہ کا خوف......اس کے ہونٹوں نے ہنسی کو چھوا،ایک دم اسے لگا اس کے اور فائزہ کے بندھن پھر سے کسے جا رہے ہیں۔

محبت اور محبت کا جذبہ میرے ساتھ ہے۔دل کو بس یونہی یقین ہوا اور اس نے ہلکے پھلکے انداز میں خود کو پرسکون کرتے ہوئے صفیہ کی تلاش شروع کی۔وہ حسب توقع کچن میں ملی۔

کھانا پکانا تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔میں نے گھر کے لیے ایک اچھے کک مالی اور چوکیدار کے لیے اشتہار دے دیا ہے کل تک یہ فائل ہو جائے گا۔سو وہ اس کے پاس پہنچا پھر دونوں کندھوں سے اسے تھام کر مزید بولا۔

سو بہنا جب تک کھانا باہر کا چلے گا۔تم کوئی باورچن ہو۔مت گھسا کرو اتنی گرمی میں کچن میں چلو باہر چلو۔وہ اسے باہر نکال کر لایا پھر رسان سے بولا۔

اچھے سے کپڑے پہن کر آؤ ہم باہر کھانا کھانے جا رہے ہیں۔

اچھے سے کپڑے......اس نے سوالیہ دیکھا اور ہائم ہارون کو اس سوال میں چھپی حسرت سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔

چلو چلو کوئی سا بھی پہن لو تم پر تو ہر کپڑا سوٹ کرتا ہے جاؤ صرف دس منٹ دے رہا ہوں تمہیں۔گاڑی نکال رہا ہوں دس منٹ بعد پہنچیں تو تم اور میں بھوکے سو جائیں گے۔

مجھے تو عادت ہے لیکن خیر آپ کی خاطر دس منٹ ہی صرف کروں گی۔ادھورا جملہ اداس لہجہ۔

اس نے اپنا سر پکڑ لیا اور تیز قدموں سے باہر کی سمت قدم بڑھا دیے پھر پہلے انہوں نے کھانا کھایا تھا اور آئس کریم کھلا کر وہ اسے ایک اچھے بوتیک میں لے گیا۔

پلیز ہائم بھائی یہاں نہیں کسی عام سے بوتیک میں چلتے ہیں۔

بکومت۔تم میری بہن ہو اس لیے تمہیں کوئی اعتراض نہیں کرنا چاہیے وہ بمشکل دو سوٹ پسند کر پائی تھی کہ بل پے کرتے وقت اس کی آنکھوں میں حیرت در آئی۔

کوئی دس پندرہ کے قریب سوٹ تھے۔

ہائم ہارون نے کریڈٹ کارڈ پےمنٹ کے لیے آگے بڑھایا اور اس کی آنکھیں شکوے سے اس پر آ ٹکی تھیں۔

آپ کو اتنی فضول خرچی کی ضرورت نہیں ہائم بھائی مجھے اتنے مہنگے کپڑے پہننے کی عادت نہیں ہے۔

ہائم ہارون نے کچھ کہے بغیر فرنٹ ڈور کھولا اور وہ اندر بیٹھ گئی پھر راستے بھر ان دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی وہ شاپر لے کر اس کے کمرے تک آیا تھا مگر اس کا کمرہ بے ترتیبی کا اعلیٰ نمونہ پیش کر رہا تھا۔ایک ہفتے پہلے جب تک اس سامان بندھا پڑا تھا یہ کمرہ رہنے کے لائق تھا سامان کھلنے کے بعد تو یہاں سانس لینا دشوار لگتا تھا۔

پھر دوسرے دن وہ اپنے دفتر میں بیٹھا تھا جب دفتر کے ایک پرانے ملازم عارف مبارک اس کے کیبن میں داخل ہوئے پہلے دفتری معاملات پر بات چلتی رہی فائلوں پر دستخط ہوتے رہے پھر کچھ دیر بعد یونہی ساکت بیٹھے رہے۔ان کے انداز سے لگتا تھا وہ کچھ کہنے اور نہ کہنے کی کیفیت میں مبتلا ہیں۔ہائم سر جھکائے مصروف تھا یکدم بے خیالی میں سر اٹھایا تو ان پر نظر ٹھہر کر رہ گئی۔

آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں مسٹر عارف......اس نے نرمی سے پوچھا اور دھیرے سے بولے۔

کہنا تو چاہتا ہوں لیکن دفتری معاملہ نہیں ہے مسٹر ہائم اس لیے ڈرتا ہوں کہیں اپ کو میری جسارت بری نہ لگے۔

اے نہیں مسٹر عارف آپ میرے شیئر پرسن ہیں آپ کی کوئی بات مجھے بری نہیں لگ سکتی ہے آپ بلا جھجک کہیے آپ کا مشورہ میرے حق ہی میں ہوگا۔

اتنی عزت دینے کا شکریہ......انہوں نے توقف کیا پھر کچھ ساعت کے بعد بولے۔

سر آپ کے ساتھ کل ایک لڑکی تھی......وہ جھجک کر چپ ہو گئے اور ہائم کی ساری حسیات بیدار ہو گئیں۔

آپ اس لڑکی کے متعلق کیا کہنا چاہتے ہیں۔

اس نے بولنے کے لیے فری ہینڈ لیا اور مسٹر عارف نے لمبی سانس کھینچ کر ابتدا کی سر یہ لڑکی سائیکو کیس ہے ہماری کمپنی میں ایک نوجوان کام کرتا تھا جازی اویس بہت محنتی بہت سنجیدہ مزاج اور ان دنوں یہ لڑکی بھی اسی کمپنی میں سیلز سپروائزر ہوا کرتی تھی۔دونوں بہت اچھے دوست تھے دونوں طرف بزرگ نہیں تھے اس لیے ان دونوں کی منگنی ہم سب نے مل کر طے کروائی تھی۔ایک سال بعد شادی ہونا تھی کہ اچانک ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں جازی کی موت ہو گئی۔تب سے اس نے بھی یہاں سے نوکری چھوڑ دی مگر سننے میں آیا ہے لڑکی کا دماغ اس حادثے سے متاثر ہوا ہے مگر سر یہ آپ کے ساتھ کیوں تھی کا سوال زبان پر نہیں آ سکا تھا مگر آنکھوں میں در کیوں آیا تھا تب اس نے سنجیدگی سے کہا۔

وہ میری دودھ شریک بہن ہے مسٹر عارف۔

مسٹر عارف نے گہرا سانس کھینچا اور اٹھ کر باہر چلے گئے شام گئے وہ واپس لوٹا تو وہ بہت بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔

کہاں رہ گئے تھے ہائم بھائی میں نے دفتر فون کیا آپ ایک گھنٹہ پہلے دفتر سے نکل گئے تھے لیکن گھر پہنچنے میں اتنی دیر۔

ہاں مسٹر عارف کے ساتھ قبرستان چلا گیا تھا۔

قبرستان...... کیا خالہ کی قبر پر...... اس نے نفی میں سر ہلا کر اسے دونوں کندھوں سے تھام کر کہا نہ میں تمہاری اماں کی قبر پر گیا تھا نہ اپنی اماں کی قبر پر بلکہ میں آج مسٹر عارف کے ساتھ جازی اویس کی قبر پر گیا تھا۔

صفیہ حماد نے تیزی سے اس کے ہاتھ اپنے کاندھوں سے ہٹا دیے تھے اور تقریباً بھاگتے ہوئے سیڑھیاں چڑھتی چلی گی۔ ہائم ہارون اس کے پیچھے نہیں گیا لیکن صبح ناشتے پر اس نے دیکھا اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔

تم ساری رات روتی رہی ہو...... ہائم نے پوچھا مگر اس نے جواب نہیں دیا اور وہ بضد ہو گیا۔ تم ساری رات کیوں روتی رہی ہو۔

نہیں تو میں روئی نہیں تھی بس رات کو ٹھیک سے نیند نہیں آئی۔

جھوٹ مت بولو یہ بتاؤ تم آخر جازی اویس کو کب تک روتی رہو گی۔

جازی اویس میں انہیں کیوں رونے لگی انسان تو مرنے والے جی کو روتا ہے یا بچھڑ جانے والی روح کو میرے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہے۔

وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا وہ کیا کہنا چاہتی تھی اس کی آنکھیں اس پر مرکوز تھیں۔ آج کا دن اس نے صفیہ کے لیے وقف کر دیا تھا ساری میٹنگز کینسل کر دی تھیں اس لیے بہت توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔ صفیہ حماد نظریں چرانے لگی تھی پھر ہکلا کر بولی۔

یہ آپ ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں ہائم ہارون۔

اسے دیکھ کر سنجیدگی سے بولا۔

میں تمہیں اس لیے ایسے دیکھ رہا ہوں کیونکہ میں خود جازی کی قبر پر فاتحہ پڑھی ہے اور تم ابھی تک اسے زندوں میں شمار کرتی ہو۔

وہ زندہ ہیں ہائم بھائی بس مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں۔

اس نے سر ہلایا اس کے جذباتی انداز کو دیکھنے لگا پھر شام کو وہ اسے سائیکاٹرسٹ کے ساتھ میٹنگ کے لیے لے جا رہا تھا ڈاکٹر روحا کے پاس لے جانے کے لیے اسے جھوٹ بولنا پڑا تھا ورنہ وہ کبھی راضی نہیں ہوتی۔ وہ کسی بھی وقت کسی بھی طرح کاری ایکٹ کر سکتی تھی اس لیے اس نے اس کا ہاتھ تھام کر منت سے کہا۔

پلیز صفیہ کچھ چیزیں جو ہمیں چھوڑ دیں ہمیں بھی انہیں چھوڑ دینا چاہیے دکھوں کو کمزوریوں کے جال سے نکالنے کے امکانات رکھنا چاہئیں۔ صفیہ نے کچھ نہیں کہا وہ جیسے مسمیریز کیفیت کا شکار تھی ڈاکٹر روحا نے اس سے سٹنگ کی تو بہت سے کمزور لمحوں کے دکھ دل سے باہر آ گر پڑے جیسے دل کا دامن چھوٹا پڑ گیا ہو۔ ڈاکٹر روحا کی آنکھیں بھی بھیگ گئی تھیں پھر ایک ہفتے بعد وہ مسمریزم کیفیت میں اس لمحے کو دوہرا رہی تھی۔

جب جازی اولیس کے ایکسیڈنٹ کی اسے خبر ملی تھی اس کی سانس بہت تیز تھی اور وہ کہہ رہی تھی۔

مجھے جب یہ اطلاع ملی جازی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا تو میں ننگے پیر ہسپتال بھاگی تھی مگر کچھ راستے بہت لمبے ہوتے ہیں اور کچھ دعائیں ادھوری رہنے کے لیے فضا میں بکھرتی ہیں۔ میں اس کے سامنے کھڑی تھی اور وہ......اس کی آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں پتا نہیں ہم دونوں میں کون مر رہا تھا میں یا جازی لیکن میرا دل پھٹنے والا تھا۔ اس نے میرا ہاتھ تھام لیا تھا پھر کراہ کر بولا۔

صفیہ میرا خواب تمہارا ساتھ ہماری خوبصورت شامیں۔ پھر وہ کچھ نہیں کہہ سکا اور مجھے لگا میرے خیمہ خواب کو آگ لگ گئی ہے اس کی کھلی آنکھوں کی حسرت مجھ میں سما گئی تھی میں نے گھر بسانے کی کتنی ہی حسرتیں دل سے باندھی تھیں محبت کے کتنے ہی ادھورے خواب پروئے تھے لیکن جازی نے مجھے جو خواب دیا مجھے لگا وہ اس کے مرنے کے بعد بھی زندہ ہے میں تنہا کھڑی تھی مگر مجھے لگا میرے آنچل کو مٹھی میں تھامے جازی کا بچہ لپٹا کھڑا ہے۔

میرے پاس کچھ نہیں تھا مگر سب کچھ تھا میں جازی کی بیوی تھی اور اس کے بچے میرے اردگرد کلکی ڈالے پھرتے تھے یہ خواب اتنا گہرا ہے کہ پھر اگر کوئی جازی کی قبر کا تذکرہ کرتا ہے تو مجھے لگتا کوئی میرے مرنے کا مجھے ہی پرسہ دے رہا ہو......مگر کوئی جانتا میرے دل کی تڑپ میرا جازی میرے بچے میرے خواب میرا گھر سب ٹوٹ گیا سب......وہ رونے لگی تھی ہچکیاں لے لے کر......تبھی ڈاکٹر روحانے پروسیجر کے مطابق اسے نیند سے جگا دیا وہ بت کی طرح ساکت بیٹھی تھی ہائم ہارون آدھا دروازے میں کھڑا تھا اور آدھا باہر تھا لیکن اب وہ پورا کا پورا صفیہ حماد کو جان گیا تھا وہ خالی آنکھوں سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ ڈاکٹر روحانے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر ڈھارس کی خاطر کہا۔

جو خواب جس مٹی میں کھوئیں انہیں اسی مٹی میں دفنا دینا چاہئیں۔ مٹی سے کبھی نہ کبھی کوئی بیج سر ابھارتا ہی ہے۔ کونپل کب تناور درخت بن جائے کوئی نہیں جانتا دفنائی ہوئی چیزیں کبھی کبھی ہم سے اگلوں کے لیے خزانے کی طرح دریافت ہوتی ہیں انہیں ان ہاتھوں کا لمس چکھنے دو اور کچھ نئے خواب تراشو جو ہاتھ ہنرمند ہوں ان کے لیے زندگی کے آخری لمحہ سے پہلے درجہ کمال ختم نہیں ہوتا خود کو چانس دو۔

صفیہ حماد نے کچھ نہیں کہا لیکن خاموشی سے کمرے سے پرانی یاد سے منسلک ہر چیز اسٹور روم میں بند کردی پھر زندگی کو چانس دینے کی سعی کی تھی کہ گھر کے دروازے میں ایک تن فن کرتی لڑکی آن کھڑی ہوئی۔

تم کون ہو......اس نے غصیلے لہجے میں کہا وہ مسکرا کر اسے دیکھتی رہی۔ انداز سے جان گئی تھی کہ یہ فائزہ ہائم کے سوا کوئی نہیں ہوسکتی۔ ملازم سے اس نے سامان باہر سے اندر لانے کا حکم دے دیا تھا مگر اس کے سوال کا جواب نہیں دیا تب ہی اس نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

تم ہی ہو وہ لڑکی جس کی وجہ سے ہائم واپس آنے کا نام نہیں لے رہے۔

جی۔ وہ پچھلے دنوں میری وجہ سے واقعی بہت پریشان رہے ہیں۔ لیکن اب وہ آپ سے ملنے کے لیے اپنی سیٹ کنفرم کروا رہے تھے۔

تم......اب مجھے تم بتاؤ گی کہ وہ مجھ سے کب ملیں گے کب نہیں آخر تم ہو کون میں ان کی خالہ کی بیٹی ہوں۔

خالہ کی بیٹی......اس نے منہ ٹیڑھا کر کے اسے دیکھا پھر بھنا کر بولی۔

یہ کزن گرلز۔ ساری زندگی بیویوں کے سر پر تلوار کی طرح لٹکتی رہتی ہیں مگر تم دیکھو میں ان باتوں سے گھبرانے والی نہیں ہوں تمہارا نام کیا ہے۔

میرا نام صفیہ حماد ہے ویسے آپ ہمیشہ سے اتنی ہی غصے کی تیز ہیں یا یہ غصہ مجھے دیکھ کر دو چند ہو گیا ہے۔ صفیہ حماد نے ڈاکٹر روحا سے میٹنگ کے ذریعے بہت ساری پرابلمز پر قابو پا لیا تھا۔ اس لیے اب بہت کھلے دل سے پرابلم کا سامنا کرتی تھی۔ سو مطمئن انداز میں اس سے بات کر رہی تھی پھر شام تک وہ اسے دریافت کر چکی تھی۔

مگر ہائم ہارون کے آتے ہی اس نے اپنے دماغ کی خرافات سے صفیہ حماد اور انجلینا کو اک ساتھ کھڑا کیا تو وہ بھنا گیا۔

تم پاگل ہو۔ پتا نہیں تم پر مجھے محبت ہونے کا گمان کیوں گزرا تھا تمہارے اندر اتنی فضول سوچیں ہیں۔ حیرت ہوتی ہے ہم دس سال سے کس طرح ایک ساتھ رہے ہیں۔ انجلینا ایک کمزور اور مجبور لڑکی ہے اس کی مدد کر کے میں صرف نیکی کمانا چاہتا ہوں تاکہ میری اور تمہاری زندگی میں کوئی بڑا حادثہ نہ ہو جائے نیکی اچھائی کرنے والا ہمیشہ شک کی نظر سے مر جاتا ہے یا مار دیا جاتا ہے مگر بس یہ سودا میرے خون میں شامل ہے میں اس سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔

رہی صفیہ حماد کی بات تو یہ میری بہن ہے۔ یہ صرف میری خالہ کی بیٹی ہی نہیں ہے بلکہ میں اس کا دودھ شریک بھائی ہوں اس قرض کا کوئی ادا ہونے والا چیک ہے تمہاری چیک بک میں...... فائزہ سے کچھ نہیں بولا گیا صفیہ نے اس کو بانہوں میں بھر لیا تھا۔

وہ روئے جا رہی تھی پھر چپ ہوئی تو اس کی آنکھیں شفاف تھیں اس نے روٹھے شوہر کو دیکھا تھا پھر صفیہ حماد کی طرف دیکھ کر حوصلے کی کمک لے کر وہ اس کے پیچھے پیچھے ٹیرس پر چلی گئی تھی۔ صفیہ حماد کمرے میں آ گئی تھی اس نے وضو کیا پھر نماز پڑھ کر تمام عمر اس رشتے کے تاعمر قائم رہنے کی دعا کی۔

وہ نماز کے بعد کچن میں آ گئی تھی پھر کافی بنا رہی تھی کہ اس کے موبائل پر بیپ ہوئی اس نے ہائم ہارون کا نمبر دیکھ کر حیرت سے ریسیو کیا۔

ابھی تو آپ گھر میں تھے اب کہاں سے بول رہے ہیں...... اس نے پوچھا تو فائزہ کی آواز آئی۔

بس دس منٹ میں آتے ہیں اچانک تمہارے بھائی کو یاد آیا ہے کہ آج تمہاری سالگرہ ہے۔

میری سالگرہ تو کیا آج سترہ جولائی ہے اس نے زیر لب دہرایا۔

وہ مصروفیت میں یاد نہیں رہا تھا لیکن کل اچانک یاد آیا۔ تمہیں پتا ہے تمہارا ملنا ہمارے لیے کتنا لکی ثابت ہوا ہے۔ ہم جو ایک دوسرے سے دور ہو رہے تھے۔ تمہاری وجہ سے ایک دوسرے کے قریب ہو گئے ہیں۔ میں نے جان کر اسے غلط فہمی میں مبتلا ہونے دیا تھا تاکہ یہ جان سکے اس میں مجھ سے دور ہونے کی ذرا ہمت نہیں ہے...... فائزہ ہنسنے لگی تھی پھر شرارت سے بولی۔

تمہارے بھائی اول درجے کے جھوٹے ہیں۔

پورے پروگرام کی سیٹنگ ہوئی ہے۔

مگر یہ ضرور ہے اتنے مہینوں کے بعد ہم ایک بات سمجھ گئے۔ اب ہم چاہیں بھی تو ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے صفیہ حماد بھی ہنس کر اس کی خوشی میں شامل ہو گئی تھی۔

پھر ملازم نے کسی رامس آفاق کے آنے کی اطلاع دی تھی۔

یہ شخص پچھلے کئی مہینوں سے اسے تنگ کر رہا تھا مسڈ کالز دے دے کر باہر نکلتے ہی اس کو جانے کیسے خبر ہو جاتی کہ وہ دائیں بائیں نظر آنے لگتا وہ کچھ کہنا چاہتی مگر پھر خاموش رہ جاتی ہائم ہارون کو اب وہ پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔

تم.....تم میرے گھر تک کیوں چلے آئے۔

اس لیے شریفوں کا یہی شیوہ ہے۔میں آپ کا ہاتھ مانگنا چاہتا ہوں۔

اس نے قدرے شوخی سے جواب دیا وہ پزل ہوگئی بہت سارا وقت گزر گیا۔پھر وہ کچھ سوچ کر کچھ کہنے والی ہی تھی کہ پیپی برتھ ڈے کا شور سن کر حیران رہ گئی۔ہائم ہارون فائزہ اور اپنے قریبی دوستوں کے ساتھ ڈرائینگ روم کے دروازے پر کھڑا تھا۔

فائزہ ٹیبل پر کیک سجا رہی تھی ڈرائینگ روم پر اس نے قدرے غور کیا صبح سے یہاں اس کا آنا نہیں ہوا تھا۔سو اب محسوس ہو رہا تھا کہ ڈرائینگ روم بہت زیادہ ڈیکوریٹ کیا گیا تھا وہ یکدم ہلکی پھلکی ہوگئی تھی فائزہ کیک پر موم بتیاں سجا رہی تھی اور جانے کب وہ اجنبی اس کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔

مجھے اس قسم کی محبتوں بھری محفل میں شریک ہونے کا بچپن سے شوق تھا لیکن یو کے میں وقتی طور پر ہوتا تو ہوتی تھی لیکن محبتوں کا اتنا خالص اظہار وہ مڑ کر کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس کے چہرے پر پھیلے تاثرات دیکھ کر رک گئی۔وہ لطف لے رہا تھا ماحول سے اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتی فائزہ اس کے کان میں گنگنائی

تمہیں رامس اچھا نہیں لگا تمہارے بھائی کا خیال تھا تم ان کی پسند سے روگردانی نہیں کر سکتیں اور رامس صاحب چاہتے تھے وہ ارینج میرج نہیں کریں گے مگر تم نے بھی خوب انہیں دوڑایا......وہ ہنسنے لگی۔

اور اس کی نظر ہائم پر جا کر رک گئی جو دوستوں کے جھرمٹ میں کھڑا خوش گپیوں میں مصروف تھا اور اس نے رامس کا ہاتھ تھام رکھا تھا پھر اس کے کانوں نے سنا وہ بڑے زعم سے کہہ رہا تھا۔

وہ میری بہن ہے میری مرضی کے خلاف نہیں جا سکتی جو گزر گیا اس سے قطع نظر اب وہ پوری کی پوری میری بہن ہے۔میری طرح سر پھری نخریلی اب تم بتاؤ تمہیں اب بھی قبول ہے۔رامس نے ہنستے ہوئے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور پھر بہت رسان سے بولا۔

مجھے وہ ہر حالت میں قبول ہے جو گزر گیا اس پر میرا کوئی اختیار نہیں مگر آگے کے سارے اختیار اس کے ہاتھ میں دینا اچھا لگے گا۔

ہائم کے چہرے پر آسودگی در آئی تھی کیک سامنے رکھا تھا۔سب اٹینشن تھے اس نے کیک کاٹا پہلا ٹکڑا اس نے ہائم کی طرف بڑھایا تھا۔ہائم نے اس ٹکڑے کا ہلکا سا بائٹ لیا پھر پہلے صفیہ کو کھلایا پھر فائزہ کو۔آخر میں کچھ نہیں بچا تو رامس کے لیے الگ سے ٹکڑا کاٹا پھر یکدم صفیہ کی طرف بڑھا دیا۔

بھئی یہ تمہارے مہمان ہیں تم بھگتو......صفیہ نے گھور کے دیکھا مگر وہ کندھے اچکا کر فائزہ کو دیکھنے لگا فائزہ نے ہائم کا ہاتھ جکڑ رکھا تھا صفیہ کو ہنسی آ گئی وہ اس کے کان میں بولی کھلا رہی ہوں اسے مگر میرے بھائی پر تشدد تو مت کرو اتنی زور سے ہاتھ بھینچے ہیں۔

فائزہ کی مسکراہٹ بہت جاندار تھی وہ رامس کو کیک کھلانے کے لیے مڑی تو اس نے ہائم کو دیکھ کر ادا سے کہا۔

بس ہوگئی آپ کی خواہش پوری اب ہے کوئی جو آپ کے لیے مجھ سے جواب طلب کر سکتی ہے خود آپ کی پرواہ مجھ سے بڑھ کر کرنے والی ہے۔ ہائم کی آنکھوں مسکراہٹ تیرنے لگی تھی اور رہی صفیہ حماد۔

تو مسکراہٹ اس کے چہرے کا احاطہ کیے بنا کیسے پلٹ سکتی تھی وہ رامس سے باتوں میں مصروف تھی جو اچھی زندگی گزارنے کے پلان بنا رہا تھا اور وہ بے دھیانی میں جازی اویس کو مس کرنے لگی تھی۔ آنکھوں میں کہیں سے نمی سی آ گئی تھی کہ رامس نے اس کا ہاتھ تھام لیا پھر حوصلے سے بولا۔

جازی اویس اور تمہارے ادھورے خواب مجھے تمہارے ساتھ قبول ہیں۔ پوری کی پوری تم قبول ہو۔ بس اتنا کہہ دو تم میرا ساتھ دو گی میرے خواب تمہارے ساتھ اور ہماری خوبصورت شامیں سب کی بہت اچھے دن پر ادھار ہیں۔ کیا وقت کو یہ قرض اتارنے کا حق نہیں دو گی۔ وہ کچھ نہیں بولی مگر پوری کی پوری اس کی التجا میں سمٹ گئی۔

وقت پر جو کچھ ادھار تھا وہ سب کچھ زندگی جھولی میں لے کر کھڑی تھی اور وہ انکار نہیں کرنا چاہتی تھی۔

ہائم بھائی کا جو فیصلہ ہے وہی میری مرضی ہے۔

بہ وقت اس نے کہا اور وہ خوشی سے جھوم گیا یکدم محبت کی گرم جوشی کے ملن سے اس کی زندگی میں ایک دریچہ کھل گیا تھا۔ جہاں سے سبز موسم خوشبو اور رنگ سے گلے ملتے ہوئے اسکی زندگی میں چلے آئے تھے اس نے خوشگوار احساس سے کرسی پر بیٹھ کر رامس فائزہ اور ہائم کو دیکھا تینوں چہرے خوشی سے جگمگا رہے تھے۔ اس نے اندر جھانکا جازی کا دکھ ایک کونے میں آنکھ بند کیے بیٹھا تھا بظاہر یہ دکھ بھلایا نہیں جا سکتا مگر ساری زندگی اس دکھ کی نذر بھی تو نہیں کی جا سکتی تھی اتنے مسکراتے چہرے اداس کرنے کا اس میں حوصلہ نہیں تھا۔ اور زندگی اور محبت اتنے بخیل نہیں تھے کہ اس کے پھیلے دامن کو خالی رہنے دیتے۔ سو اسی امکان پر اس نے زندگی جینے کا ایک چانس لیا تھا راستے خود بخود بنتے چلے جاتے۔ کہ یہی ہوتا ہے۔

اک عمر کی خلش

''Love is Power''میران کے لبوں نے بیٹھے بٹھائے پہلا فائر کیا تو کینٹین میں سب ہی اپنے اپنے مورچے سنبھال کر خم ٹھونکے آمنے سامنے آبیٹھے۔سب کے ہی پریڈ فری تھے اور وہ سب کینٹین میں چائے،سموسوں،پیٹیز پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے اگلے پریڈ کے متعلق ڈسکس کرنے میں اس بری طرح مگن تھے کہ ثامن کو میران کی بات کی طرف توجہ دلانے کے لیے باقاعدہ اسپیکر بن کر اعلان کرنا پڑا۔

''دوستوں نئی سنو Love is Power ہو نہہ بنڈل۔'' اعلان کے ساتھ ہی اس نے اپنی قیمتی رائے بھی فضائی ٹکٹ سمیت انہیں ارسال کردی تو ان سب کے ہونٹ ٹوتھ پیسٹ کا اشتہار بن گئے۔

''اوئے یہ ہنسنے کا مقام ہے۔'' ثامن نے میران سے ہٹ کر ان کی طرف آتے ہوئے میز پر ہاتھ مار کر ان کے دانتوں کی نمائش پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو عظمیٰ بالکل رمنہ کے کان میں گھس گئی۔

''یہ بیٹھے بٹھائے میران کو محبت کی طاقت کا الہام کیوں ہو گیا۔''

''پھر ہو گئی ہو گی کسی امیر زادی سے محبت۔'' ناصر نے ہنستے ہوئے دبے دبے لہجے میں رمنہ کی طرف سے عظمیٰ کو جواب دیا تو وہ برا سا منہ بنا کر رہ گئی۔

''تم جس طرح کی حرکتیں کرتے ہو کیا ضروری ہے میران بھی ویسا ہی ہو۔''

''کیوں نہیں اپنی طرح یوسف کی طرح یار بلکہ یار غار ہے محترمہ اور پھر وہ مقولہ تو سنا ہی ہوگا آپ نے کہ انسان اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے۔''

''کیا کہا محبت سے پہچانا جاتا ہے۔'' ہانی نے درمیان میں لقمہ دیا تو ناصر نے اس کے بال مٹھی میں جکڑ لیے۔

''یہ تجھے موقع بے موقع بولنے کی عادت کیوں ہو گئی ہے میرے یار۔''

''چھوت کی بیماری ہے یہ اثر کر گئی ہے بچ کے رہنا۔'' مومر نے ڈرایا۔

''یعنی ناصر سے بچ کر رہنا۔'' ہانی جوابی مسکرایا تو ناصر نے اپنی گرفت اور مضبوط کر لی۔

''یار، چھوڑ بھی دیکھ تو کتنی لڑکیاں گھور رہی ہیں ہمیں۔''

''ہاں تو گھوریں اپنے ہی گناہ میں اضافہ کر رہی ہیں نامحرموں کو دیکھنا آنکھ کا گناہ ہے۔'' ناصر پر یکدم محبت سے مذہب غالب آ گیا تو عظمیٰ کو پتنگے لگ گئے ان کے گروپ کی یہ لڑکی اپنی ہم جنسوں پر ایک بھی غلط ریمارک سننا گوارا نہیں کرتی تھی بقول اس کے۔

''اب اکیسویں صدی ہے لڑکیوں کو اپنے حقوق کی جنگ لڑنے کے لیے کیل کانٹے سے لیس ہو جانا چاہیے حق حاصل کرنے کے لیے

جدوجہد کی ضرورت ہے۔" جب وہ حقوق نسواں پر تقریر کرتی تو وہ سب اس کی حوصلہ افزائی کرتے ناصر کہتا تھا۔

"اگر اس لڑکی کی باتوں کو ہم نہ سنیں توجہ نہ دیں تو لکھ لو یہ ایک ہفتے کے اندر اندر اپھارے سے مر جائے گی اور اگر ہٹ دھرمی دکھا کر بچ بھی گئی تو اس کی آخری پناہ گاہ مینٹل ہاسپٹل ہے۔ وہیں اس قسم کی تحریکیں شروع کی جاسکتی ہیں اور وہیں یہ جدوجہد پنپ سکتی ہیں کہ ہمارا معاشرہ مینٹل ہاسپٹل سے بھی گیا گزرا ہے۔"

ناصر جب کہنے پر آتا تو اس کی سوچوں کے الجھاؤ پر ان سب کو تشویش ہونے لگتی وہ تلخی کی حد تک حقیقت پسند تھا وہ الحمرا کے محلات نہیں سجاتا یا لفظوں میں تاج محل بناتا نہ منظر آفرینی کے دیے جلاتا تھا وہ تو بس اتنا کہتا تھا کہ الحمرا ایک کھنڈر ہے اور تاج محل ایک قبر ہے موت کی فتح کا نشان ہے عالیشان سہی مگر انسان کے ہار جانے کا ثبوت ہے۔

"مگر لوگ تو اسے محبت کا سمبل اور ثبوت مانتے ہیں۔"

"مانتے ہوں گے مگر مجھے ہار جانے والی ہر چیز سے نفرت ہے چاہے وہ دل ہو چاہے زندگی۔" وہ حقیقت پسند ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی بات پر ڈٹا رہنے والا انسان تھا اور میران اگرچہ ان کے گروپ میں نہیں تھا مگر پھر بھی ان کے درمیان ہونے والی اکثر باتوں کا مرکز تھا اور رمنہ...... اس کو تو میران کی شخصیت کھوجنے، افشا کرنے کا پرانا کریز تھا۔

تبھی کبھی کبھی وہ خود سے کہتی "میران پور پور محبت میں ڈوبا ہوا ایک عاشق ہے اس کی روح میں شاعری گھلی ہوئی ہے اور زبان وہ تو مصری سے بھی زیادہ میٹھی ہے (جانے کیوں؟) وہ باتیں نہیں کرتا بلکہ شعر کہتا ہے اپنے بحر اور وزن میں پورے بلکہ بعض اوقات وزن کا پلڑا کچھ اتنا بھاری ہوتا ہے کہ وہ یعنی رمنہ اعجاز اس کی مکمل پرسنالٹی، ہسٹری جان لینے کے باوجود اس کی باتوں سے ڈانواں ڈول ہو جاتی تھی۔

سر راہ مل جاتی تو اپنے اندر چھپ جاتی ہیلو ہیلو کرتے ایزی رہنے کی کوشش کرتی اپنا بھرم قائم رکھنے کو۔ "میں نے تمہیں دیکھا ہی نہیں اور اگر دیکھ بھی لیا تو تسلیم نہیں کیا" کا سمبل بنی گھومتی رہتی مگر جب تنہا ہوتی تو دل ضد کرنے لگتا آئینہ دیکھتی تو آنکھوں میں چھم سے میران ہاشمی آبیٹھتا محبت کے راگ الاپنے لگتا آنکھیں بند کرتی تو دل بن کر اس کے سینے میں دھڑکنے لگتا۔

"میران ہاشمی بہت بے درد ہو تم۔" وہ جھنجلا کر اپنے آپ سے الجھ پڑتی خود پر جبر کرتی اور جب کبھی کسی وجہ سے وہ سب مل بیٹھتے تو وہ رمنہ محض اپنے ہی وجود کا سایہ بنی ان کی محفل میں شریک رہتی خاص طور پر میران سے اگنور بی ہیویر رکھنا شروع کر دیتی مگر ان کے گرد اتنے پیارے پیارے لوگ اور باتوں کا اسٹاک ہوتا کہ انہیں ایک دوسرے کے بی ہیویر کے متعلق خبر ہی نہ ہوتی اکثر اوقات ہانی غالب سب کو اپنی آواز میں ڈبو لیتا انہیں اپنا بھی ہوش نہ رہتا کیا آواز تھی اس کی بلکہ آواز نہیں آنسو تھا جو موسیقی کی پلک سے ٹپکا تھا اور ہانی کا روپ لے کر ان کے درمیان آموجود ہوا تھا۔

"کیا غم ہے تجھے؟" موسم اس سے سوال کرتا تو وہ ہنس پڑتا۔

"غم کو کیا غم یار۔" وہ نظر انداز کر کے موسم کو زچ کر دیتا تو ان سب کو ہنسی آجاتی۔

"اوئے ہانی کے بچے ایسی گاڑھی باتیں مجھ سے نہ کیا کر ہضم نہیں ہوتیں یار۔" شریر سے لہجے میں وہ اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اسے

اپنے قریب کرتے ہوئے یاری نبھاتا تو میران پر پھر سے محبت کا حملہ ہو جاتا۔

''لواز پاور۔''

''نو لواز بنڈل۔'' ثامن ہمیشہ ہی اس نقطہ پر الجھ پڑتا تھا۔

''اے رمنہ ویئر آر یو۔'' یکدم ہی ثامن نے اسے جھنجھوڑ کر ہلایا تو وہ واپس اپنے اندر لوٹ آئی کینٹین میں ابھی بھی وہی ہنگامہ تھا محبت کو طاقت اور بنڈل ثابت کرنے کی اسٹرگل تھی۔

''یار وہ بڑھا جا رہا ہے تم بھی تو کچھ کہو ہماری طرف سے۔'' ثامن نے بڑے زوردار بلکہ حکیمہ لہجے میں اسے جگانے کی کوشش کی مگر وہ تو خیالات کی پتنگ کو وسعت دے رہی تھی۔

''تمہیں یہ ماننا پڑے گا رمنہ کہ محبت ایک طاقت ہے ایک لافانی طاقت جو کسی طاقت کے آگے نہیں ہارتی اور مر کر بھی امر رہتی ہے۔'' میران ہاشمی اس کے سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے یقین بنا اس کی سماعت میں قطرہ قطرہ ٹپکنے لگا تو وہ جیسے چونک کر جاگ پڑی۔

ہانی ثامن عظمیٰ اس کی کرسی کے گرد کسی باڈی گارڈ کی طرح ایستادہ تھے مگر وہ تمام تر کوشش کے باوجود محبت کو جھٹلانے کا کفر نہیں کر سکتی تھی کہ اس کی پنیری تو خود اس کے کشت جاں میں سر ابھار چکی تھی کسی پرانی یاد کی طرح اس کا اندر تک مہکار سے بھر چکی تھی پھر! پھر بھلا وہ کیسے کہہ دیتی کہ محبت طاقت نہیں جھوٹ کا پلندا ہے نرابلف ہے۔

''دیکھا دیکھا تمہارے پاس نہیں ہے نا کوئی جواب یعنی واقعی محبت ایک طاقت ہے۔'' میران ہاشمی کی گھنیری پلکوں تلے بھوری آنکھیں ہنسیں تو محبت کی سسکیاں اس کے ہونٹوں سے احتجاج کرنے لگیں۔

''ہاں محبت ایک طاقت ہے مگر وہ طاقت نہیں جو تم سمجھتے ہو یا جس کے سامنے تم اوروں کو سجدہ نشین دیکھنا چاہتے ہو کہ محبت طاقت وہ ہے جو دل سے ایک تیز لہر کی طرح اٹھتی ہے اور انسان کو اپنا اسیر کر لیتی ہے ایسا اسیر کہ پھر اسے کسی اور چہرے میں دلکشی نہیں لگتی محبت تمہاری طرح ایک سے بڑھ کر ایک کی قائل نہیں بلکہ محبت صرف ایک ہاں میران ہاشمی صرف ایک نام ایک چہرے کے آگے سجدہ کرنے والی روح ہے جو کبھی کبھی ہم انسانوں میں جاگ جاتی ہے تو دھرتی پر ہیر رانجھا، سوہنی مہینوال، لیلیٰ مجنوں کے بہروپ میں کسی انمٹ راگ کی طرح بکھر جاتی ہے یا درہ جاتی ہے امر ہو جاتی ہے۔'' وہ خاموش ہوئی تو میران ہاشمی کے مونچھوں تلے ہونٹ مسکرا پڑے مگر وہ کچھ کہے بنا کرسی چھوڑ کر اٹھ گیا۔ (اس کی یہ پرانی عادت تھی اور کتنی ظالم اور بے درد عادت تھی)

''یہ کیا بنڈل مار دیا۔'' ثامن بہت خفا تھا اس سے۔

''عورت کی جدوجہد کی بجائے تم ابھی تک محبت جیسی خرافات میں پھنسی ہوئی ہو اے رمنہ کی بچی مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں تجھ سے ہمدردی کروں یا یہ کپ تیرے سر پر مار دوں۔'' عظمیٰ نے بھی حسب توقع غصہ کا اظہار کیا اور اس کی نگاہ خود بخود ہانی غالب کی طرف اٹھ گئی سگریٹ کے گہرے گہرے کش لیتا ہانی بہت ڈسٹرب لگ رہا تھا۔

''واٹ از یور پرابلم ہانی۔'' اس نے اس کی طرف مکمل توجہ کی تو وہ ''کچھ نہیں'' کہتا ہوا اٹھ گیا۔

''یہ اپنا ہانی بہت پراسرار نہیں لگتا کسی پرانے مدفن خزانے کی طرح۔ ہنسنے پر آتا ہے تو ہنسے چلا جاتا ہے سنجیدگی کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے تو پورا کا پورا بقراط بن جاتا ہے۔'' مومر نے چائے کا آخری گھونٹ حلق سے اتارا تو وہ سب بلاوجہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اپنے اپنے پریڈ اٹینڈ کرنے اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر ایک کے بعد ایک پریڈ کو احسن طور پر نمٹاتے پروفیسرز کے پوائنٹس کو گھسیٹ رائٹنگ میں رف کاپیوں میں اتارتے وہ پھر سے اپنے آپ میں مگن ہو گئے کہ محبت کا سرسام کتابوں کے سامنے خود بخود اتر جاتا تھا اور اگر کچھ یاد رہتا بھی تو غالب، میر اور حالی۔

مس سلمیٰ افضل جو اپنا سارا علم ان سب پر انڈیل دیتیں اور وہ سب سنجیدگی سے پڑھنے لگتے کہ پروفیسر سلمیٰ اپنی کلاس میں کسی کے منہ کا بدلتا زاویہ برداشت کرنے کی بھی قائل نہیں تھیں نہ جمائی لو، نہ چھینک مارو اور ہنسنا تو کیا صرف مسکرانا بھی انہیں ناقابل برداشت تھا۔ اس لیے وہ سب ساکت موی مجسموں کی طرح ان کی کلاس میں بیٹھتے ان کے سوالات کو غور سے سنتے اور پھر لائبریری پر دھاوا بول دیتے جو کتابیں کلیکشن میں نہ ملتیں اسے چندہ کر کے بازار سے منگواتے اور پھر سب مل بانٹ کر کام چلاتے۔

''کتنا بڑا مذاق ہے یہ ہمارے ساتھ۔'' کبھی کبھی ناصر ان کی اس مجبوری پر طنز کرتا تو عظمیٰ اس سے الجھ پڑتی۔

''کیا ہوا جو مڈل کلاس ہیں اپنے چھوٹے سے گھر میں عیش سے رہتے ہیں چٹنی روٹی ہی سہی عزت سے تو کھاتے ہیں کسی کے آگے ہاتھ تو نہیں پھیلاتے۔''

''عظمیٰ بالکل درست کہہ رہی ہے۔'' مومر اس کی سائیڈ لیتا۔

''تم مجھ سے تو یوں جھگڑ رہے ہو جیسے میری تو ملیں چل رہی ہیں یار ہم بھی تم جیسے ہیں بھئی چٹنی روٹی کھانے اور خود کو بزعم عزت ماب شہنشاہ سمجھنے والے۔'' ناصر یکدم ہی کمزور پڑ جاتا تو رمنہ اس سے الجھ جاتی۔

''تم جب اپنی کلاس میں خوش ہو تو بار بار اس کا مذاق کیوں اڑاتے ہو؟''

''صرف اس لیے تاکہ تم لوگ اپنی کلاس اپنی حیثیت سے بڑھ کر خواب نہ دیکھنے لگو۔''

''مطلب؟'' وہ مزید سوال کرتی۔

''تمہاری آنکھوں کو ابھی خواب چھپانے نہیں آتے رمنہ اس لیے کہتا ہوں ایسے خواب دیکھو ہی مت جو تمہیں ہرا دیں تم سے تمہاری انا چھین لیں اے لڑکی یہ دنیا بڑی ظالم ہے یہ خوابوں کے آبگینوں کو ٹھوکر لگانے میں ذرا دیر نہیں لگاتی اور تم جانتی ہو اس ٹھوکر کے بعد کیا بچتا ہے صرف کرچیاں، اذیت دکھ آنسو ہاں رمنہ صرف آنسو۔'' ناصر کہتا تو وہ سب اس کے اور اس کے خوابوں کے پیچھے لگ جاتے۔

''کون سا خواب، کب دیکھا خواب ہم سے کیوں چھپایا۔'' ہزار سوالات تھے جن کے بیچ ناصر، رمنہ کو پھنسا کر ہمیشہ نکل جاتا۔

''جو جانتا ہے اسی سے پوچھو۔'' وہ جھنجلا کر کہتی تو وہ ہنس پڑتا۔

''سنو کیا مشکل اور بے سروپا باتیں صرف ہانی ہی کر سکتا ہے؟''

''نہیں میں تمہیں اپنا استاد مانتا ہوں۔'' ہانی دریا دلی دکھاتا وہ مطمئن ہو جاتے (خوامخواہ) اور پھر محفل سجا کر کبھی وہ ہانی کا گیت سننے لگتے کبھی ناصر کی انقلابی باتیں تو کبھی حقوق نسواں کی تازہ ترین صورت حال جو صرف اور صرف دو تین ڈگریوں اور ہانڈی چولہے کے علاوہ کچھ نہ تھی۔

''نہیں نہیں وقت بدل گیا ہے لڑکیوں کو اب چولہے اور گھر داری سے نکل کر باہر کی دنیا میں قدم رکھنا بہت ضروری ہے نئے خیالات اپنانے ہوں گے ہمیں اپنے جوہر دنیا کے سامنے لانے ہوں گے تاکہ پوری دنیا کو پتا چل جائے کہ اس پسماندہ ملک میں ٹیلنٹ کی کمی نہیں۔''

''ٹیلنٹ کی یا پاگلوں کی۔'' مومر مذاق اڑاتا ناصر، عظمیٰ کو سمجھانے لگتا۔

''ہم چاہے جتنی ترقی کر لیں تمہیں یہ ماننا پڑے گا عظمیٰ کہ عورت کا اصل مقام اس کا اپنا گھر ہے۔ ضرورت کے تحت ملازمت کو میں برا نہیں سمجھتا مگر تفریحاً اپنے ٹیلنٹ کو منظر عام پر لانے کے لالچ میں عورت کو گھر سے باہر لانے کی ہر تحریک کے میں خلاف ہوں۔''

''بس بس وہی دقیانوسی باتیں۔'' عظمیٰ کا منہ کڑوا ہو جاتا تو وہ سب کسی اور موضوع پر بات شروع کر دیتے۔

''آخر تم لڑکیاں اتنی ہٹ دھرم کیوں ہوتی ہو؟''

''اس لیے کہ یہ پلاسٹر آف پیرس سے نہیں بنتیں۔'' کھل کھل مومر کا ٹنشن کے ماحول میں شہانی جملہ انہیں ہنسا دیتا اور وہ اپنی غلطیوں پر ایک دوسرے سے سوری کرنے لگتے۔

''ہمیں اپنے دوستوں کو خامیوں اور خوبیوں کے ساتھ قبول کرنا چاہیے۔'' ان کا پہلا اور آخر عہد یہی تھا اس لیے ہزار جھگڑوں ہزار بحثوں اور اختلافات کے باوجود وہ ایک دوسرے جڑے ہوئے تھے یہاں تک کہ میران ہاشمی بھی ان کے گروپ کو ڈسٹرب نہیں کر سکا تھا نہ کھیلیں گے نہ کھیلنے دیں گے کے مقولہ پر ڈٹا ہوا میران ہاشمی کئی بار ان میں سنجیدہ لڑائی کروانے کی کوشش کر چکا تھا محبت کی طاقت پر گھٹنوں رطب اللسان رہنے والا میران ہاشمی جب ان سے الجھتا تو ایک ہی جملہ کہتا۔ ''محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔''

''تم محبت کر رہے ہو یا جنگ۔'' ناصر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھتا۔

''محبت! صرف محبت کرنا چاہتا ہوں مگر تم لوگ خود ہی مجھے اس قابل نہیں سمجھتے۔'' شکوہ اس کے ہونٹوں پر آ جاتا تو عظمیٰ مجسم ہمدردی بن کر اسے دیکھنے لگتی۔

''دراصل ہم اپنی کلاس سے اونچی دوستیاں نبھا نہیں سکتے میران۔'' ناصر نپے تلے لہجے میں کہتا تو میران کی آنکھوں میں عناد آ جاتا۔

''تم خود کو سمجھتے ہو کیا دیکھ لینا ایک دن میں تمہارے اس حصار اس دائرے کو تباہ کر دوں گا۔'' برسر عام دھمکی دیتا ہوا وہ اٹھ کھڑا ہوتا تو رمنہ کے خون میں پارا گردش کرنے لگتا میران ہاشمی کی محبت کہیں اندر ہی سو جاتی اور دماغ میں منہ توڑ جواب دینے کی خواہش ٹھاٹھیں مارنے لگتی۔''

''بی ایزی رمنہ ایزی بے بی۔'' ناصر اس کے کاندھے پر ہاتھ دھر کر اسے شانت رہنے کو کہتا تو وہ جلدی جلدی سانس لینے لگتی اور مومر ایسے ہر موقعہ پر کوئی نہ کوئی ایسا لطیفہ ضرور سنا دیتا جس سے ساری ٹینشن دھول مٹی کی طرح صاف ہو جاتی۔

''انسان کی محبت نفرت دونوں سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ دل کی آنکھیں کھلی رکھو دماغ کی حکومت کو مان لو۔''

''مگر یار کبھی کبھی دل سے سوچنا بھی بڑا لطیف لگتا ہے۔'' ثامن کہتا۔

''دل سے سوچا ہوا ہر فیصلہ غلط ہوتا ہے۔'' ناصر اس کی نفی کرتا۔

''دل محبت ہے اور محبت دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔'' ہانی بھی ناصر کا ساتھ دیتا۔

''اگر یہ جھوٹ ہے تو تم اپنی ماں کا احترام کیوں کرتے ہو اس کی ممتا کو سچ کیوں مانتے ہو؟ رمنہ ہانی سے الجھ پڑتی۔

''اس لیے کہ وہ ماں ہے اور اس کی ممتا سچ۔'' ہانی گھبرا کر اپنے پوائنٹ کا دفاع کرتا۔

''ماں اور ممتا کیا کسی اور جذبے کو کہتے ہیں ممتا محبت ہی کا روپ ہے مقدس روپ ایسا روپ جس کے آگے عقیدت کے تمام ہار پھول بھی چڑھا دیے جائیں سر جھکا کر عبادت میں صدیاں بھی گزار دی جائیں تو اولاد ہونے کا حق نہیں ادا ہوتا۔'' رمنہ اپنی دلیل واضع کرتی۔

''آئی ایگری ود یو۔'' اور اس کے ساتھ ہی سب بیک زبان ہو جاتے اور پھر پوائنٹ پر عموماً کھڑے ہو کر اپنے گھروں کو لوٹ آتے ناصر، رمنہ اور عظمیٰ کا بہت خیال رکھتا خاص طور پر انہیں جگہ بنا کر دیتا اور سزا کے طور پر ہمیشہ فٹ بورڈ پر کھڑا ہو کر سفر کرتا بعض دفعہ تو اسپیڈ بریکر پر اتنے جھٹکے لگتے کہ اس کے ہاتھ سے پائپ چھوٹتے چھوٹتے بچتا۔

''الٰہی خیر۔'' رمنہ اور عظمیٰ خوف سے چیخ پڑتیں وہ صرف مسکرا دیتا۔

''ہم لوگ بہت سخت جاں ہیں یار اتنی جلدی نہیں مریں گے۔'' کبھی کبھی یونیورسٹی میں ان دونوں کے الجھنے پر وہ مسکرا کر کہتا۔

''آخر ہمارے لیے تم اتنی تکلیف کیوں کرتے ہو؟''

''اس لیے کہ تمہارے چہروں پر ہونق پن بالکل اچھا نہیں لگتا۔'' سرسری لہجہ اپنائے وہ ان کے گروپ کا گارجین بن گیا تھا وہ سب اس کے ہمراہ بہت پرسکون رہ کر اپنی تعلیم حاصل کر رہے تھے اماں کو پورا پورا اعتماد تھا ناصر پر اس لیے وہ بہت شانت تھیں۔

''میرے اطمینان کے لیے یہی کافی ہے کہ تو اس یونیورسٹی میں ہے سچ اگر رمنہ کا کوئی بھائی ہوتا تو بالکل تیرے جیسا ہوتا بلکہ میں تو کہتی ہوں وہ بھی اتنا خیال نہ کرتا جتنا تو رمنہ کی دیکھ بھال کرتا ہے۔'' اماں تعریف کرنے پر آتیں تو وہ بالکل شرمندہ ہو جاتا اور کہہ اٹھتا۔

''یہ تو میرا فرض ہے خالہ جان۔''

''یہ تو تیرے ظرف کی بات ہے ورنہ تجھ پر زور زبردستی تھوڑی ہے۔''

''واہ خالہ پھر غیروں جیسی باتیں۔''

''اے خدا نہ کرے میں تجھ سے غیروں والی باتیں کروں تو تو میرے بیٹے جیسا ہے۔'' اماں نے اتنی بے قراری اور ایسے گھبرائے لہجہ میں کہا کہ رمنہ کو ہنسی آ گئی۔

''اے تم یہاں کھڑی ہنستی رہوں گی یا بھائی کے لیے کچھ ٹھنڈا گرم لاؤ گی۔'' اماں کی نگاہ کا زاویہ بدل کر رمنہ پر آ رکا تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھ گئی۔

''میں آپ کے بیٹے جیسا نہیں بلکہ آپ کا بیٹا ہوں خالہ جان آپ کا حق تو میری ماں کے برابر ہے آپ مجھ پر زور زبردستی تو کیا میری جان لینے کی بھی مجاز ہیں۔''

''اے کیا الٹی پلٹی باتیں نکالتا ہے منہ سے بھلا تیری جان میں کیوں لینے لگی۔''

''ہاں اور کیا اماں کون سی قصائی ہیں جو تمہارا قیمہ اور چانپیں بیچ کر انہیں منافع ہوگا ویسے ناصر تمہارے اندر سوائے ہڈیوں کے کچھ نہ نکلے گا ویسے آج کل ہڈیاں بھی مہنگے داموں فروخت ہوتی ہیں یخنی کے لیے۔''

''کیا بکتی ہے رمنہ'' اماں نے اس کے ہاتھ پر سروتا کھینچ کر مارا تو اس کے آنسو نکل آئے۔

''واہ اماں یہ کیا کیا آپ نے؟'' ناصر اٹھ کر اس کے سرخ ہوتے ہاتھ کی مزاج پرسی کے لیے بڑھا تو وہ خفا ہو کر اٹھ گئی۔

''ارے ہاتھ تو دکھاؤ رمنہ کہیں سوج نہ جائے۔''

''اچھا ہے سوج جائے تاکہ کام نہ کرنا پڑے۔''

''ہاں ہاں کام سے تو جان چرانے کی عادت پڑ گئی ہے تمہیں۔ یونیورسٹی والے کام کاج کرنے سے منع کر دیتے ہیں ہم نے تو نہیں دیکھی ایسی پڑھائی کہ پڑھائی کرو تو تنکا بھی نہ ہلاؤ ارے پہلے بھی لڑکیاں پڑھتی تھیں چولہا چوکی بھی سنبھالتی تھیں اور اپنی تعلیم بھی حاصل کرتی تھیں۔''

''ارے خالہ رمنہ کون سا کام کرنے سے جان چراتی ہے اور پھر گھر بھر کو سنبھالا ہوا تو ہے اس نے۔''

''بس ناصر بیٹے اس کی حمایت زیادہ مت کرو ورنہ مزاج آسمان پر پہنچ جائے گا۔'' (یہ ماؤں کو بیٹیوں کے مزاج آسمانوں پر پہنچ جانے کی کتنی فکر رہتی ہے) اور جب اس بات کا ذکر اس نے ناصر سے کیا تو وہ حسب سابق بزرگ بن گیا۔ ''ماؤں کو بیٹیوں کے مزاج کے ساتویں آسمان پر پہنچ جانے سے صرف اس لیے خوف لاحق رہتا ہے کہ بیٹیاں پرایا دھن ہوتی ہیں رمنہ، بے جا لاڈ پیار سے ان کے مزاج میں بلا کی نزاکت آجانے کا احتمال رہتا ہے۔''

''ہاں تو کیا، تکلیف دیتی ہے ہماری نزاکت۔'' وہ الجھتی۔

''بیٹوں کے برخلاف بیٹیوں کو ناز اٹھوانے نہیں کسی بالکل اجنبی شخص کے ناز اٹھانے پڑتے ہیں پاگل لڑکی اس لیے مائیں بے جا لاڈ پیار نہیں کرتیں اپنی بچیوں کے ساتھ تاکہ ان کی بیٹیاں ہر ماحول میں سکھی رہیں کٹھن سے کٹھن مرحلہ میں مردانہ وار ڈٹی رہیں اور ان کی ممتا کی لاج رکھیں ہر تکلیف خود پر سہہ کر اپنے گھر اور اپنے شریک حیات کا آخری لمحے تک ساتھ دیں تاکہ ان کی وفا پر ان کے خون پر حرف نہ آئے۔'' ناصر کے سمجھانے کا انداز بہت اچھا تھا اس لیے وہ اکثر مطمئن ہو جاتی۔

مگر میران ہاشمی واحد ایسا سوال تھا جو ابھی تک اس کے سینے میں اٹکا ہوا تھا ناصر اس راز کو جانے کیسے بھانپ گیا تھا مگر پھر بھی اس نے اسے کبھی کسی کے سامنے اس معاملے میں ایکسپوز نہیں کیا تھا سوائے اونچے خواب نہ دیکھنے کی تنبیہہ کے بات اسکی بالکل ٹھیک تھی مگر وہ اسے کیا بتاتی کہ اس نے اور لڑکیوں کی طرح اونچے اسٹیٹس کی بجائے صرف میران ہاشمی کے خواب دیکھے تھے۔

اسے اس کی دولت اس کی شہرت اس کی نئی ماڈل کی گاڑیوں کی ہوس نہیں صرف اس کی محبت کی چاہ تھی وہ صرف اتنا چاہتی تھی کہ بس وہ صرف ایک بار سارے خلوص کے ساتھ اس سے کہہ دے۔

''رمنہ اعجاز تمہاری محبت کے سامنے میں ہار گیا ہوں ہاں میں میران ہاشمی جو کبھی محبت کو نہیں مانتا تھا تمہارے روپ میں محبت کو تسلیم کر بیٹھا ہوں اور سچے دل سے تسلیم کر بیٹھا ہوں۔''

''تمہاری یہ محبت نہیں ہرانے کی ہوس ہے رمنہ اعجاز۔'' کبھی کبھی دل تنبیہ کرتا تو وہ اپنے پہلے قول کو باطل کر دیتی صرف اس کی محبت کے اقرار کو پانے کی دعا کرتی اور جو یہ بھی لالچ لگتا تو سجدہ کرتی جبین سے صرف اتنا کہتی کہ میران ہاشمی کو بنا کسی لوبھ کے چاہو پانے کے خیال کو پرے رکھ کر چاہو شاید اس روپ میں محبت زیادہ سچی اور زیادہ امر گردانی جائے۔

''کتابی باتیں، محبت فضول ہے بڑے لوگوں کے چونچلے ہیں ہمارے پاس کیا ہے کہ ہم آغا حشر کی طرح انار کلی کے لمبے لمبے اپنی سوٹ کریں۔ شیکسپیئر کی طرح طویل طویل عشقیہ ڈائیلاگ ماریں ارے یہ بیسویں صدی ہے یہاں محبت کے لیے صرف ایلو ایلو کا ہی نغمہ ڈائریکٹ ہوسکتا ہے اور پھر محبت اتنا بڑا مسئلہ ہے بھی کہاں اگر یہ سب سائنس دان محبتوں کی سلور جوبلی منا رہے ہوتے تو ہم بجلی پنکھے اور ٹی وی اور دیگر الیکٹریکل چیزوں سے محروم ہو کر تاریخی ڈراموں کی طرح ایک دوسرے کو مور پنکھ جھل رہے ہوتے۔''

کبھی جو رمنہ کی بے وقوفی سے یہ موضوع اسٹارٹ لے لیتا تو ہانی ناصر سے بھی زیادہ پر جوش ہو کر محبت کی مخالفت کرنے لگتا اور وہ سب ہنستے...... سوائے رمنہ کے جو ان تمام باتوں کے باوجود سوچتی کہ اگر محبت نہ ہوتی تو آدم کیونکر تخلیق ہوتا محبت نہ ہوتی تو انسان غاروں سے کیسے متمدن دنیا میں وارد ہوتا یہ محبت ہی کا ایک جوہر ہے جو نئے تقاضوں میں ڈھل کر مشینی ہو گیا ہے۔ محبت کی اصل تو وہی ہے بس ہم نے اسے اپنے وقت کے حساب سے ٹائم ٹیبل کے سلوفنگ پیکنگ میں بند کر دیا ہے۔

بے توجہی کے اسٹوریج میں رکھے محبت کے یہ پیکٹ برف ہو گئے ہیں ٹھنڈے ایسے منجمد ہو گئے ہیں کہ دل! دل نہیں گلیشیر بن گیا ہے خوشی غم سے بے پروا ایک خون کا لوتھڑا جس کا کام میڈیکل کی زبان میں جسم کو صاف خون مہیا کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے دلوں میں سرد مہری کا بیج ہم نے خود بو لیا اور لگے محبت کو بنڈل اور جھوٹ ثابت کرنے ارے محبت تو صرف محبت ہے مجسم وفا مجسم ایثار بقول بشریٰ رحمٰن ''جو ایثار نہیں کرتے وہ محبت نہیں کرتے۔''

''او میری فلاسفر کچھ آپ بھی خیال آرائی فرمائیں گی۔'' ثامن، ہانی اور ناصر کے چپ ہو جانے پر اسے اکساتا تو اس کی نگاہ میں میران ہاشمی آ دھمکتا۔

محبت

محبت اوس کی صورت

پیاسی پنکھڑی ہونٹ کو سیراب کرتی ہے

گلوں کی آستینوں میں انوکھے رنگ بھرتی ہے

سحر کے جھٹپٹے میں گنگناتی مسکراتی ہے۔

محبت کے دنوں میں وشت بھی محسوس ہوتا ہے

کسی فردوس کی صوت

محبت آگ کی صورت

بجھے سینوں میں جلتی ہے تو دل بیدار ہوتے ہیں۔

محبت کی تپش میں کچھ عجیب اسرار ہوتے ہیں۔

کہ جتنا یہ بھڑکتی ہے عروس جاں مہکتی ہے۔

دلوں کے ساحلوں پر جمع ہوتی اور بکھرتی ہے

محبت جھاگ کی صورت

محبت آگ کی صورت

تھکے ہارے ستارے جب زمیں سے بات کرتے ہیں تو کب کی منتظر آنکھوں میں

شمعیں جاگ اٹھتی ہیں

محبت ان میں جلتی ہے چراغ آب کی صورت

محبت خواب کی صورت

محبت درد کی صورت

''بس اتنے اچھے ماحول کو دکھ میں مت بھگوو۔'' یکدم ہانی نے نظم پڑھی رمنہ کا سحر توڑ دیا لمحہ بھر کو رمنہ نے ہانی کی آنکھ میں آنسو بن کر اٹکتی محبت کو دیکھا اور خاموش ہو کر اس کی بات مان لی اور کرسی سے پشت لگائے ان سب کی طرف دیکھنے لگی جب کہ مومر اور عظمیٰ کچھ اپ سیٹ سے تھے۔

''تم دونوں کو کیا ہوا شکل پر بارہ کیوں بج رہے ہیں۔'' ناصران دونوں کی طرف مڑا۔

''جانے یونیورسٹی کے بعد کون کہاں ہوگا ہم کبھی مل بھی سکیں گے یا وقت کا شکار ہو کر ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں گے ہمیشہ کے لیے۔''

یونیورسٹی کی الوداعی پارٹی سے پورے ایک مہینہ پہلے ان پر بچھڑنے کا غم طاری تھا تبھی عظمیٰ رو پڑی تھی اور مومر نے بھی بھرائی ہوئی آواز کو چپ کے بکل میں چھپا لیا تھا۔

''نہیں یار نا امیدی کی باتیں نہیں کرتے ہم ہر ہفتے ملیں گے۔''

''کہاں؟'' ثامن کے حوصلے پر مومر پوچھنے لگا۔ سب سوچنے لگے اور سوچنے پر طے پایا کہ ہفتہ میں کبھی کبھی فون اور بالمشافہ ملاقات

کرنے کے لیے ایک دوسرے کے گھر آنا جانا لگا رہا کرے گا۔

ان سب کے والدین بھی آپس میں قریبی رشتہ داروں کی طرح ایک دوسرے کو ٹریٹ کرنے لگے تھے ایک نامحسوس بندھن تھا جو ان سب کے بڑے آپس میں اس طرح جڑے ہوئے تھے اجنبیت کا معمولی سا احساس بھی ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا تھا اور رمنہ سوچتی تھی کہ ہم مڈل کلاس لوگ رشتہ داریاں بہناپے اور بھائی بندیاں اتنی جلدی قائم کر لیتے ہیں کہ سوائے حیرت کے اس معاملے میں کچھ نہیں سوچا جا سکتا۔

''کہاں گم ہو میری فلاسفر۔'' یکدم رمنہ کی سوچتی آنکھوں کے سامنے مومر نے ہاتھ ہلایا اسے آواز دی تو وہ ہنس پڑی۔

''بس مستقبل کے بارے میں سوچ رہی تھی۔''

''یعنی یہی کہ مستقبل میں P.H.D کیا جائے یا گھر بیٹھ کر مکھیاں ماری جائیں۔''

''بے فکر رہو ڈیئر تمیس مار خان بننے سے پہلے ہی خالہ اماں تمہیں کسی کا شریک سفر کر دیں گی۔''

''چھوڑو فضول باتیں مت کرو۔'' وہ چڑ گئی ہمیشہ کی طرح۔

''واہ کیسے چھوڑوں تم لڑکیوں کا سب سے دلچسپ موضوع ہے یہ۔''

''شادی بیاہ اور دلچسپ موضوع کیا بکتے ہو مومر کیا زندگی میں اس سے بہتر کام نہیں کیے جا سکتے۔''

''مثلاً آپ ہی چھوٹیئے کہ آپ کے پاس بہتر کام کرنے کے لیے کیا چوائس ہے۔'' عظمیٰ کی دخل اندازی پر مومر کا پورا کا پورا رخ اس کی طرف ہو گیا تو رمنہ نے طویل شکرانے کی سانس لی۔

''سوشل ورک عوت کو مقام ولانے کی جدوجہد۔'' اس کی بات پر سب لڑکے بیک وقت چلائے۔

''عورت کی عزت شان تو اس کے گھر اور اس کے رکھ رکھاؤ سے ہے اور پھر یہ کس آزادی کے لیے آواز اٹھاتی ہے بھلا کس قسم کی آزادی چاہیے اسے پڑھنے لکھنے سوچنے سمجھنے کی ہر طرح آزادی تو ہے کیا یہ اللہ اور ان کے رسول ﷺ کا احسان کم ہے اس پر کہ انہوں نے بھیڑ بکریوں کی طرح زندگیاں گزارتی صنف نازک کو انسان اور قابل تعظیم ہونے کا شرف بخشا کیا عہد قدیم سے یہ کوئی ایک بھی مثال ایسی لا سکتی ہیں۔ جس میں عورت کو ایسی وقعت حاصل ہوئی ہے جس پر وہ اپنے عورت ہونے پر فخر کر سکتی ہو۔''

''تم سب لوگوں کو کہنا ٹھیک ہے لیکن یہ بھی غلط نہیں کہ ہزاروں عورتوں اور لڑکیوں کو تو میں جانتی ہوں جن کے ساتھ انسانیت سوز سلوک ہوتا ہے۔ یہ معاشرہ مردوں کا معاشرہ ہے مرد عورت پر حکمراں رہنا چاہتے ہیں وہ انہیں دبانا چاہتے ہیں خود رحمی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں اس لیے میں چاہتی ہوں کہ عورتوں میں بیداری پیدا ہو وہ اپنے حقوق احسن طور پر حاصل کر سکیں برابری کے سلوک کے لیے آواز اٹھا سکیں۔''

''شٹ اپ عظمیٰ۔'' ناصر کا دماغ یک دم گھوم گیا اور رمنہ عظمیٰ کے خشمگیں تاثرات کو اس کے چہرے سے پڑھتے ہوئے مومر یا ہانی کے کسی شوخ جملے کا انتظار کرنے لگی مگر اس بار وہ دونوں بھی بری طرح ناصر کے ہمنوا تھے۔

''آخر آزادی کے معنی تمہاری نظر میں کیا ہیں برابری کے سلوک سے تم کیا سمجھتی ہو۔''

''ظاہر ہے ہمیں کم عقل اور ان ٹیلنٹ نہ سمجھا جائے۔''

''تو بھائی کون سمجھتا ہے تمہیں کم عقل۔'' ثامن جھنجلا کر چیخ پڑا۔

''سارا معاشرہ تمام مرد!''

''فضول ہے تم سے بحث کرنا۔'' ہٹ دھرمی اس کی آنکھوں سے پڑھ کر ناصر نے اپنے بکھرے بالوں میں ہاتھ پھیر کر سیز فائر کرنے کا اعلان کیا اور وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔

آج کل ان کے سروں پر ایگزامز کا بھوت سوار تھا اور وہ سب کتابیں سے نوٹس اور تھیسس لکھنے یاد کرنے میں اتنے مگن تھے کہ ایک دوسرے کی ٹیلی فونک خیریت دریافت کرنے کی بھی ضرورت نہ پاتے تھے۔

''یونیورسٹی کے بعد کیا کرنے کا ارادہ ہے بیٹا۔'' پہلے پرچے کے بعد بابا نے چائے کی میز پر بڑی شفقت سے اس سے پوچھا۔

''ظاہر ہے مزید تو پڑھے گی نہیں۔''

''کیوں بھلا مزید کیوں نہ پڑھے گی۔'' بابا نے اس کی بجائے جواب دیتی اماں کی طرف توجہ کی۔

''اس لیے کہ یہ کوئی پندرہ یا سولہ برس کی بچی نہیں پورے تیئس برس کی لڑکی ہے اور ہمارے زمانے میں یہی عمر شادی کی موزوں ترین عمر ہوتی تھی بلکہ بعض اوقات چودہ یا پندرہ برس میں ہی دلیس نکالا مل جایا کرتا تھا۔''

''وہ زمانہ اور تھا بیگم یہ بیسویں صدی ہے بھئی یہاں لڑکیوں کے سامنے شادی مسئلہ نہیں۔''

''بس رہنے دیجیے آج کے زمانے ہی میں تو لڑکیوں کی شادی مسئلہ بن گئی ہے دو چار جماعتیں پڑھ لیں تو سو سو عیب نکال کر لڑکے کو نامنظور کر دیا ارے وہی لوگ ٹھیک تھے جو بغیر پوچھے رائے لیے بنا لڑکی کا ہاتھ کسی نہ کسی معقول انسان کے ہاتھ میں دے دیتے تھے اب تو ماں باپ چاروں طرف سے دباؤ میں ہیں۔'' اماں جھنجلاتی ہوئی بابا سے کہے جا رہی تھیں اور وہ ہونٹوں سے کپ لگائے بابا کے حتمی فیصلے کی منتظر تھی۔

''میں پھر کہوں گا یہ زمانہ اور ہے بھئی اب لڑکیوں کو برابری کی سطح دینا ہی وقت کا تقاضا ہے۔''

''اے لو تو یہ پہلے کب زنجیروں میں جکڑی ہیں اچھا کھاتی ہیں اچھا پہنتی ہیں اللہ کی ہر نعمت اور ہمارے اختیار میں موجود ہر آسائش انہیں حاصل ہے پھر بھی آپ کہتے ہیں انہیں آزادی چاہیے برابری کا سلوک چاہیے۔''

آزادی اور آسائش سب کو حاصل نہیں ہے بیگم اماں اپنی بات پر اڑی ہوئی تھیں سو بابا اور رمنہ نے انہیں نہ چھیڑا کیوں کہ وہ بھی غلط نہیں کہہ رہی تھیں۔ ہر باپ اپنی اولاد کے لیے بہتر مستقبل کی جنگ لڑتا ہے اپنا سب کچھ ہار جاتا ہے۔ توانائی، جوانی، خواہش بلکہ اپنا آپ بھی ہر ماں اپنے بچوں کے لیے اپنے شریک حیات کے ساتھ مل کر اس کی اس جنگ میں خود بھی فنا ہو جاتی ہے چپکے چپکے ایندھن بن جاتی ہے۔

یہ مرد اپنی غلطی کبھی نہیں مانتے۔'' عظمیٰ کہتی ہے مگر اس کا ذاتی خیال تھا کہ جب مرد بلاوجہ کسی معاملے میں شور غوغا مچائے تو دراصل وہ اپنی غلطی کے اعتراف کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لیے ایسے موقع پر عورت کو اس کے غصے پر خاموشی اختیار کر لینی چاہیے ضروری تو نہیں اعتراف

زبان سے کرایا جائے کسی کو نیچا دکھانا قابل فخر کام تو نہیں۔

''اور یہ جو مرد عورتوں کو ہر مقام میں نیچا دکھانے کے لیے کمر بستہ رہتے ہیں۔''

''وہ در حقیقت غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں اور پھر ہر صنف میں اچھے اور برے لوگ موجود ہیں ضروری تو نہیں ہر مرد برا ہو اور ہر عورت اچھی ہو۔''

''ہونہہ بلاوجہ کی فیور۔''عظمی نے ایک بار تفصیلی ملاقات میں اس سے کہا تھا سو وہ آج بابا کی باتوں پر مکمل طور پر اس ہنگامے کو سمجھنا چاہتی تھی حقوق نسواں کیا ہے؟ ایک عورت کیا چاہتی ہے؟ تین وقت کا کھانا عزت چار دیواری کا تحفظ اور تھوڑی سی محبت اور بعض دفعہ محبت نہ بھی ملے تو بھی عورت گزارا کر لیتی ہے کہ گزارا کرنا صبر کرنا عورت کے خمیر میں شامل ہے۔

''کیا سوچ رہی ہو بیٹا کہیں اپنی ماں کی باتیں تو بری نہیں لگ گئیں۔'' بابا جانے کب اس کے کمرے میں داخل ہو گئے تھے۔

''ارے نہیں بابا بھلا اماں کی باتوں کا برا منایا جا سکتا ہے اتنی ڈھیر ڈھیر محبت کرتی ہیں تو کیا ہوا جو تھوڑا سا جھڑک دیا ویسے کہہ تو وہ بھی غلط نہیں رہی تھیں۔''اس نے جھٹ سے بیڈ پر پڑا ہوا دوپٹا اٹھایا اور اوڑھا تو بابا ہنس پڑے۔

''آخر یہ عورت آزادی کس قسم کی چاہتی ہے بابا۔''

''یہ بات مجھ سے زیادہ تم بہتر جانتی ہو بیٹا۔'' بابا اس کے ہی بیڈ پر بیٹھ گئے۔

''میں! میرا ذاتی خیال تو یہ ہے کہ سوائے فضول انرجی ضائع کرنے کے اور کچھ نہیں ہے۔''

''کیوں تم کو آزادی نہیں چاہیے۔'' بابا مسکرائے تو وہ زور زور سے نفی میں سر ہلانے لگی۔

''آخر ہم قید کہاں ہیں بابا جو ہم آزادی کی اسٹرگل کریں رہی مردوں کی حاکمیت تو یہ سوچنے سمجھنے کا پھیر ہے ورنہ دونوں صنف اپنے اپنے محاذ پر ایک جیسی توانائی ضائع کرتے ہیں بلکہ میری ذاتی رائے میں مرد عورت سے زیادہ جدوجہد کرتا ہے اسے معاشرے میں مقام حاصل کرنے کے لیے بھانت بھانت کے انسانوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے اپنے گھر کے تحفظ کے لیے مسلسل حالت جنگ میں رہنا پڑتا ہے کیوں بابا صحیح ہے ناں۔''

''بالکل ٹھیک ہے بیٹا جی۔'' بابا نے تائید کی اور اسے خدا حافظ کہہ کر باہر چلے گئے اور وہ سر تکیے پر ڈال کر یونیورسٹی کی خوبصورت دوپہروں اور اپنے ساتھیوں کی دلچسپ باتوں کو سوچنے میں محو ہو گئی اس سے دل اچاٹ ہوا تو اگلے پرچے کی تیاری کرنے لگی۔

''تھینکس گاڈ کہ ایک بوجھ اترا۔'' ایگزامز کے بعد دوسرے دن وہ سب مل ملا کر اس کے گھر وارد ہوئے تو وہ بھی مومر کے اس جملے کی تائید میں سر ہلاتی ان سب کی خاطریں کرتی رہی یہ اماں بڑی ایکٹو ہو جاتی تھیں مہمانوں کی آمد پر۔

''چھوڑیئے اماں میں سب کام خود کر لوں گی۔'' ثامن کے فون کال پر جب اس نے اگلے دن کی تیاریاں شروع کیں تو بس اچانک ہی اماں بھی اس کی مدد کو کچن میں جا پہنچیں۔

''میں نے سوچا میں بھی کچھ کروا لوں تیرے ساتھ اکیلے کام کر کر کے تھک جائے گی۔''

''ایسی بات تو نہیں اماں۔'' اس نے کمر تختہ ہونے کے باوجود جھوٹ بولا مگر وہ تو آنکھوں سے بھانپ چکی تھیں اس لیے اس کے ساتھ انہوں نے ہر ڈش میں اپنا حصہ بٹایا عظمیٰ کو بریانی بہت پسند تھی اس لیے اس نے اس کی فرمائش پر دوسری بار یہ کارنامہ انجام دیا تھا پہلی بار یہ کارنامہ انجام دیا تھا تو بڑی ہی سبکی ہوئی تھی۔

''اوئے یہ بریانی ہے یا طاہری۔'' عظمیٰ نے لقمہ لینے کے ساتھ ہی نعرہ مارا تھا۔

''کرک کرک۔'' اندھا دھند چنے جانے والے چاولوں میں ایک آدھ کنکر رہ گیا تو عظمیٰ کی طرح ثامن نے بھی ریکارڈ لگا دیا۔ ''پتھر بریانی......''

''میں اسے بریانی ہی تسلیم نہیں کرتی۔'' عظمیٰ نے شور کیا ہانی غالب نے بھی ان کا ساتھ دیا پر ناصر نے بڑا ہونے کا رعب تینوں پر جھاڑا اس کی حوصلہ افزائی کی اس کی ماٹھی کاوش پر تعریفوں کے پل باندھ دیے تو اس نے بھی بڑی محنت سے بریانی پکانے میں مہارت حاصل کر ہی لی۔ ''ہر کام حوصلہ افزائی چاہتا ہے۔'' یکدم ناصر نے بریانی کا اختتامی لقمہ منہ میں منتقل کیا تو چاروں طرف سے داد کے ڈونگرے برسنے لگے۔

''واہ واہ آج لگتا ہے کہ وہ بریانی ہے ویسے یقین کرو اس دن کی یاد میں آج میں مصنوعی بتیسی گھر سے لے کر چلا تھا۔''

''ہانی کے بچے۔'' وہ چیخی تو سب ہنس پڑے اور یوں ہنستے باتیں کرتے۔ اپنے اپنے گھروں کو گئے برتن سمیٹتے انہیں دھونے ڈائننگ ٹیبل صاف کرتے اسے ڈھائی بج گئے اور پھر جب وہ بستر پر گری تو بہت بری طرح تھکی ہوئی تھی۔

''رات بہت تھک گئی ہو گی بچی سونے دو۔'' اس نے سوتے جاگتے ذہن سے بابا کا جملہ سنا اور دوسری کروٹ بدل کر بے ہوش ہو گئی یہاں تک کہ ایک بجے سے کچھ پہلے اماں نے جھنجھوڑ جھنجھوڑ اسے اٹھایا۔

''اے لڑکی نہ نماز کی فکر نہ اپنی چل اٹھ دیکھ کیا وقت ہو گیا۔'' اماں نے کافی دیر تک اس کے ساتھ سر مارا تب کہیں جا کر اس نے آنکھ کھولی جمائیاں لیں لیٹے لیٹے بسور کر کئی بار نہ اٹھنے کے لیے مچلی مگر پھر اماں کی خونخوار آنکھوں سے گھبرا کر اٹھ ہی بیٹھی۔

اطمینان سے دانت برش کیے اور نہا دھو کر بالوں کی ڈھیلی سے چٹیا باندھ کر کچن میں داخل ہوئی بھوک بڑی زوروں سے لگ رہی تھی اس لیے اس وقت اسے اماں کی محبت پر پہلے سے کہیں ٹوٹ کر پیار آیا وجہ کھانے کی میز تھی جو اماں نے اس کے آنے سے پہلے ہی چن دی تھی اخبار بھی دائیں طرف رکھا تھا۔

اس نے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگاتے اخبار کھولا۔

اور پھر ادھر اُدھر کی خبروں سے ٹکراتی اس کی آنکھیں ایک تصویر پر جم کر رہ گئیں خواب آگیں ماحول ایک نرم و نازک لڑکی اور برابر میں بیٹھا میران ہاشمی ایک ایسا ہی شاک تھا اس کے لیے کہ اس سے کتنے ہی منٹ تک مزید کچھ سوچا ہی نہ جا سکا۔

''کیا ہوا رمنہ اتنی بدحواس کیوں ہے'' اماں نے اس کی اڑتی رنگت کا نوٹس لیا۔

''کچھ نہیں کچھ بھی تو نہیں اماں!'' اس نے ماں کو بمشکل مطمئن کیا اپنے کمرے میں داخل ہوئی اور پھر اس کے آنسو کب تھمے ایک جھڑی تھی

جو اس کے نینوں سے بہے جا رہی تھی میران ہاشمی کا نام ساون کا روپ دھار کر اس میں بس گیا تھا اس کا رواں رواں آنکھ بنا رو رہا تھا۔

''یہ کیا کیا میران ہاشمی تم نے میں نے ایسا تو کبھی نہیں سوچا تھا۔''

''اس نے تمہیں کون سی آس دلائی تھی رمنہ اعجاز جو آج اس کی خوشی پر تم یوں مجسم غم بن گئی ہو۔'' دماغ نے تاویل دی پر دل! دل تو چیخ چیخ کر احتجاج کر رہا تھا۔

''اس نے مجھے آس نہیں دلائی مگر اس کی آنکھیں تو بہت کچھ کہتی تھیں بہت کچھ سوچتی تھیں اپنا دل اپنا پیار اپنی زندگی سبھی کچھ!'' مگر اس سبھی کچھ میں اس کا تو کچھ بھی نہ تھا جانے وہ آنکھیں جھوٹ کہتی تھیں یا رمنہ اعجاز ہی غلط مطلب نکال لیتی تھی اس کی آنکھوں سے دل دماغ اور وہ آپس میں رات بھر لڑتے رہے اور جانے کب تک لڑتے رہتے اگر ناصر آفندی نہ آ جاتا۔

''ہیلو رمنہ کیسی ہو؟'' وہ ہیلو ہائے کرتا کمرے میں داخل ہوا تو اسے اپنے آنسو چھپانے میں دقت ہونے لگی۔

''رو رہی تھیں؟'' پہلی نظر ہی میں وہ اس کی پلکوں کی نمی اور آنکھوں کے گرد بکھرے خوابوں کو جو زمیں بوس ہو جانے والے ریت کے پہلے شہر کی مانند خاک ہو گئے تھے محسوس کر کے سوال کر بیٹھا۔

(ریت کے گھروندے کب مستحکم ہوئے ہیں وہ تو ٹوٹنے کے لیے بنتے ہیں سو میرا گھر میرے خوابوں کا محل بھی گر گیا اب کیسے بتاؤں کیسے گرا کب گرا میری آنکھیں کیوں روئیں اس گھر کے ٹوٹنے پر یا اس گھر کے سپنے سجانے پر کیا کہوں کہ ان سوالوں کا کبھی کسی کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا۔)

''نہیں تو بھلا میں کیوں روؤں گی۔'' وہ صاف مکر گئی۔

''بلند خواب دیکھنے سے میں اس لیے روکتا تھا تمہیں پہنچ سے دور چاند کی چاہ میں چکور بن کر تمہارے خیالوں کو اڑنے کے لیے اس لیے ہی ٹوکتا تھا میں۔''

''مگر کیسے خواب؟ یہ آخر تم آج باتیں کیسی کر رہے ہو بھئی۔'' وہ بے وجہ ہنس پڑی تو میران ہاشمی کا نام آنسو بن کر اس کی پلکوں میں اٹک گیا۔

''تم سب سے جھوٹ کہہ سکتی ہو مگر مجھ سے اپنے ناصر بھائی سے کچھ نہیں چھپا سکتیں رمنہ۔'' اس کا لہجہ پرشفقت ہو گیا تو وہ بنا کچھ کہے سنے اس کے کاندھے سے سر ٹکا کر اپنی خواہشوں کے دم توڑنے پر آخری بار ماتم کناں ہو گئی۔

''اب کبھی مت رونا سمجھنا میران ہاشمی کا نام کبھی تم نے سنا ہی نہیں تھا اس نام کا کوئی شخص کبھی زندگی میں تمہیں ملا ہی نہیں تھا۔''

''ہاں میں کوشش کروں گی۔'' اس نے دوپٹے سے آنسو صاف کر کے بھرائے لہجے میں کہا۔

''بی بریو یو آر آ ویری اسٹرانگ گرل۔'' ناصر سچ کہتے کہتے یکدم ہی جھوٹ بول پڑا تو اس نے بھی اس کی باتوں پر سر ہلانا شروع کر دیا۔

اور پھر جب وہ اس کے کمرے سے گیا تو ایک بار پھر میران ہاشمی کا نام اس کے من میں ہوک بن کر کراہنے لگا مگر اب اس کی پلکوں پر ضبط کے پہرے تھے اس لیے ایک آنسو بھی اس سے بغاوت نہ کر سکا ہاں یہ دل اس کے اختیار میں نہیں تھا سو رات بھر بلک بلک کر روتا رہا چکور بن کر چمکنے والا چاند کی طرف اڑاری بھرتا رہا اور تھک کر جانے کب اس کے ساتھ آنکھیں موند کر نیند کی مدہوشی میں کھو گیا کہ صبح جب آنکھ کھلی تو کل کا سانحہ پرانے

زخم کی ٹیس بنا ہلکے ہلکے سینے میں محسوس ہو رہا تھا۔

''تیری طبیعت تو ٹھیک ہے چندا؟'' اس کی گری گری طبیعت سے گھبرائی اماں نے اس کی کلائی پکڑ کر بڑی چاہ بڑی فکر سے پوچھا۔

''ایک دم فرسٹ کلاس بھلا آپ کی اس بریو گرل کو کیا ہو سکتا ہے؟'' اس نے ہنستے ہوئے اماں کو مطمئن کرنا چاہا تو اندر سے اس کا من پہلے سے زیادہ بے اطمینان ہو گیا ایک بے کلی ایک عجیب سی شوریدہ سری تھی کچھ کر لینے کی ضد تھی اس میں سو اس نے اندر کے شور سے گھبرا کر ڈیکوریٹ گھر کی چیزوں کو پھر سے پھیلا لیا ایک ایک چیز کو جھاڑ پونچھ کرنے لگی۔

''ہفتہ بھر پہلے ہی تو صفائی کی تھی چندا آج پھر دماغ کیوں گھوم گیا تیرا۔''

''لڑکیوں کو ہر وقت ایکٹو رہنا چاہیے اماں آپ ہی تو کہتی ہیں۔'' اس نے صوفوں کے کور بدلتے ہوئے اماں کو ان کا کہا قول یاد دلایا تو اماں عجیب سی بے چینی سے اسے دیکھنے لگیں اور پھر بھی کچھ نہ سمجھ آیا تو اس کے ساتھ خود بھی جت گئیں۔

''ارے چھوڑیں اماں آپ تھک جائیں گی۔''

''اے تو اتنا بڑا گھر تنہا صاف کرے گی تھک کر چور نہ ہو جائے گی۔''

''میں تھک کر چور ہی تو ہونا چاہتی ہوں اماں اتنا جان مار کر کام کرنا چاہتی ہوں کہ جب اس کام سے اٹھوں تو مجھے اپنی سدھ بدھ بھی نہ رہے میں تھک کر بستر پر گروں تو پھر کل نہ جاگوں یہ کبھی کبھی اتنی لمبی نیند سونے کو دل کیوں چاہنے لگتا ہے اماں۔'' اس نے اپنے آپ میں حشر برپا کر رکھا تھا اس لیے خود ہی کہتی خود ہی سنتی اماں کے ساتھ لگی رہی اور جب شام کو نہا دھو کر چائے کی میز پر پہنچی تو بابا نے یکدم ہی وفور محبت سے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

''واہ گھر تو بڑا چمک رہا ہے آج۔ لگتا ہے ہمارے بیٹے نے آج بہت کام کیا ہے بھئی۔'' بابا نے اس کی تھکی تھکی آنکھوں اور چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے شفقت سے کہا۔ رات کو وہ کتابوں میں سر کھپانے بیٹھ گئی کبھی ایک کتاب اٹھاتی ایک ورق پلٹتی اور موڈ بن بھی نہ پاتا کہ دوسرے موضوع پر تحریر پڑھنے لگتی۔

''افوہ کیا مصیبت ہے بھئی۔'' اس نے جھنجلا کر اپنے آپ سے کہا اور بہت زیادہ گھبرا کر ناصر کا فون نمبر ڈائل کیا مگر بات کرنے سے پہلے ہی ریسیور رکھ دیا اور تھک کر سر تکیے پر ڈال کر پھر سے ایک ایک خواب چننے لگی خواب چنتے چنتے نڈھال ہو گئی گھور اندھیرا چھا گیا تو اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

خوابوں پر شام چھا جائے یا دل پر کوئی نم نم سی شام دستک دے کر صدائیں دینے لگی تو کتنا درد اٹھتا ہے دکھ کے کیسے آرے چلتے ہیں سویرے کے لیے شام کیسی تڑپتی ہے خواب اپنے بکھرنے پر کیسے بلکتے ہیں کیسے تڑپتے ہیں۔ یہ تو وہی جانتے ہیں جنہوں نے ایسی نم نم شام کی آنکھوں سے آنسو چنے ہوں اس کی پلکوں پر جلنے والے دیئوں سے اپنی انگلیاں جلائی ہوں خود کو راکھ کیا ہو مگر یہ سب باتیں سوچنے سے فائدہ جو ہوا قسمت میں خواب کے موڑ پر یونہی بچھڑنا لکھ دیا تھا تقدیر نے پھر نالہ شیوان سے فائدہ چلو بھول جاؤ بھولنے میں دیر کتنی لگتی ہے۔

ہاں رمنہ بھلا ہی دو اسے جسے تمہارے دل پر چھانے والی نم نم شام کی اوس بھی نہ بھگو سکی تمہاری محبت ہی نہ پگھلا سکی خود پگھلنے راکھ ہونے

سے فائدہ یہ بیسویں صدی کا اختتام ہے بھئی یہاں ایسے بقراطی عشق ایک قدم بھی نہیں چل سکتے لائف از ویری فاسٹ یار۔'' وہ سوچتی گئی خود کو سمجھاتی گئی اندر تڑپ تڑپ کر خود میں انتظار کا دیا بن کر جلنے والی رمنہ کو سامنے بٹھائے دنیا اور زندگی کے راز سمجھاتی گئی بھول جانے کی تنبیہہ والتجا کرتی گئی کہ صبح جاگی تو اپنے آپ کو بہت حد تک سنبھال چکی تھی سب سے پہلے ناشتا کر کے صبح ہی صبح میران ہاشمی کو شادی کی مبارک باد دی۔

''بس مجھے تمہاری ہی مبارک باد کا انتظار تھا رمنہ۔'' وہ چہکا خوشی سے چلایا اور بھلا کیوں نہ ہوتا مسرور، اس نے اپنے خوابوں کی تعبیر کو پالیا تھا اس کی طرح گم کردہ راہ تو نہیں تھا وہ منزل بنا شان سے ایستادہ تھا۔

''تم چپ کیوں ہو؟'' اس نے سوال کیا تو وہ سوچنے لگی کہ وہ کیسے بتائے اسے کہ وہ چپ کیوں تھی کہ یہ چپ تو خود اس نے اس کی جھولی میں سوغات کی طرح ڈالی تھی۔

''کچھ نہیں بس یونہی تمہاری خوشی شیئر کر رہی تھی تمہاری مسکراہٹ کی کھنک میں اکشا کی خوش قسمتی کی بازگشت سن رہی تھی۔''

''صرف اس لیے۔'' دل میں اس کے لفظ اٹکنے لگے سانس لینے میں دشواری ہونے لگی تو اس نے اکشا اور اس کے لیے ڈھیر ساری دعاؤں کے ساتھ فون بند کر کے پھر سے خود کو اپنے آپ میں مگن کر لیا یونیورسٹی کے رزلٹ کے انتظار کی بجائے وہ بابا کی سفارش پر ان کے ایک دوست کی فیکٹری میں جاب کرنے لگی صبح کی گئی شام کو لوٹتی اپنی فکر نہیں تھی سو اپنا پتا بھی نہیں تھا کہ زندہ بھی ہے یا بس بے سبب ہی چلے اور جیے جا رہی تھی نہ کھانے کا شوق رہا تھا نہ پہننے کا اماں زبردستی کچھ کھلا دیتیں تو کھا لیتی ورنہ فیکٹری کے کاموں میں دن رات مشغول رہتی اس کی محنت دیکھتے تو انکل آصف کہتے۔

''بھئی رمنہ بیٹا نے بزنس کو چار چاند لگا دیے ہیں۔'' انکل خوشی میں اس کی محنت کو سراہتے اور وہ سوچتی اس چار چاند لگانے کی جستجو میں جانے اس کی اپنی آرزوؤں کے کتنے ہی چاند گہنا گئے تھے کہ کتنی ہی خوشی کی پھلجڑیاں اس کے اندر ہی جل بجھی تھیں کسے خبر دیتی کون سنتا کون سمجھتا کون مانتا کہ اس نے اس کل یگ میں ایک بے نام خواہش پر خود کو قربان کر دیا تھا زندہ رہتے ہوئے بھی خود کو فنا کے حوالے کر دیا تھا بابا کبھی کبھی اس کی صورت دیکھتے تو کہتے۔

''آخر کیا ہوا تمہیں تم تو بالکل بدل گئی ہو رمنہ بیٹا۔'' اور وہ بابا کے کہنے پر ایک جاندار قہقہہ لگانے کی کوشش کرتی تو خود بخود آنسو اس میں رونے لگتے نمی آنکھوں میں زیادہ پھیل جاتی تو وہ کبھی ناصر کی طرف چلی جاتی کبھی عظمیٰ اور مومر، ثامن کو اپنے گھر بلا لیتی ہانی سے وہ جان کر نہ ملتی پتا نہیں ہانی کو دیکھ کر اس کے من کا ابال پہلے سے کہیں زیادہ کیوں بڑھ جاتا تھا ہانی خود مجسم آنسو تھا سو وہ اس کی آنکھوں اور آواز کی نمی سے بھاگنے کی کوشش میں اس سے بالکل دور ہو گئی اتنی دور کہ وہ خود شکایت کرنے لگا غصہ جھنجلاہٹ سمیت اس پر الٹ پڑا۔

''اے رمنہ کی بچی یہ سب کیا ہے میں نے کیا بگاڑا ہے تیرا جو تو مجھ سے بات نہیں کرتی فون کرو تو فون ریسیو نہیں کرتی ملنے آؤ تو بیماری کا بہانہ کر کے کمرا بند کر لیتی ہے۔'' وہ کہنے پہ آتا تو کہے جاتا اور وہ بس چپ چاپ کیوٹکس لگے ناخنوں کو کھرچتے ہوئے اس کے شکوے سنے جاتی۔

''میران ہاشمی بہت اسٹوپڈ شخص ہے ہم سے ہماری اتنی پیاری فرینڈ کو چھین لیا۔'' ''ایک دفعہ ہانی غالب نے لب ہلائے اس کے دل کے سچ کو لفظوں سے ابھارا تو اس کی جان اس کی آنکھوں میں کھنچ آئی۔''

''میران کا بھلا یہاں کیا ذکر۔'' خشک ہونٹ آپس میں پیاس پیاس پکارنے لگے تو ہانی غالب آنکھیں بند کر کے جانے کس دکھ میں پھر سے گم ہونے لگا لہجے میں ساون بھادوں در آیا تو وہ خود سے اس کی آواز سے فرار چاہنے لگی مگر اس کی آواز تو زنجیر بن کر اس سے لپٹ گئی تھی۔

ہانی کافیاں ماہیے بہت اچھے گاتا تھا اور اس لمحے بھی ماہیے اس کی زبان سے ایک پرانی یاد کی ٹیس بن کر ادا ہو رہے تھے۔ خود رو رہے تھے اس کے من کو رلا رہے تھے۔

پلا نچوڑ آئی ایں

لکی لکی بہن پھریں توں ماہیا تور آئی ایں۔

(پلو نچوڑ آئی ہوں

اب تنہا پھروں گی کیونکہ ماہی کو جدا کر آئی ہوں)

جوڑا اوے مٹکرا دا

ٹر گیا ماہیا دے جھورڑا کے عمراں دا

(کٹوروں کا جوڑا ہے

ماہی ساری عمر کی جدائی دے کر چلا گیا ہے)

چاندنی دے ڈونگے نی

زخم جدائیاں دے دریا کولوں ڈونگے نی

(چاندنی کے ڈونگے ہیں

جدائیوں کے زخم دریا سے بھی گہرے ہیں)

''ہانی کے بچے بند کرو اس غم کی پکار کو۔'' وہ چلا پڑی تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایزی چیئر سے اٹھا اس سے بنا کچھ کہے سنے واپس اپنی دنیا میں لوٹ گیا۔

''یہ اپنا ہانی کچھ پراسرار سا نہیں ہے۔'' موسمر نے ایک بار کہا تھا تو آج وہ مکمل مدفن راز بنا اس کی طرح اپنی کھوج میں سرگرداں تھا یہ کھوج یہ تلاش جس کی منزل ہمیشہ دیوانگی ہوتی ہے دیوانگی جو وہ تھی دیوانگی جو ہانی تھا دیوانگی جو ان کی ذات کا اپنا راز تھا دیوانگی ایک نام تھا ایک جستجو ناتمام تھی جس کی کبھی کوئی تھاہ نہیں ہوتی۔

''اتنا مت سوچا کرو بیٹا دماغ زیادہ سوچنے سے تھک جاتا ہے.....'' بابا ہانی کے جانے کے کئی منٹ بعد آئے اور اسے سوچتا پا کر پھر سے اسے سمجھانے لگے اس نے سر ہلا کر ان کی باتوں کی تائید کی اور کار لے کر لمبی ڈرائیو پر نکل گئی راستے سڑک اور وہ تینوں ایک دوسرے سے انجان تھے مگر پھر بھی ساتھ ساتھ چلتے تھے زندگی کی طرح خواب کی طرح درد کی طرح کہ اجنبی بن کر بھی ایک دوسرے کے دل کا روگ بنے ہوئے تھے۔

''اے رمنہ کی بچی تو......'' وہ کسی پہچان سے بھاگنے کے لیے اجنبی راستوں کی طرف دوڑی تھی مگر اسے کیا کہا جاتا کہ یہ جان پہچان کا دکھ ہر جگہ جان سے چمٹا رہتا ہے۔

''رمنہ کی بچی کہاں ہے بھئی؟ میں نے کچھ پوچھا ہے یار۔'' ثامن یلو کیب کا دروازہ کھول کر اس کی کار کی طرف بڑھا دل چاہا کار کے ایکسیلیٹر پر پیر دھر کر گم ہو جائے اس پہچان سے مگر وہ! وہ تو سدا کی بزدل تھی سو ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے رکی رہی۔

''یہ تمہارے چوکھٹے کو کیا ہوا؟ انکل سے ڈانٹ پڑ گئی یا ہانی غالب نے کوئی ماہیا سنا دیا۔'' ثامن کار کے دروازے پر ہاتھ رکھے جھکا ہوا اس سے پوچھ رہا تھا۔

''کچھ نہیں ویسے ہی بور ہو رہی تھی تو سوچا لمبی ڈرائیو کر لی جائے۔''

''ویسے بائے دی وے تم یہاں کیسے اور یہ ٹیکسی کیا چکر ہے؟ کیا ڈگری اس کام کے لیے لی تھی۔'' اس نے اس کا دھیان اپنی طرف سے ہٹانے کے لیے الٹا اسے سوالوں میں الجھا لیا تو وہ مسکرا دیا۔

''تیرے اور کچھ مخصوص عناصر کے سوچنے میں ذرا برابر فرق نہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب کی خالہ تعلیم انسان بننے کے لیے حاصل کی تھی اور ٹیکسی روزی رزق کمانے کے لیے حاصل کی ہے۔''

''پھر بھی ''ایم کام'' ہو اچھی خاصی جاب مل سکتی ہے تمہارے تعلیمی کیریئر پر آخر کو ہر کلاس فرسٹ سے پاس کی ہے۔''

''ہوں مگر آج کل نوکریاں اتنی آسانی سے نہیں ملتیں یار جوتے گھسنے پڑتے ہیں تب بھی کوئی نہیں پوچھتا۔ سو بابا میں اس تکلیف سے بچنے کے لیے ٹیکسی کا وارث بنا ہوں کہ ہاتھ پھیلائے بغیر اپنا اور اپنے گھر والوں کا پیٹ تو پال سکتا ہوں۔''

''میری تمام دعائیں تمہارے ساتھ ہیں اچھا پھر ملیں گے!''

''تو نہیں بدلے گی رمنہ کی بچی دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے مگر تو ایسی ہی اوکھی رہے گی کبھی نہ سمجھ آنے والی گتھی اچھا بائے بقول تیرے پھر ملیں گے۔'' وہ ہنستا ہاتھ ہلاتا اپنی ٹیکسی آگے بڑھا لے گیا تو وہ کتنی ساعت آگے جانے یا پیچھے پلٹ آنے کا فیصلہ نہ کر سکی مگر پھر اپنی کار کے پیچھے بجنے والے ہارن پر اس نے چونک کر اپنی کار آگے بڑھائی ویسے ہی اداسی اپنی جھولی میں سمیٹے واپس گھر لوٹ آئی اماں نے پریشانی سے اسے دیکھا مگر بابا کی وجہ سے کچھ کہنے سے گریز کیا سو وہ اماں بابا کو خدا حافظ کہہ کر اپنے بیڈ روم میں آ گئی مگر سونا نصیب نہ ہوا نیم غنودہ تھی جب عظمٰی کا فون اس نے ریسیو کیا۔

عظمٰی بڑی بدحواس تھی کہتی تھی اسے ایک ظلم سے وہ بچا لے وہ! یعنی رمنہ اعجاز جو اپنے آپ کو ایک فیصلے ایک حادثہ سے نہ بچا سکی اسے کیسے بچا سکتی تھی۔ عظمٰی کتنی خوش فہم تھی اس کے بارے میں اس نے سوچا اور بابا کو ساتھ لیے عظمٰی کے گھر پہنچ گئی۔

''رمنہ یہ ظلم ہے یار!''

''کون سا ظلم؟'' اس نے جمائی لیتے پوچھا۔

''یہ شادی کی یہ پاپا کو یکدم شادی کی کیا سوجھی۔''

''ہیں یعنی انکل دوسری شادی کر رہے ہیں آنٹی نے اجازت دے دی مگر دے کیسے دی یار آنٹی تو بڑی حساس ہیں اس معاملے میں۔''

اس کی ساری کوفت ساری اداسی اس اچانک جھٹکے سے کہیں دور جا سوئی اور وہ مجسم سوال ہو کر عظمیٰ کو تکنے لگی جو اسے اب مسلسل گھور رہی تھی۔

''کیا ہوا میں نے کچھ غلط کہہ دیا کیا؟'' اس نے جز بز ہو کر اس سے پوچھا تو وہ پھٹ پڑی۔

''گھامڑ پاپا اپنی نہیں میری شادی طے کر بیٹھے ہیں اور جانتی ہو کس سے۔'' اس نے اس کے تجسس کو ہوا دی۔

''کس سے!'' اس نے اس کے حسب خواہش لہجے میں سوال داغا۔

''ناصر آفندی سے فار گاڈ سیک ناصر آفندی رمنہ سوچو ذرا وہ...... وہ کوئی شادی کے قابل انسان ہے۔''

''کیوں کیا خرابی ہے ناصر میں۔'' اس میں یکدم ناصر کی بہن ہونے کا احساس جاگ پڑا تو وہ اس سے الجھ گئی۔

''رمنہ کی بچی کیا تو جانتی نہیں ہے کہ مجھ میں اور ناصر میں کیا اختلافات ہیں ہمارے مزاج ذرا سے بھی میل نہیں کھاتے وہ آسمان ہے اور میں زمین رمنہ سوچ ذرا یار وہ عورتوں کی آزادی کے خلاف ہے اور میں! میرے تو آدرش ہی یہی ہیں۔''

''شادی ہو جانے دے سب آدرش اصول، آزادی سوڈا واٹر بن جائے گی۔''

''مگر میں یوں خود کو عام بے زبان عورتوں کی طرح برباد نہیں ہونے دوں گی یار مجھ میں ٹیلنٹ ہے میں اس ٹیلنٹ کو باہر لانا چاہتی ہوں اپنے آپ کو منوانا چاہتی ہوں!''

''شٹ اپ بکواس بند کرو ورنہ پٹ جائے گی میرے ہاتھ سے۔'' وہ ہاتھ جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی تو اس نے اس کی کمر پکڑ لی۔

''رمنہ اگر تو نے اس کا حل نہیں نکالا تو میں سوسائٹ کر لوں گی۔''

''کر لینا انکل آنٹی تیرے مرنے سے کافی خوشحال ہو جائیں گے جہیز کا خرچ الگ بچے گا ویسے بائے دی وے مجھے کھانے میں کیا کیا پسند ہے چالیسویں کا مینیو کارڈ بنوانا ہے اور۔''

''کم بخت بے درد ظالم وحشی!'' اس نے خیال کیے بغیر اسے کمرے سے نکال دیا تو وہ مسکراتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آ گئی جہاں احد اور اسجد اور انکل آنٹی، بابا خوشگوار موڈ میں باتیں کرنے میں مصروف تھے۔

''کیوں سسٹر کیا کہہ رہی تھیں وہ افلاطون۔'' اسجد کی نگاہ اس پر پڑی تو سب سے پہلے اس نے سوال کیا۔

''کچھ نہیں بس کچھ سر سامی کیفیت میں بک رہی تھی میں نے توجہ نہیں دی۔''

''دینا بھی نہیں سسٹر وہ واقعی اس وقت کھسک گئی ہے کچھ۔'' احد نے بھی اسجد کا ساتھ دیا تو آنٹی نے دونوں کو جھڑک دیا۔

''بہن کا مذاق اڑاتے ہوئے شرم نہیں آتی۔''

''تو ما م ہم دونوں شرم پروف ہیں کیوں سسٹر۔'' دونوں کی شریر نگاہیں اس پر آجمیں تو وہ بھی ہنس پڑی خوشگوار اور اطمینان بھری مسکراہٹ کے ساتھ جب وہ گھر لوٹے تو اسے خوش دیکھ کر بابا بھی خوش تھے اور اماں بھی۔

''عظمیٰ اور ناصر واہ کیا کپل بنے گا۔'' وہ ساری رات سوچتی اور ہنستی رہی اور دوسرے دن ناشتا کیے بغیر اماں کو عظمیٰ کا کہہ کر بھاگم بھاگ اس کے گھر پہنچی اسجد اور احد اس وقت بھی مجسم شرارت بنے اسے دیکھ رہے تھے۔

''اب کیا ہوا؟''

''ہٹلر کی واپسی ہوگئی سسٹر۔''

''کیا مطلب؟'' اس نے حیرت سے دیکھا۔

''آپا پر بھوت سوار ہوگیا کہتی ہیں کسی نے جادو کر دیا مگر میرا خیال ہے ہٹلر عالم بالا سے ٹہلتا ٹہلتا ان کے کمرے میں پہنچا ہے۔''

''سمجھ میں نہیں آئی میرے بھائی۔'' وہ بھی ہنسی۔

''آپ جا کر دیکھ لیں اپنی دوست کو۔'' اسجد نے اسے اس کے کمرے میں دھکیلا تو وہ حیران رہ گئی یہ عظمیٰ کا کمرا تھا ایک بھی چیز جگہ پر نہیں تھی گلدان گلاس ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین بوس تھے میز پر کچھ کچھ الٹی ٹنگی تھیں کچھ زمین پر ٹہل رہی تھیں بس کمرا کمرا نہیں اسٹور روم کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔

''یہ بدتمیزی ہے کیا ہے بھئی۔'' مگر اس نے سر تکیہ سے نہ اٹھایا سوائے چلانے کے۔

''آخر اتنا غصہ کیوں بھئی کوئی وجہ تو ہو۔'' اس نے اسے اٹھانے کی سمجھانے کی سعی کی کئی مثالیں دیں زندگی گزارنے پر کئی کارآمد ٹپ دیے اور اس سے پہلے کہ وہ ان باتوں پر غور کرسکتی اچانک ناصر آفندی کمرے میں چلا آیا۔

''اگر یہ شادی نہیں کرنا چاہتی تو انکل آنٹی سے کہو کہ مجھے زبردستی کا کوئی فیصلہ قبول نہیں۔''

''ناصر!'' اس نے اسے بھی سمجھانا چاہا مگر وہ تو عظمیٰ سے بھی زیادہ تپا ہوا تھا۔

''شادی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ ہوتا ہے رمنہ اس لیے اگر یہ سمجھتی ہے کہ یہ فیصلہ اس کو زندگی کی حقیقی خوشیوں سے دور کر دے گا تو مجھے اس کا ہر فیصلہ قبول ہے اور بالفرض یہ مشرقی لڑکی ہونے کے ناتے خود کو انکل آنٹی کے سامنے مجبور پاتی ہے تو آئی سویئر اسے یقین دلا دو کہ اس پرابلم سے بھی میں نکال لوں گا۔ میں اپنی طرف سے انکل آنٹی کو منع کر دوں گا کہہ دوں گا کہ یہ مجھے کبھی پسند نہیں تھی۔ اس لیے میں اپنی زندگی بچپن کی منگنی پر قربان نہیں کرسکتا۔''

''ہیں یہ بچپن کی منگنی کا کیا مطلب؟'' وہ حیرت سے چلا پڑی ناصر اور عظمیٰ آپس میں فرسٹ کزن ہیں یہ وہ جانتی تھی مگر وہ آپس میں اتنے اٹوٹ بندھن میں بھی بندھے ہوئے ہیں اسے کبھی خبر نہیں ہوئی اس لیے اس کی حیرت بجا تھی۔

''ہماری منگنی کوئی ایسا کارنامہ تو نہیں تھی جو سب میں پروپیگنڈہ مہم چلائی جاتی۔'' منہ بسور کر عظمیٰ نے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ ناصر اپنا خوفناک موڈ برقرار نہ رکھ سکا۔

''اسٹوپڈ گرل نہ ناراض ہونے کا سلیقہ آتا ہے نہ کرنے کا جانے زندگی کیسے گزرے گی تیرے ساتھ!''

''بڑے مزے میں گزر جائے گی ناصر، عظمیٰ ایک بہت پیاری لڑکی ہے زندگی کو جنت بنا دے گی۔'' اس نے حق دوستی میں عظمیٰ کی شان میں قصیدہ پڑھنا شروع کیا تو عظمیٰ نے بشمول ناصر کے اسے اپنے کمرے سے نکال دیا۔

''تم سب ایک جیسے ہو چیپ سیل فش۔''

''ہاہاہا......'' ناصر اسے جلانے کے لیے زوردار قہقہہ لگا کر ہنسنے بیٹھ گیا تو اس نے زوردار آواز میں دروازہ بند کر دیا۔

''کیا ہوا خیریت؟'' اسجد نے ڈرے ڈرے لہجے میں راہداری سے جھانک کر پوچھا۔

''سب ٹھیک ہے آنٹی سے کہو بے فکر ہو کر تیاری کریں۔'' وہ کہتی ناصر کے ہمراہ ڈرائنگ روم میں لوٹی تو سامنے ہی ثامن، موسر اور ہانی کھڑے تھے۔

''ارے تم سب کب آئے؟''

''مجھے آئے تو پچیس سال ہو گئے ڈیئر حیرت ہے تم اب تک لاعلم کیسے رہیں اس اہم خبر سے۔'' موسر نے اس کی سنجیدگی کے جواب میں ریکارڈ توڑ سنجیدگی دکھائی تو ہانی غالب بے سبب زور زور سے ہنسنے لگا۔

''کیا ہوا تمہیں کچھ ٹینشن ہے کیا؟'' ناصر نے ہانی کے کاندھے پر ہاتھ دھر کر ملامت سے پوچھا۔

''تنگ کرنے کی نہیں ہو رہی ڈیئر اس لیے ٹینشن وینشن کا سوال مت اٹھاؤ ورنہ میں اس لطیفے پر پہلے سے زیادہ ہنسنے لگوں گا۔'' ہانی کا لہجہ پہلے سے زیادہ شوخ ہو گیا تو وہ سب کھل کر ہنس پڑے۔

عظمیٰ کی شادی کی شاپنگ سب اس کے کاندھوں پر آ گئی۔ اماں ہر شام بابا کے ساتھ عظمیٰ کے گھر آ جاتیں تو کام پہلے سے زیادہ جلدی نمٹنے لگتا۔

''میں تو کہتی ہوں سلمیٰ اب اپنی رمنہ کی بھی کہیں بات ٹھہرا ہی دو بلکہ جھٹ پٹ شادی ہی کر ڈالو۔''

''کوئی اچھا رشتہ ہو بھی تو۔'' اماں کہتیں تو کام کرتے کرتے اس کے ہاتھ تھم جاتے۔

''یہ ہانی، ثامن موسر کسی کا بھی!''

''اے نہیں ہما وہ تو رمنہ کے بھائیوں جیسے ہیں۔'' ان کی بات پر ہما آنٹی چپ ہو جاتیں تو اس کے سینے میں رکا ہوا سانس ہولے ہولے باہر کی سمت اختیار کرنے لگتا اور پھر ایک مہینے کی محنت شاقہ کے بعد دسمبر کی ایک خوب صورت شام کو عظمیٰ اور ناصر کو ان سب دوستوں اور بزرگوں کی دعاؤں تلے ایک دوسرے کا جیون ساتھی منتخب کر دیا گیا۔

''چاند اور سورج کی جوڑی ہے۔''

''ہاں کچھ اپنا سورج گہن کا شکار لگتا ہے۔''

''مومر شٹ اپ اتنا کیوٹ تو لگ رہا ہے اپنا ناصر۔'' ثامن نے مومر کا کان کھینچا اور وہ سب اس کی چیخ و پکار پر توتھ پیسٹ کا اشتہار بن گئے۔

''تمہاری کچھ تصویریں بنوانی ہیں۔''

''کیوں کیا تلاش گمشدہ کا اشتہار دینا ہے۔''

''یا ہم چہروں سے مشکوک دکھائی دیتے ہیں۔'' مومر کا ساتھ ہانی نے دیا تو ناصر نے آنکھیں نکال کر پہلے سے زیادہ اسے خود سے قریب کر لیا اور پھر وہ سب مختلف گروپ بنا کر تصاویر بنوانے لگے۔

''آج اپنا مومر بڑا ڈیشنگ لگ رہا ہے۔'' ثامن نے ہانی غالب کی پرزور تائید کی تو مومر کسی عفت ماب دوشیزہ کی طرح شرمانے لگا۔

''بڑے بے حیا ہو تم لوگ پرائے بیٹوں اور دامادوں پر جملے کستے ہو۔'' اسی ہنستے مسکراتے لمحوں میں تقریب اختتام کو پہنچ گئی۔

☆☆☆

''اوئے رمنہ کی بچی بڑی فضول ہو گئی ہو بھئی۔''

''کیوں میں نے کیا کیا؟''

''یہی تو کہتا ہوں تم کچھ کر کیوں نہیں رہیں۔''

''مثلاً کیا کروں؟''

''گھر بسا لو شادی کر لو!''

''ہائے دی وے یہ یکدم تم پر میری شادی کروانے کا بھوت کیوں چڑھ گیا خدانخواستہ میرج بیورو تو نہیں کھول لیا بھائی کی جھک جھک سے تنگ آ کر۔''

''نوکری کرنا اپنے نصیب میں نہیں یار اس لیے نعمان بھائی لاکھ جھک جھک کریں ہم بڑے اٹل ہیں اپنے مسلک میں۔ کام کریں گے تو شاندار ورنہ نہیں کریں گے۔''

''شاندار کام سے کیا مراد ہے؟''

''خوب صورت سا آفس دو تین لیڈی سیکرٹریاں اور ایک درجن......''

''بچے!!!''

''ہیں یہ آفس میں بچے کہاں سے ٹپک پڑے پور گرل۔''

''تمہارے خواب سنانے کا انداز ہی کچھ ایسا تھا زبان پھسل گئی۔''

''اچھا مگر ہیں......او زبان کی بچی یہ مجھے سے کہاں پہنچا دیا میں کہہ رہا تھا کہ......''

''تم کچھ نہیں کہہ رہے تھے۔''

''بائے گاڈ یار میں کہہ رہا تھا کچھ۔'' وہ شرارت پر اتر آیا تو اس نے جھنجلا کر فون رکھ دیا جانتی تھی یہ سب ناصر اور اماں کی خواہش تھی جب سے عظمیٰ کی شادی ہوئی تھی اماں بھی اس کی شادی کرنا چاہتی تھیں عظمیٰ، ہانی، ثامن ہر ایک کے توسط سے اماں اپنے من کے خواب اس تک پہنچا چکی تھیں مگر وہ کیا کرتی کیسے خود کو تیار کرتی میران ہاشمی کے سوادل میں کوئی بسا ہی نہیں تھا کئی ایک نے بڑھنے کی کوشش کی تھی اس کی جانب مگر اس نے خود ہی کنارہ کشی اختیار کر لی تھی سب سے۔

''تم نہیں تو اور بھی کوئی نہیں میران۔'' دل ضدی بچے کی طرح ہٹ پر جم گیا تھا تو بھلا وہ اس سے ضد کیونکر کرتی کیسے کرتی۔

''رمنہ یہ سب صحیح نہیں کر رہیں تم۔'' اس کے فون رکھنے کے کچھ ہی دیر بعد مومر اس کے آفس میں چلا آیا تو اس کی دماغ کی نسیں کھنچنے لگیں۔

''کیا مطلب؟''

''آخر تم آنٹی کی بات کیوں نہیں مان لیتیں۔''

''بس میرا شادی کا موڈ نہیں ابھی۔''

''موڈ! رمنہ تیرا دماغ تو درست ہے۔''

''ایک دم فرسٹ کلاس ہے میرا دماغ پروف بھی دکھا سکتی ہوں۔'' اس کا لہجہ یکدم ہی خراب ہو گیا تو مومر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے۔'' اس کے ہونٹ کانپے۔

''ہاں یہ میرا آخری فیصلہ ہے میں نے ابھی یا کبھی شادی نہیں کرنی شادی میرے جیسے دماغ کی لڑکی کے بس کا روگ نہیں مومر۔''

''دماغ! دماغ آخر آج یہ تم پر دماغ کیوں سوار ہے۔''

''اس لیے کہ ایسے فیصلے دل کی بجائے دماغ سے کرنے ہی سود مند ہوتے ہیں۔''

''میں آنٹی کو کیا جواب دوں۔'' وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا کی رنگ اپنی شہادت کی انگلی میں گھماتے ہوئے اس سے بالکل ناراض سا ہو گیا۔

''یہ بوتھا کیوں سوجا لیا اپنا۔'' وہ مسکرا کر اٹھ کھڑی ہوئی تو اس نے اپنا چہرہ بھی اس کی طرف سے موڑ لیا۔

''بات مت کرو تم بہت سیل فش لڑکی بن گئی ہو رمنہ۔''

''کیوں کیسے بھئی؟'' وہ ہنس پڑی۔

''ہم سب کی ایک خواہش پوری نہیں کر سکیں تم آخر شادی کر لوگی تو کون سا قہر ٹوٹ پڑے گا۔'' وہ منہ بسور کر بولا تو اسے اس کے لہجے پر پھر سے ہنسی آ گئی۔

''آخر تم کسی کو ہنستا کھیلتا کیوں نہیں دیکھنا چاہتے بھئی آخر کون سی دشمنی کی ہے میں نے تمہارے ساتھ کہ تم سب کے سب مجھے شادی کی زنجیر میں جکڑ دینا چاہتے ہو۔''

''یہ آنٹی کی خواہش ہے رمنہ۔''

''تو اماں کو سمجھا دو کہ فی الحال میرا شادی کا کوئی ارادہ نہیں۔''

''اوکے!'' وہ بھناتا اس کے آفس سے چلا گیا مگر اس کا دل پھر دوبارہ کسی کام کی طرف راغب نہ ہو سکا سو وہ جلدی ہی آفس سے اٹھ گئی گھر میں اماں کے ساتھ کچن کے کاموں میں مصروف رہی کچھ زیادہ ہی تھکن محسوس ہونے لگی تو عظمیٰ کے ہاں فون کر کے اس کی جھڑکیاں سننے بیٹھ گئی۔

''رمنہ بس جلدی سے شادی کروالو جانتی ہو انکل آنٹی تمہاری وجہ سے کتنا پریشان رہتے ہیں۔''

''اماں کو تو پریشان رہنے کا کریز ہے اور بولو۔'' وہ اسے چڑانے لگی اور جب اس کی نصیحتیں حد سے زیادہ ہی بڑھ گئیں تو اس نے فون کریڈل پر رکھا اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔ آفس میں دن بھر کام میں مگن رہی مگر کبھی کبھی تھکن پورے حصار کے ساتھ اس پر حاوی ہو جاتی۔ اس کا دل بے اختیار میران ہاشمی کے سہارے کو پکارنے لگتا اور تھک کر خود اپنا سہارا بن جاتا تو وہ پھر سے جت جاتی اور کون جانے اسے کس کی جستجو کس کام کی جدوجہد تھی اپنی تلاش اسے برہنہ پا چلنے پر مجبور کرتی تھی یا شاید میران ہاشمی اس کی راہ کا سنگ میل بنا ہوا تھا۔

وہ کیسے بتاتی کس سے کہتی کہ اس جستجو نا تمام میں وہ خود کو کھو چکی تھی بے نام کر چکی تھی اور یہ اماں تھیں کہ ایک نامعلوم ایک بے نام شے کو کسی کا نام دینے کا شوق پالے بیٹھی تھیں کسی اور کو جستجو نا تمام سونپے کو پر تولے بیٹھی تھیں انہیں کون بتاتا کہ ہر کوئی میران ہاشمی نہیں ہو سکتا جس کی جستجو کی جا سکے اور نہ ہر کوئی رمنہ اعجاز جیسا دل رکھتا ہے جو نا تمام کے پیچھے عمر بتا دے اور پھر بھی بے مزا نہ ہوا کثر دل میں عدالت لگ جاتی تو وہ پہروں سوچتی رہتی۔

''تو آج کل کیسا سوچتی رہتی ہے رمنہ۔'' اماں کبھی کبھی اس کی چپ سے گھبرا جاتیں تو اس کے دل کے چور کو پکڑنے کی کوشش کرنے لگتیں پر وہ اس چور کو پا نہیں سکتی تھیں۔

وہ جانتی تھی کہ اس چور کو چور دروازے تو خود اس نے ہی بتائے تھے نقب لگانے کی فنتھ کالمسٹ کا کردار خود اس نے ہی ادا کیا تھا اس چور کو اپنے من کا راستہ اس نے خود سمجھایا تھا خود لے جا کر ہاتھ تھام کر اسے اپنے من میں چھپے محبت کے خزانے کا پتا دیا تھا محبت عشق کا ایک ایک نادر و نایاب ہیرا موتی اس کے قدموں میں لا ڈالا تھا اب جب کہ وہ چور سب کچھ لے اڑا تھا تو اس کے اندر شور مچ گیا تھا وہ سکتہ کے عالم میں خاموش کھڑی دل میں لگائی جانے والی نقب کی ادھڑی ہوئی اینٹوں کو چھو چھو کر اس کے قدموں اس کے ہاتھوں کے نشانات پرکھ رہی تھی مبہوت کھڑی اپنے نہ ہونے پر اپنے مٹ جانے پر خود سے تعزیت کر رہی تھی اور یہ اماں تھیں اس سے پوچھ رہی تھیں تو اتنی خاموش کیوں رہتی ہے وہ کیا بتاتی انہیں کہ اسے کیا ہو گیا تھا اسے کیوں چپ لگ گئی تھی۔

''کچھ بول رمنہ کیا غم اندر ہی اندر چاٹ رہا ہے تجھے بتا کسی چیز کی لگن ہے تجھ میں کیا پانا چاہتی ہے بول چندا بول۔'' اماں کا ہاتھ شفقت سے اس کے سر پر آ گیا تو چاروں طرف ٹھنڈی ٹھنڈی ممتا سے مہکی مہکی پروائی چلنے لگی محبت کی برکھا رت میں بھیگا بھیگا نم لہجہ تھا جس نے اسے اپنے حصار میں جکڑ لیا تھا۔

(کس چیز کی لگن ہے کیا بتاؤں کون جستجو بنا ہوا ہے میری جانے، میں کسے پانا چاہتی ہوں میران ہاشمی کو یا آپنے آپ کو؟)

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے اماں بھلا میں کیا سوچوں گی کیوں سوچوں گی بھلا آپ کے ہوتے ہوئے میرے پاس سوچنے کا کیا جواز ہے اماں۔''

''پھر کیوں گم ہوتی ہے تو بار بار جب سوچتی نہیں تو مجھے کیوں لگتا ہے جیسے میرے سامنے بت ہی بت ہو کسی خیال میں کھوئی ہوئی بول کیوں لگتی ہے تو مجھے خود سے بچھڑی ہوئی۔'' اماں کہنے پہ آئیں تو کہے گئیں اور اسے کچھ جواب نہ سوجھا تو جھٹ سے اماں کی گود میں سر رکھ کر چپ چاپ لیٹ گئی اماں اس کے بالوں میں ہولے ہولے انگلیاں پھیرنے لگیں۔

''کچھ نہیں اماں بس کچھ کام کی وجہ سے شاید میں کچھ چڑچڑا پن کرجاتی ہوں۔''

''تو نے چپ سادھ لی ہے میری تو خواہش ہی رہی کہ تو ضد کرے اور لڑکیوں کی طرح کپڑوں زیور کی فرمائش کرے۔''

''واہ اماں یعنی عادتیں خراب کرنے کی پوری تیاری ہے آپ کی۔''

''لو بھلا اس طرح عادتیں خراب ہوتیں ہیں کیا؟''۔

''تو اور کیا بقول آپ کے ضروری تو نہیں مستقبل میں مجھے وہ سب چھوٹ جو آپ نے دے رکھی ہے وہ محبت جو آپ کرتی ہیں اور وہ فرمائشیں جنہیں پورا کرنا آپ کی محبت اپنا فرض سمجھتی ہے ضروری تو نہیں مجھے میسر ہو۔''

''اس لیے ہی تو کہتی ہوں جو تیرے دل میں خواہش ہے اسے اس وقت تک تو پورا کرلے جب تک باپ کے گھر ہے۔''

''ارے واہ ہماری اتنی کیوٹ اور پیاری سی بیٹی کا مستقبل بھی بڑا شاندار ہے انشاء اللہ اپنے گھر کے ہوگی تو زندگی گزارنے کی ہر شے محبت سمیت وافر مقدار میں اس کی جھولی میں ڈالے گا میرا رب۔''

''اتنا اعتماد بابا یہ ضروری تو نہیں کہ سوچا ہوا سب ملے زندگی میں۔'' اچانک آجانے اور اماں کی ہاں میں ہاں ملاتے بابا سے وہ الجھ پڑی تو بابا نے جھٹ سے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

''پہلے شادی کے لیے راضی کریں۔'' اماں اپنے مطلب پر آگئیں۔

''اماں آپ کو آخر اتنی جلدی کیا ہے شادی کی۔'' اس نے شکوہ کیا تو اماں کی آنکھیں اسے گھورنے لگیں۔

''جلدی! رمنہ تیرا دماغ تو ٹھیک ہے اب شادی کی عمر ہے تیری اور پھر بھی کہتی ہے جلدی کیا ہے۔''

''بیٹا عموماً ہمارے معاشرے میں یہ عمر سب سے موزوں ترین عمر ہے شادی کی۔'' ہمیشہ اس نقطے پر اس کی حمایت کرنے والے بابا نے بھی اماں کی ہمنوائی کرنا شروع کردی۔

''بیٹا تمہیں کوئی پسند ہو تو بتاؤ یقین کرو......''

''آئی سویئر بابا ایسی کوئی بات نہیں ہے بس میں ابھی شادی کے لیے خود کو تیار نہیں پاتی میں کچھ سیکھنا چاہتی ہوں بابا میں کچھ۔'' اس نے میران ہاشمی کا نام زندگی کے باب سے حذف کرکے اپنا مطمع نظر بیان کیا بابا چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتے رہے پھر طویل سانس لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''تمہارے بابا تمہیں تم سے زیادہ جانتے ہیں رمنہ بیٹا۔''

''جی بابا۔'' اس نے سر جھکا لیا تو انہوں نے اس کے بالوں پر اپنی محبت کی مہر ثبت کر دی۔

''میں نہیں جانتا کہ تمہارے اس فیصلے کی راہ میں کون حائل ہے مگر ہم تم سے پرامس کرتے ہیں کہ آج کے بعد میں یا تمہاری اماں تمہیں اس نقطہ پر کبھی بھی تیز نہیں کریں گے لیکن ایک بات یاد رکھنا رمنہ بیٹا ماں باپ سدا کسی کے سر پر نہیں رہتے۔''

''بابا یہ کیا گڑ بڑ پھیلانے لگے آپ؟'' اس نے مضبوطی سے اس خیال کو طرف سے آنکھیں بند کر لیں۔

''ہاں بیٹا یہ بات بالکل ٹھیک ہے رمنہ اٹل اور ترو تھ کہ والدین ہمیشہ بچوں کے سر پر نہیں رہتے کسی کو پتا نہیں ہوتا کہ کب ماں کی ممتا کا سمندر تھم جائے یا باپ کے تحفظ کا ابر سایہ اٹھ جائے۔''

''میں سوچوں گی بابا۔'' اس نے موضوع بدل دیا اور پھر سے کتابوں میں سر کھپانے لگی زندگی کے شب و روز میں اپنے دامن دل میں زخم اور دکھ ہیرے موتیوں کی طرح جمع کرنے لگی حساب کرنے لگی اور سوچنے پر مجبور ہوگئی کہ زندگی میں اکثر حاصل جمع کے بعد کچھ آنسو اور مٹھی بھر راکھ ہی بچتی ہے وہی راکھ جو بے نشان بھی ہے رائیگاں بھی اور ازل سے لے کر ابد تک تشنہ بھی۔''

''تشنگی تجسس ہے اور تجسس زندگی کو حرکت میں رکھنے کا ڈائنمو ہے اس لیے اگر اس فارمولے کا ایک بھی عنصر کم ہو جائے تو زندگی محال بلکہ ناممکن ہو جاتی ہے۔'' ایک بار کبھی ہانی غالب نے کہا تھا سو وہ آج اس کی اس بات پر خود کو متفق کرنے کی کوشش میں لگی تھی اپنی تشنگی کو اپنے اندر جذب کرنے کی سعی لاحاصل میں مصروف تھی آفس میں پہلے ہی بہت مصروفیت تھی۔

اور بچھڑے ہوؤں کو یاد کرنے اور فون کھڑ کھڑانے کی وہی پرانی اور اوکھی عادت اس سے امر بیل کی طرح چمٹی ہوئی تھی اس کے دل کا خون لحہ بہ لحہ کر کے چوس رہی تھی کہ یادیں دل کو شانت کرتی ہیں تو اس میں حشر اٹھانے پر قادر بھی ہوتی ہیں ایک لحہ ہنساتی ہیں تو دوسرے لمحے آنسو رلانے پر بھی مجبور کر دیتی ہیں یادیں آوازیں مسکراتے جملے ایک لمبی کیسٹ ریل کی طرح دل کے اسٹیریو میں لگی ہر وقت چلتی رہتی ہے اور ہماری آنکھوں کو ہر لمحے ستارے چننے میں مصروف رکھتی ہے یہ مصروفیت کہ اگر نہ ہوتی تو شاید رمنہ اعجاز کبھی کی جوگن بن کر بن آباد کرنے نکل پڑتی یا شکست کھا کر زندگی کی اسٹیج پر گر کر آخری سانسیں لے رہی ہوتی۔

''کبھی اپنی حالت دیکھو کیا حال ہو رہا ہے تمہارا آنکھوں کے گرد کتنے حلقے پڑ گئے ہیں اور ان ستارہ آنکھوں میں کتنی دھند اتر آئی ہے کتنی زرد اور کمزور ہوگئی ہو رمنہ، اے لڑکی میں تم سے مخاطب ہوں۔'' اس کی سوچوں اور انتھک محنتوں سے گھبرا کر مومر نے اماں، بابا، ناصر، عظمٰی بلکہ ہر ایک کی پریشانی اپنے لہجے میں رکھ کر اس سے سوال کیا سوال نہیں شاید اس پر جرح کی اس کے جرموں کی ایک لمبی فہرست بنانے لگا تو اس کے ہونٹ آنکھوں سے بغاوت کر کے ہنس پڑے۔

''اتنی وحشت سے مت ہنسو رمنہ مجھے خوف آنے لگا ہے تم سے۔'' مومر نے کپکپائے لہجے میں اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اسے ڈسٹرب کرنے کی کوشش کی مگر وہ پہلے سے انداز میں تنی رہی۔

''چائے پیو گے یا کافی۔''

''تمہارا خون پیوں گا منگواؤ ایک جگ۔'' وہ چڑ کر چلا پڑا اور وہ اسے اور تپانے کے لیے زور زور سے ہنسنے لگی۔

''آخر تم مجھے بلکہ ہم سب کو تنگ کیوں کر رہی ہو رمنہ۔'' وہ میز پر دونوں ہاتھ رکھ کر جھکا ہوا اس کی آنکھوں سے سوال کرنے لگا۔

اس لیے کہ بقول شاعر۔

خود کشی کرنے کی ہوتی نہیں ہمت سب میں

چلو کچھ دن یونہی اوروں کو ستایا جائے

اس نے باقاعدہ میز بجا بجا کر گنگنانے کے لیے اسٹارٹ لیا ہی تھا کہ موسر نے اس کا منہ ناک سمیت اپنے ہاتھ سے بند کر دیا جب وہ کسمسانے لگی تو اس نے ہاتھ ہٹا لیا۔

''موت اور زندگی کا صرف ایک سیکنڈ کا فاصلہ ہے رمنہ بلکہ بعض اوقات ایک سیکنڈ سے بھی کم ہوتا ہے یہ فاصلہ اتنا کم کہ بعض اوقات مرنے والا اجل کے اس اٹل فیصلے پر حیرت زدہ ہی رہ جاتا ہے سمجھیں۔'' وہ لمبے لمبے سانس لیتی اس کی بات کی گہرائی تک نہ پہنچی۔

''جینا سیکھو موت زندگی پر حاوی ہو جاؤ مایوسی کا چولا اتار پھینکو زندہ دلی اپناؤ جو گزر گیا جو بچھڑ گیا اسے بھول جاؤ اور جو ہے اسے اپنا لو۔''

''یعنی؟'' وہ اچھی اچھی باتیں کرتا یکدم پٹری سے اتر گیا تو وہ جھلا گئی اس سے پوچھنے لگی۔

''یعنی عامر زمان کی شریک سفر بن کر اپنا گھر بسا لو۔''

عامر زمان...... ہونٹوں نے نام دوبارہ دہرایا ذہن نے سوچا تو یاد آیا بابا اور اماں عامر زمان کے پروپوزل پر بہت سنجیدگی سے منظوری کی مہر ثبت کرنے کے لیے تیار بیٹھے تھے سب کچھ او کے تھا صرف اس کی ہاں کی دیر تھی۔

''میں کسی عامر زمان سے شادی نہیں کر سکتی۔'' اس نے جملے چبا چبا کر ادا کیے۔

''پھر کون ہے وہ جس کے لیے یہ جوگیوں کا پھیرا لیے بیٹھی ہو کس کا انتظار ہے تمہیں ہیں بولو۔'' وہ پھر سے اس پر حاوی ہونے کی کوشش کرنے لگا اس سے اس کی زندگی کا سب سے بڑا راز جاننے کے لیے اکسانے لگا تو وہ چڑ گئی۔

''ضروری تو نہیں میں ہر بات ہر کسی کو بتاؤں۔''

''مطلب یعنی میں موسر فاروقی ''ہر کسی'' ہوں۔ جھٹکے سے وہ کرسی کی پشت سے گردن سیدھی کر کے اسے تمام تر حیرانیوں سے تکنے لگا۔''

''میں نے یہ نہیں کہا ہے مگر میں آئندہ اس موضوع پر تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی میں نے اپنے لیے جو روٹین بنالی ہے مجھے اس پر ہی چلنے دو تمہارا بڑا احسان ہوگا۔''

''او کے مجھے تمہاری بات سے اتفاق ہے بھلا ہمیں کسی کی ذاتیات کو ڈس کس کرنے کا کیا حق ہے۔''

''موسر تم غلط سمجھے ہو۔!''

''سچ تو یہ ہے کہ موسر آج ہی سمجھا ہے تمہیں، ہاں رمنہ اعجاز میں تمہیں آج ہی سمجھا ہوں اور آج جو تم مجھ پر یوں کھلی ہو تو یقین کرو مجھے

حیرت ہوتی ہے کہ تم سے آج تک میں کیسے دوستی نبھاتا رہا۔تمہیں تو اپنی بھی ضرورت نہیں ہے ہاں رمنہ تم ان ہی لوگوں میں سے ہو جو نہ اپنے ہوتے ہیں نہ کسی اپنے کے،اس لیے آج سے میرا تمہارا کوئی ناتا نہیں اب کبھی تم مجھے نہیں دیکھو گی آج کے بعد سے میں تمہیں کبھی زندگی کی طرف پلٹ آنے کو نہیں کہوں گا خدا حافظ۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا تو اس میں طوفان اٹھنے لگے یہ محبتیں تو اس کے جینے کا سہارا تھیں اگر یوں آہستہ آہستہ محبت اس کے من سے ہجرت کرنے لگی تو اس کا دل کیونکر دھڑک سکے گا کس بات پر ہٹ دکھا کر زندہ رہنے کی اسٹرگل کرے گا۔وہ اس کے پیچھے پیچھے دوڑی اسے روکتی رہی مگر مومر سنی ان سنی کرتا چلتا گیا اس کی کسی آواز پر نہ پلٹا تو وہ تھک کر واپس پلٹ گئی۔

وہ خالی خالی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔سب کچھ نہ کچھ کہہ رہے تھے مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔سوائے ایک لفظ کے ''مومر کا ایکسیڈنٹ ہوگیا اور چوٹیں اتنی شدید تھی کہ وہ جانبر نہ ہو سکا۔'' یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ابھی تو وہ اس سے ناراض ہو کر اس کے آفس سے نکلا تھا لیکن اب ایسی بھی کیا ناراضگی کہ انسان اپنی زندگی ہی تیاگ دے۔

''موت اور زندگی کا فاصلہ صرف ایک سیکنڈ کا ہے۔بلکہ بعض اوقات یہ فاصلہ اس سے بھی کم ہوتا ہے۔'' اس کی کہی ہوئی بات اسے خون کے آنسو رلا رہی تھی۔

''مومر.....'' دل سے ہوک سی اٹھی۔نہ جانے کون سا دن تھا۔وہ تو ہر چیز سے بے گانہ تھی۔

''حوصلہ رکھو رمنہ بیٹا اٹھو۔'' بابا اپنے مخصوص لہجے میں اسے پکارنے لگے تو وہ کرچی کرچی وجود کو بمشکل جوڑ کر انکل آنٹی نعمان بھائی اور اعظم کو حوصلہ دینے لگی۔آنکھیں خشک ہوگئیں۔پر دل آنکھ بنا اندر ہی اندر روتا گیا۔روٹھ جانے والوں کو پکارے گیا۔مومر کو گئے تیسرا دن ہوگیا اور پھر دن تو آج کل بنے ماضی میں ڈھلتے ہی گئے۔

''مجھ سے اب یہاں نہیں رکا جاتا جہاں سے گزرتا ہوں مومر پوری شدت سے یاد آ جاتا ہے کیفے ٹیریا سکا جاتا ہوں تو میز کے گرد وہ کرسی اپنی یاد دلانے لگتی ہے جو کب کی وہاں سے ہٹا جا چکی ہے ہر جگہ کمی ہی کمی لگتی ہے ہماری ہنسی ہماری خوشی سب لے گیا وہ اپنے ساتھ اعظمٰی بھی بہت ڈسٹرب ہے کہتی ہے یہاں سے کہیں اور چلو ناصر میں بھی اب سوچتا ہوں یہاں سے واقعی چلا ہی جاؤں ورنہ میں خود بھی دیوانہ ہو جاؤں گا۔

تمہیں ہانی ثامن کو ایک ساتھ دیکھوں گا تو آئی سویئر مومر ہر قہقہہ ہر بات پر اپنا آپ بھلا دینے پر مجھ سے روٹ جائے گا احتجاج کرنے لگے گا میں اس کی ناراضگی برداشت نہیں کر سکوں گا رمنہ میں اس کی ناراضگی!!'' سب کو صبر کی تلقین کرتا ناصر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تو اس کے اندر بھی کہیں ہوک اٹھنے لگی۔

''میں بھی یہ سب چھوڑ کر کہیں چل پڑوں جہاں مومر کی کمی نہ چلائے جہاں کوئی دکھ کوئی غم نہ ہو۔''

''جو دکھ جہاں کا نصیب ہوتا ہے وہ وہیں ملتا ہے گھر بدل دینے سے دکھ رستہ نہیں بھول جاتے۔'' ایک بار یونہی باتیں کرتے کرتے ہانی غالب نے غیر متوقع کہا تھا تو آج وہ سوچ رہی تھی ایک من سب کچھ،سب دکھ چھوڑ دینے پر اکسا رہا تھا تو دوسرے ہی لمحے ہانی غالب کا فلسفہ پورے شوق سے دہراتا دل تھکے تھکے لہجے میں خود ہی ہانپ رہا تھا۔

''جو دکھ ملنا تھا وہ تو مل کے رہا نہ گھر بدلا نہ زمین نہ ہی آسمان ٹوٹا سب کچھ وہی ہے ہاں بس ایک شخص کی کمی بن کر دل میں روگ کی طرح اٹک گیا ہے زخم کی طرح ٹیس دینے لگا ہے مگر ہم سب بے بس ہیں بہت بے بس۔'' وہ سوچتے سوچتے چونکی تو ناصر سے الجھ پڑی۔

''یہ ملک چھوڑ دینے سے مومر کی کمی کم تو نہیں ہو جائے گی۔ دور جا کے تو اس کی یاد شدت سے آیا کرے گی جب ٹیلکس خطوط فون تم تک پہنچیں گے تو تم بے خیالی میں ہانی ثامن یا مجھ سے کہو گے مومر سے بات کراؤ اس بے وفا سے کہو یاد کیوں نہیں کرتا دو سطروں کا ہی سہی خط تو لکھے ہم تمہاری باتیں سنیں گے تو زخموں سے پھر کھرنڈ اتر جائے گا تمہاری آواز بھرا جائے گی اور آنکھیں ہماری طرح رو پڑیں گی گزر جانے والا سانحہ یاد آنے پر بلک بلک اٹھیں گی تو!

تو بولو ناصر تم کیا کرو گے ہم کیا کریں گے کہ دل تو اندر سے ہمارے بھی کرچی کرچی ہو کر بکھر چکے ہیں ناصر ہے کوئی حل تمہارے پاس کہ مومر کی یاد تو ایسی ہے کہ صدیوں آنکھیں آنسوؤں کے موتی چنیں گی تب بھی اس کا قرض ہم پر باقی رہے گا کہ وہ تھا بھی تو بہت لاڈلا بہت عزیز سب کے دل کا بہت قریبی جن۔'' وہ کہتے کہتے چلا کر چیخ کر رو پڑی تو ناصر اسے سنبھالنے لگا۔

''ایسی باتیں مت کرو رمنہ کہ دل کا بوجھ جاتے وقت بڑھ جائے پلیز رمنہ مت سمجھاؤ اتنی تلخ حقیقتیں ہمیں کہ سانس لینا دشوار ہو جائے۔''

وہ اس کا کاندھا تھپتھپا کر عظمیٰ کے سنگ امریکہ فلائی کر گیا اپنے پیچھے اسے ثامن ہانی اور مومر کی یاد کو تنہا چھوڑ کر جواب بھی دل کے کسی کونے کھدرے میں ویسی کی ویسی ہی موجود تھی۔

''گھر بسا لو اب تو تم دیکھو وقت کتنی تیزی سے گزر رہا ہے۔'' اور وہ ناصر کی اطلاع پر حیرت سے سوچتی رہ جاتی۔ ''یہ مجھ میں یونیورسٹی گرل کہاں کھو گئی وہ مسکراہٹیں وہ جملے اور وہ بے لوث چاہتیں کہاں ہجرت کر گئیں کہاں کھو گیا ہمارا سکون ہمارا خوشگوار ماضی۔'' دل ضدی بچے کی طرح مچلنے پر آتا تو مچلے ہی چلا جاتا اور اماں بابا وہ روز پہلے سے زیادہ اس کی شادی پر زور دینے لگتے۔

''ہماری زندگیوں میں ہو جا کسی کی ماں باپ کے بعد اولاد رل جاتی ہے خاص طور پر بیٹیاں تو کہیں کی نہیں رہتیں سنگی دوست رشتہ دار کوئی نہیں بنتا سہارا اور پھر تیرے پیچھے تو ماں باپ دونوں کی طرف سے رشتہ داری کا خانہ خالی ہے، کیا کرے گی ہمارے بعد۔'' اماں کی آواز بھرا جاتی تو اس کا دل اندر ہی اندر بیٹھنے لگتا اماں کی بوڑھی آنکھوں کی مانند ہوتی روشنی پر اندر ہی اندر ہولنے لگتا۔

''اب ایک نہیں سنوں گا تمہاری شادی کر کے چھوڑوں گا اس پروپوزل کو کسی صورت مت ٹھکرانا سمجھیں۔'' بابا کا لہجہ اوکھا ہو گیا اور اس کا من حیرت سے چلا پڑا

بابا نے نام ہی ایسا لیا تھا کہ وہ تو سن بیٹھی رہ گئی۔

''یہ پورے چھ برس بعد میران ہاشمی کہاں سے چلا آیا اس کے دل کو جگانے کے لیے

''میرے دوست کا بیٹا ہے۔ بہت عرصے بعد مجھے میرا دوست ملا اور پھر کھو گیا۔'' بابا کا لہجہ نم ہو گیا۔

''کھو گیا...... کیا مطلب بابا؟'' اس نے حیرت سے استفسار کیا۔

''بیٹا کچھ ہی عرصے پہلے اس کی وفات ہوگئی اس کا ایک بیٹا اور ایک ہی بیٹی ہے، بیٹا تمہارا ہم عمر ہوگا یا شاید بڑا ہی ہو تم سے بہت ڈیشنگ اور نفیس بچہ ہے۔'' بابا میران ہاشمی کے خدوخال دوہرانے لگے۔ (وہ کیا جانیں کہ میران کے خدوخال کی ایک ایک لکیر اسے حفظ تھی۔)

''اچھا بابا میں سوچوں گی۔'' اس نے آنکھیں بھینچ کر اس موضوع سے جان چھڑانے کی کوشش میں کہا تو بابا بے ساختہ ہنس پڑے۔

''اب ایک نہیں چلے گی تمہاری سمجھیں رمنہ اعجاز یہ شادی ہر صورت ہو کر رہے گی۔'' بابا کے حتمی لہجے پر اس نے کچھ نہیں کہا سوائے مسکرانے کے۔ بابا چلے گئے تو ہونٹوں کی مسکراہٹ بھی ناپید آنکھوں کی چمک بھی ماند پڑ گئی۔ ایک احساس حاوی تھا۔ تھکن کا جی چاہ رہا تھا کہ آنکھیں بند کر کے لمبی نیند سو جائے۔

''اوہ تھکن! اس نے سوچوں سے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں اور چھ برس پہلے کے میران ہاشمی کو دوبارہ ذہن میں دوہرانے لگی۔

جانے کیسا ہوگا کیسا ہوگیا ہوگا ان برسوں میں دل سوچنے لگا اور پھر جب دوسرے دن وہ رات کے کھانے پر بابا کے ساتھ گھر آیا تو اسے حیرت ہونے لگی آنکھوں پر رِیم لیس شیشوں کی عینک اور سفید ڈنر سوٹ میں وہ کسی ناول کے ہیرو کی طرح پر سحر دکھائی دیتا تھا۔

''کچھ بھی نہیں بدلا یہ تو پہلے جیسا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ گڈ لک ہوگیا ہے۔'' اس نے سوچا اور میزبانی انجام دینے لگی اماں کو میران پہلی ہی نظر میں اتنا بھا گیا کہ وہ اسے بیٹا کہتے کہتے نہ تھکتی تھیں۔ اس لیے جب ڈنر کے بعد وہ گھر سے گیا تو اماں پر اپنا جادو پوری طرح جما کر گیا۔

''بس اب دیر کی ضرورت نہیں ہاں کر دو اعجاز۔''

''واہ یہ کیسے ہوسکتا ہے بھئی عمر بھر کی بات ہے کچھ نہ کچھ چھان پھٹک تو کرنا ہی پڑے گی۔''

''اتنا سعادت مند اور بردبار ہے بھلا ایسے بچے کی کیا چھان پھٹک کرنا اور پھر آپ ہی تو کہتے ہیں کہ وہ آپ کے دوست کا بیٹا ہے تو ظاہر ہے جان پہچان تو ہوگی ہی۔''

''جان پہچان تو ٹھیک ہے لیکن دوستی تو دوست کی بہت ساری غلطیوں کو نظر انداز کرنے کا نام ہے لیکن بیٹی کی شادی ظاہر ہے۔ بہت کچھ دیکھ کر کی جاتی ہے۔ اس لیے مجھے ذرا دوسرے طریقوں اور ذرائع سے اس کے متعلق چھان بین کرنی ہوگی ویسے بے فکر رہو مجھے یقین ہے کہ وہ دیکھنے میں جتنا اونسٹ اور فیث فل ہے عملی زندگی میں بھی اتنا ہی اچھا انسان ہوگا کوشش کرنا ہمارا کام باقی کام مولا جانے۔'' بابا جمائیاں لیتے اٹھ گئے تو وہ میز پر سے برتن اکٹھے کرنے لگی اس کام سے نمٹی تو اسے کسی تنگی کسی دوست کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔

آج اسے ناصر بہت یاد آ رہا تھا ہر مشکل کام میں وہ اس کے لیے دعا کی طرح ڈھال بن جاتا تھا اس کی پریشانیاں اپنے کاندھوں پر اٹھا کر بس یہی کہتا۔

''تم خوش رہا کرو رمنہ مجھے تم ہنستی ہوئی اچھی لگتی ہو۔'' اور آج جب وہ اس سے سات سمندر پار کی دوری پر بیٹھا تھا تو اسے اس کی ضرورت پہلے سے زیادہ بے کل کر رہی تھی۔

''کاش ناصر تم یہاں ہوتے کوئی فون کوئی خط ہی آ جائے تمہارا۔'' بڑے خشوع خضوع سے اس نے اپنے دل میں دعا کی اور دعا کا وہ لمحہ

شاید قبولیت ہی کا تھا کہ دوسرے دن صبح ہی صبح اس کا فون آیا۔

''ایک خوشخبری ہے تمہارے لیے رمنہ۔'' اس کی آواز مسرت سے چور تھی۔

''کیا خوشخبری ہے؟'' اس نے بھی اپنا لہجہ خوشگوار رکھنے کی کوشش کی۔

''تم ایک عدد بھتیجے کی پھپھو بن گئی ہو یار!!''

''اوو اؤ کیسا ہے نیا بے بی۔''

''بالکل عظمیٰ جیسا ہاں بس آنکھیں مجھ پر گئی ہیں۔''

''تمہارے چہرے میں صرف آنکھیں ہی تو اچھی ہیں۔''

''اچھا جی وہ جو امریکی گرلز ہماری اسمارٹنس پر مرتی ہیں وہ!''

''وہ تو پاگل ہیں ورنہ تم میں ایسی کوئی بات نہیں۔''

''اچھا اچھا جب ملیں گے تب پوچھوں گا۔''

''کب ملیں گے؟'' یکدم ہی اس کا دل اپنا مدعا بیان کرنے پر کمر بستہ ہو گیا۔

''خیریت؟ کیا تمہیں میری ضرورت ہے رمنہ؟''

''ہاں!!'' لفظ اس کے ہونٹوں پر ادا ہونے سے پہلے ٹوٹنے لگے۔

''کیا ہوا؟'' اس نے بے قراری سے پوچھا۔

''میران ہاشمی۔''

''کیا ہوا میران ہاشمی کو......!!'' اس کے لہجے میں اس سے بھی زیادہ بدحواسی تھی۔

''وہ پھر سے میرے خوابوں پر حاوی ہونے لگا ہے پھر سے مجھے حصار کرنے آ گیا ہے۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''بابا کے پاس پروپوزل آیا ہے اس کا۔''

''انکل آنٹی کا کیا جواب ہے۔''

''بابا اور اماں کو پسند آیا ہے وہ۔''

''پھر تمہیں پریشانی کیا ہے؟'' اس کے لہجے میں حیرت در آئی۔

''سب باتیں فون پر نہیں ہو سکتیں۔''

''اچھا میں جلد ہی آ رہا ہوں۔''

''مگر عظمیٰ ایسے موقع پر تمہاری عظمیٰ کو بہت ضرورت ہے۔''

''اچھا اچھا میں عظمیٰ سے بات کروں گا اگر اسے کوئی اعتراض نہ ہوگا تو آ جاؤں گا۔ ویسے بھی حسن بھیا اور عالیہ بھابی ہیں تو اس کے پاس۔''

''ہوں۔'' وہ گم ہوگئی۔

''ٹھیک پھر جلد ہی ملیں گے او کے۔'' اس نے فون رکھ دیا اور پھر خلاف توقع ناصر سات بجے شام اپنی منی سوٹ کیس کے ساتھ بابا اماں سے ملتا ملاتا ٹیرس پر آ گیا جہاں وہ کرسی سے سر ٹکائے بے شمار سوچوں میں گھری ہوئی خود بھی ایک سوچ ایک سوال بن چکی تھی۔

''کیا خوشیاں میرے در پر حقیقی دستک دے رہی ہیں؟ یا میران ہاشمی مجھے لک ڈاؤن کرنا چاہتا ہے اپنا پرانا کردار نبھاتے ہوئے ہماری دوستی ہمارے گروپ کا حصار توڑ دینا چاہتا ہے۔

''اس میں سے ایک بھی خدشہ درست نہیں رمنہ۔'' ناصر اس کے سامنے بیٹھا اسے سمجھا رہا تھا۔

''ہمارا میران سے کوئی جھگڑا نہیں اور پھر کون سے گروپ کی بات کرتی ہو تم کس حصار کو لیے بیٹھی ہو۔ اپنا گروپ تو کب کا ٹوٹ گیا ہماری دوستی کی مالا کا تو ایک ایک موتی بکھر گیا بولو کس کی خبر ہے تمہیں کس کو خبر ہے تمہاری سومر چلا گیا ہانی ثامن سب ادھر اُدھر زندگی کی دوڑ میں شامل ہو کر کھو گئے رمنہ پھر بھلا کیا ملے گا میران ہاشمی کو ہم ہارے ہوئے لوگوں کو شکست دینے میں۔

ہاں جنگ تو فاتح سے لڑتے ہوئے مزا دیتی ہے جو پہلے سے مفتوح پہلے سے ہی شکست خوردہ ہیں ان کو مات دینے میں بعض اوقات فتح خود پشیمان ہو جاتی ہے۔''

''تم! تم ٹھیک کہتے ہو۔ ناصر بھلا میران سے اب کیا جھگڑا ہمارے پاس تو اب ہارنے کو کچھ بچا ہی نہیں۔'' وہ ناصر کی بات سمجھ کر شکست کے بوجھ سے خود بھی اندر ہی اندر بیٹھنے لگی۔

''تمہاری مرضی کیا ہے تم کیا چاہتی ہو آئی سویٹ رمنہ! اگر تم اس بندھن کے خلاف ہو تب بھی انکل آنٹی کی طرف سے میں تمہیں ضمانت دیتا ہوں کہ تم پر کوئی بے جا قدغن یا زبردستی کا فیصلہ نہیں ٹھونسا جائے گا ہر کام تمہاری مرضی منشا کی مطابق ہوگا اس گھر میں۔''

''میری مرضی! میری منشا، ناصر بہت عرصہ ہوا میں نے خواہش کرنا اور ضد کرنا چھوڑ دیا ہے پتا نہیں کیوں مجھے اب اپنے درست حق پر بھی جرح کرتے پشیمانی سی ہوتی ہے پتا نہیں کون سا نام ہے جو مجھ میں تھکن کی طرح بیٹھ گیا ہے میری پلکوں تلے انتظار کا روپ لیے جم گیا ہے خواب کی طرح یہاں سے وہاں بکھرا پڑا ہے۔ جدائی کی رم جھم برستی بارش میں بھیگ کر بے نام ہونے کے دکھ میں روئے ہی چلا جاتا ہے۔''

''کیا سوچنے لگیں رمنہ؟'' ناصر نے سوچوں کی تھاہ میں ڈوبی رمنہ کا کاندھا ہلایا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''رمنہ کیا تم اکشا کے وجود کے باوجود میران کو قبول کرنے کی طاقت رکھتی ہو عام لفظوں میں صرف اتنا کہوں گا کہ میران اگر چاند ہے تو اکشا اس کی محبت کا چمکتا ہالہ تھی تم اس ہالے کی چمک کے باوجود کیا اس کے سفر میں شریک بننے کی ہمت رکھتی ہو کیا تم زمین کی طرح چاند کے گرد لا محدود چکر لگانے کی مسافت اٹھا سکتی ہو بولو رمنہ کہ اس فیصلہ میں تمہیں بہت کچھ رد کرنا اور بہت کچھ ماننا اور بہت کچھ برداشت کرنا پڑے گا۔ ٹیل می

واٹ از یور اوپینین۔'' پوری توجہ اپنی تمام تر ذہانت سمیت وہ اسے فیصلے کے مضمرات اور فوائد سے مکمل آگاہی دے رہا تھا اور وہ گم صم خلاؤں میں کسی نادیدہ نقطہ کو تلاش کر رہی تھی۔

''رمنہ میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے۔''

''ناصر مجھے اماں بابا کا ہر فیصلہ قبول ہے۔''

''یہ تم کسی دباؤ میں آ کر تو نہیں کہہ رہیں۔''

''نو! نو میں کبھی کوئی فیصلہ دباؤ کے تحت نہیں کرتی۔'' اس نے حتمی انداز میں پورے وثوق سے اس کی کھوجتی آنکھوں میں اپنی آنکھیں مرکوز کر دیں۔

''اوکے میں تمہارے فیصلے سے انکل آنٹی کو آگاہ کر دوں گا۔''

اس کا فیصلہ سن کر وہ سیدھا اماں کے پاس چل دیا اماں کو اس کی رضامندی کی خوشخبری سنائی تو اماں نے بے اختیار اسے اپنے سینے سے لگا لیا کتنی دیر خاموشی سے بس اسے اپنے سینے سے بھینچے رہیں۔

''مجھے یقین تھا کہ تو مجھے اب اور نہیں تڑپائے گی اس خوشی کو دیکھنے سے ہاں رمنہ مجھے اپنی محبت پر یقین تھا۔'' اماں نے سرخوشی سے کہتے ہوئے اسے خود سے جدا کیا اور خود بابا کا انتظار کرنے لگیں۔

شام گئے بابا آئے تو اماں نے بنا تمہید کے انہیں اس کے مان جانے کی خوشخبری سنا دی پر بابا! ان کے اندر تو کوئی مسرت کا بادل گھر کر نہ اٹھا اور اس اہم خبر پر بھی وہ سوکھے دھان کی طرح بے آس بیٹھے رہے۔

چہرے پر جا بجا لکیریں تھیں آنکھوں میں فکرمندی تھی اور ہونٹوں پر ایک عجیب سا دکھ پیاس کی طرح جم گیا تھا کسی نہ ٹپکنے والے آنسو کی طرح آنکھ میں اٹک گیا تھا کہ جو آنسو نہ چھلکے وہ دل کے لیے سم بن جاتا ہے اور جو دکھ نہ کہا جائے وہ ناسور بن کر ٹیس دینے لگتا ہے۔ بالکل اس ان کہے دکھ کی طرح جو بابا کے ہونٹوں پر جم گیا تھا اور ان کے چہرے پر ملال بن کر چھایا ہوا تھا۔

''کیا ہوا بابا آپ پریشان لگتے ہیں۔'' سب سے پہلے اس نے ہی آگے بڑھ کر بابا کا دکھ جاننا چاہا۔

''کچھ نہیں رمنہ بس ایک کپ چائے پلا دو آج تو بہت تھک گیا میں۔'' تھکے تھکے سے بابا نے اسے حکم دیا ہو۔ وہ ''اچھا'' کہہ کر کچن میں چلی گئی اور جب چائے کی ٹرالی سمیت ڈرائنگ روم کے دروازے کے قریب پہنچی تو بابا کی اماں سے الجھنے کی آوازیں سنیں۔

''یہ نہیں ہو سکتا ایک شادی شدہ شخص سے میں اپنی بچی نہیں بیاہ سکتا۔''

''لیکن انکل آکشا سے اس کی علیحدگی ہو چکی ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن شادی شدہ تو ہے ناں وہ شخص۔'' بابا ناصر کی طرف گھوم گئے۔

''لیکن انکل اس کی کوئی اولاد وغیرہ بھی نہیں سب سے اہم مسئلہ یہی ہوتا ہے لیکن اب جب کہ میران کی زندگی اس مسئلہ سے خالی ہے تو

مجھے اس رشتہ میں کوئی برائی نظر نہیں آتی کیوں اماں۔'' ناصر نے اماں سے تائید لینا چاہی اماں مکمل اس کی حمایت کر رہی تھیں۔

''خیر خیر تم دونوں کا جو فیصلہ ہے وہ ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ رمنہ کی شادی میں اس کی مرضی و منشاء کے بغیر نہیں کروں گا۔''

''رمنہ کی مرضی معلوم تو ہو گئی آپ کو۔'' اماں نے بابا کو یاد دلایا۔

''وہ مرضی اس اہم بات سے پہلے ہے رمنہ نے یہ فیصلہ اس وقت کیا تھا جب ہمیں یا اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ میران پہلے سے ہی شادی شدہ ہے۔''

''وہ شادی شدہ تھا اب اس کی بیوی سے اس کی علیحدگی ہوئے تین سال ہو گئے اعجاز۔'' اماں کا لہجہ حتمی سا ہو گیا تو وہ پردے کے پیچھے سے اپنی پلکوں کے ستارے دوپٹے کے پلو میں چنتی ٹرالی سمیت اندر داخل ہوئی۔

''اماں ٹھیک کہتی ہیں بابا میرا فیصلہ وہی ہے جو پہلے تھا۔'' ''مگر رمنہ بیٹا وہ ایک شادی شدہ شخص ہے۔''

''آئی نو بابا لیکن مجھے کوئی انکار نہیں اس شادی سے۔'' وہ ٹھوس لہجے میں کہتی بابا کے قریب بیٹھ گئی۔

''اگر تمہیں منظور ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔'' بابا نے ٹھنڈی سانس لے کر اس کی پیشانی چومی اور ناصر جھٹ سے اس تقریب کی فوری ارینجمنٹ میں لگ گیا۔

''وہ سب ہو گا جو تم کہو گے مگر پہلے منگنی کا سیشن تو ہو جائے۔'' اپنے خواب گنواتے ناصر کو بابا نے بروقت تمام چپ کرایا وہ چپ ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگا تو بابا کے لب ہلے۔

''منگنی ابھی کر لیتے ہیں شادی تین ماہ بعد کریں گے۔''

''او کے یہ ٹھیک رہے گا تین ماہ بعد عظمیٰ بھی اس شادی میں شریک ہو سکے گی۔'' ناصر خوش خوش اٹھ گیا اور پھر ایک خوبصورت شام میران سے اس کی منگنی کی تقریب ارینج کی گئی ناصر نے ثامن ہانی غالب کو بھی کہیں نہ کہیں سے کسی نہ کسی طرح سے اس تقریب میں شریک کر لیا تھا کتنے سالوں بعد ملے تھے وہ سب سو منگنی کی اس تقریب کے بعد بھی گھنٹوں باتیں ہوتی رہیں۔ یادوں کا ایک جمگھٹا رہا جو بچھڑ گیا تھا اس کی یاد تھی اور وہ سوائے یاد کرنے کے کچھ نہیں کر سکتے تھے بے بسی کتنا بڑا درد ہوتی ہے یہ وہی جانتے تھے کہ انہوں نے اپنا یار کھو دیا تھا۔

''ہائے مومر اگر آج تم ہوتے تو کتنا مزا آتا تمہارے شوخ جملے تمہاری باتیں بہت تڑپاتی ہیں اب بھی بہت ستاتی ہیں ہاں مومر اب بھی۔'' سسکی سی ہونٹوں سے نکلی تو اس نے تکیہ اپنے سر پر رکھ کر مومر کی آواز کی بازگشت سے بچنے کی کوشش میں رات بتا دی۔ نیند جانے آنکھوں سے کیوں روٹھ گئی تھی؟؟

''رات سوئی نہیں۔'' صبح ناشتے کی میز پر ناصر نے اس سے پوچھا تو اس کا سوال خود اس کی آنکھوں سے الجھ گیا۔

''آنکھیں تو تمہاری بھی جاگی ہوئی لگتی ہیں۔''

''ہاں وہ بس شادی کا پروگرام سیٹ کرتے ہوئے نیند ہی نہیں آئی رات کو۔'' ناصر جھوٹ بولنے لگا تو اس نے اس کے چہرے سے نظریں

ہٹا کر اپنے سامنے دھرے کپ پر گاڑ دیں۔ مبادا اس کی آنکھ کی نمی اسے اس کے سامنے شرمندہ نہ کر دے۔ (یہ بعض اوقات آنسوؤں کے چند قطرے کتنا بے آبرو کر دیتے ہیں آدم کو!)

''ناصر شاپنگ وغیرہ کا کیا سوچا ہے بھئی۔'' اس سے پہلے کہ وہ اس اتھاہ خاموشی اور اپنی آنکھوں کی نمی سے گھبرا کر میز سے اٹھ جاتا بابا اور اماں کھانے کی میز کی طرف بڑھتے ہوئے اسے مخاطب کرنے لگے۔ بابا اور اماں سے شاپنگ کے لیے ڈسکس کرنے لگا تو وہ چائے کا کپ اور اخبار لیے باہر لان میں آ گئی اور پھر تیاریاں کرتے تین ماہ کا پتا ہی نہ چلا وقت بہت تیزی سے گزرا کسی چکیلی مچھلی کی طرح ان کے ہاتھوں سے پھسل گیا۔

''وقت رہا نہیں اور کام ہیں کہ ابھی باقی ہیں۔'' اماں گھبرا کر کہتیں اور اسے بھی پریشان کر ڈالتیں تو وہ پہلے سے بھی زیادہ تیزی سے کام میں لگ جاتی عظمٰی اور آنٹی ہما بھی ان کے گھر مقیم تھیں دن رات کام ہی کام تھا مگر عین وقت پر سب کام کاج خوش اسلوبی سے انجام پا گئے اور وہ سب سنگی ساتھیوں اور بزرگوں کی دعاؤں تلے میران ہاشمی کے بندھن میں بندھ کر اس کے ہمراہ اس کی عالی شان کوٹھی میں آ پہنچی۔

اندر باہر سے کوٹھی بقعہ نور بنی ہوئی تھی ریشمی آنچلوں کی بہار تھی اور وہ صوفے پر شرمائی لجائی سی بیٹھی اپنے متعلق دوسروں کے ریمارکس سن رہی تھی میران کی صرف ایک ہی بہن تھی شرمیلا جو موقعہ کی مناسبت سے کبھی میران کو تنگ کرتی کبھی اس کے بالکل کان میں گھس کر کوئی نہ کوئی حرف پیام یا خوشبو جیسی بات انڈیل کر اسے مجسم خوشبو کر دیتی۔ وہ خود بھی آسمان پر پھیلی دھنک بن گئی تھی۔

جب شرمیلا نے مووی اور رسموں کے جھمیلوں سے نکال کر اسے کمرے میں پہنچایا۔ ''میرو بھائی کو ابھی بھیجتی ہوں گھبرانا نہیں اچھا!'' وہ دلاسا دیتی اسے کمرے میں تنہا چھوڑ گئی تو دل عجیب عجیب مسرتوں اور خوشیوں سے بھر گیا۔ ''جانے میران مجھے دیکھ کر کیا کہے کیا سنائے وہ۔'' دل جملے خود سے گھڑ گھڑ کر خود بھی گھبرا تا رہا اسے بھی پریشان کرتا رہا یہاں تک کہ میران کے قدموں کی چاپ سنائی دی وہ گھونگھٹ ڈال کر پہلے سی زیادہ سمٹ کر بیٹھ گئی پیشانی پر بے طرح پسینہ تھا اور ہونٹوں پر ایسی پیاس جم گئی تھی جیسے اس نے کبھی پانی کی شکل تک نہ دیکھی تھی میران کے داخل ہوتے ہی کمرے میں لگا اسٹیریو مدھم آواز میں بج اٹھا اور میران کی خواب دکھانے والی آواز اسے چاروں طرف سے جکڑنے لگی۔

وہ جھکا اس کا گھونگھٹ اٹھائے پھر سے شعر کہنے لگا اور اپنے اندر ان جملوں میں چھپی زندگی اتارنے لگی کہ اتنے برس اس سے جدا رہ کر وہ تو جینا بھول بیٹھی تھی اب جو وہ یوں اسے جینے کے سندیس دے رہا تھا خود کو محسوس کرنے کی باتیں کر رہا تھا اسے بھی کوئی گلہ نہیں تھا نہ خود سے نہ قسمت سے ہاں اس سرشاری میں بس ایک اکشا نام تھا جو اس کے اندر بے کلی پیدا کر رہا تھا۔

''اکشا اس کی محبت ہے سمجھو اگر وہ چاند ہے تو اکشا اس کے گرد چمکنے والا ہالہ تھی۔'' ناصر کی آواز کہیں دور سے اس کی سماعت میں گونجی تو اس نے گھبرا کر اپنا سر میران کے کاندھے سے نکا دیا ہر خیال سے دل کو خالی کر کے میران کی محبت کو آخری کونے تک بھر لیا۔

''آئی لو یو سوچ میران۔'' اس کے لب کانپے اور مسرتوں کی برکھا رت میں وہ پور پور بھیگ گئی مگر دوسرے دن بالکل مختلف میران ہاشمی اس کی بصارت سے ٹکرایا۔

''تم نہیں آئے تھے جب تب بھی تو تم آئے تھے۔'' سماعت میں محفوظ رات کی بھیگی بھیگی محبت کی رت میں مہکا مہکا لہجہ اس وقت بدلا تو وہ

تحیر سے میران کو دیکھنے لگی اتنا انجان اتنا لاپرواہ تھا وہ اس کی طرف سے کہ اسے اپنے ہونے پر شبہ ہونے لگا تھا۔

''کیا ہوا میرو آپ کا موڈ تو صحیح ہے؟'' اس نے صبح کے ناشتے پر دبے دبے لہجے میں پوچھا مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ بتا پاتے شرمیلا اپنے شوہر کے ساتھ کھانے کے کمرے میں قلقاریاں مارتی چلی آئی۔

''ارے واہ بھابی آج آپ کا دوسرا دن ہے اور آپ ہیں کہ یوں بنا سنگھار کے سادہ سی بیٹھی ہیں بھئی جلدی جلدی سے تیار ہو جائیے انکل آنٹی آپ کو لینے آنے ہی والے ہیں چلیے ناشتا بعد میں۔''

وہ اسے زبردستی گھسیٹ کر بیڈروم میں لے گئی۔ ''یہ آسمانی کامدار ساڑھی خوب جچے گی آپ پر۔'' ہینگر میں لٹکی ساڑھی اس نے اسے تھمائی تو وہ کپڑے بدلنے بیڈروم سے ملحقہ چھوٹے کمرے میں چلی گئی اور پھر جب وہ تیار ہو کر باہر نکلی تو شرمیلا نے اس کی تعریف میں زمین آسمان ایک کر دیے۔ (یہ بھائی بہن تو دونوں ہی شاعرانہ روح رکھتے ہیں مگر شرمیلا برخلاف میران کے ایک کھلی کتاب ہے نہ کوئی الجھاؤ نہ پراسراریت بس جیسی اندر سے ہے ویسی ہی باہر سے دکھتی ہے شوخ پرخلوص بے انتہا چاہنے والی۔) اس نے اس کے چہرے پر نگاہیں گاڑ کے سوچا تو وہ بول اٹھی۔

''کیا ہوا بھابی کیا کوئی بات بری لگ گئی میری۔'' اس نے بے اختیار اسے کھینچ کر خود سے لگا لیا۔

''تم جیسی پیاری بہن کبھی کسی کو بری نہیں لگ سکتی بلکہ تم جیسی بہنوں کے لیے ڈھیر ساری خوشیوں کی دعائیں ہیں شرمیل۔''

''واہ واہ کیا نام دیا ہے پہلے سے زیادہ خوبصورت کر دیا آپ نے میرا نام۔'' وہ اطمینان سے ہنس پڑی۔ باہر آئی تو میران کو اماں بابا سے بات کرتے پایا۔

''عظمٰی، ناصر نہیں آئے۔'' اس نے پیار لے کر اماں سے پوچھا۔

وہ دونوں گھر پر انتظار کر رہے ہیں تمہارا کہتے تھے گھر میں کوئی تو استقبال کے لیے موجود ہونا چاہیے۔'' دھیمی دھیمی مسکراہٹ سجائے بابا نے کہا میران نے اثبات میں سر ہلایا۔ خوشگوار موڈ سمیت وہ سب باہم مل کر اعجاز ولا پہنچے اور پھر ان کی بیل پر چند ساعتوں بعد جیسے بہاروں کے در وا ہو گئے سرخ گلاب کی پتیوں کی کن من کن من برسات تھی جو ان پر برس رہی تھی وہ سب محبت کی اس بارش میں پور پور بھیگ چکے تھے۔ اس لیے جب ناصر، میران، عظمٰی شرمیلا آپس میں ملے تو بڑے ایکسائٹڈ تھے۔

''تم سے مل کر ہمیشہ خوشی ہوتی تھی مگر آج بہت عزیز ہو گئے ہو تم رمنہ کی نسبت بہت ہی عزیز ہو گئے ہو یار۔'' میران کے لب ہلے تو وہ زمین سے پھر آسمان پر جا پہنچی۔

''یہ میران کیا ہیں اور ان کی محبت کیا ہے کیسا اسرار ہے ان کی قربت میں کہ وقت اور میں دونوں مدفن خزینہ بنے اپنی ہی کھوج میں سرگرداں ہیں۔''

''کیا سوچنے لگیں۔'' عظمٰی نے شرارت سے اسے خود سے بھینچ کر پوچھا تو وہ سر جھٹک کر مسکرا کر اسے دیکھنے لگی۔

''بڑی بے باک ہو گئی ہو۔ نہ شرم نہ حیا بس دیدے پٹپٹائے دیکھے ہی چلی جا رہی ہے اے لڑکی اگر پاس شرم و حیا کا کال پڑ گیا ہے تو مجھ

سے کچھ ادھار لے لو مگر یوں مردمار انداز میں نہ بیٹھو گھونگھٹ نکال شرما لو۔"

"اے عظمٰی کی بچی اتنی جلدی ہی اتنی ماہر ہوگئی تو کہ مجھے ہدایات دے رہی ہے۔"

"پورے پونے دو سال بڑی ہوں تم سے سمجھی اس لیے جو کہوں بس سنتی جاؤ اور عمل کیے جاؤ۔" زبردستی اس نے اسے خاموش بیٹھنے پر مجبور کیا ناصر شرمیلا عظمٰی اور میران باتیں کرتے رہے اور وہ یوں بیٹھے رہنے پر بور ہوتی رہی۔

"کیا مصیبت ہے یہ سراسران فیئر ہے عظمٰی کی بچی۔" وہ جھنجلاتی کمرے میں داخل ہوئی تو عظمٰی اور شرمیلا کا قہقہہ نکل گیا میران کی تیز نگاہیں اس پر جم گئیں اور ناصر ادھر اُدھر کچھ تلاش کرنے لگا۔

"مجھے وہاں بٹھا کر خود غائب ہوگئیں یہ اچھی رہی۔" وہ خجل ہو کر دھیمے لہجے میں کہتی عظمٰی کے برابر آ بیٹھی۔ اسی وقت اماں نے کھانے کی اطلاع دی تو سب اسی طرف چلے گئے۔

اور پھر ولیمہ کے بعد ناصر اور عظمٰی واپس امریکہ لوٹ گئے شرمیلا بھی اپنے گھر میں لگ گئی اور وہ تنہا میران کی شخصیت کے پرت کھولنے بیٹھ گئی ہر طرح کا آرام تھا کوئی کام خود کرنے کی ضرورت نہیں تھی اتنے ڈھیر سارے ملازم تھے مگر اسے تو ہر کام خود کرنے اور مصروف رہنے کی عادت تھی اس لیے میران کا ہر کام وہ خود کرتی اس کی پسندیدہ ڈشز شرمیلا سے پوچھ کر زیادہ سے زیادہ اچھی طرح پکانے کی پریکٹس کرتی۔

کبھی میران تعریف کر دیتا تو کبھی بالکل ہی برف بن کر اس سے بالکل ہی لاپرواہ ہو جاتا جب بھی اس پر یہ دورہ پڑتا وہ بس بنا بتائے کہیں چلا جاتا پہلے اسے اس بات کا علم نہیں تھا مگر جب اس کے سامنے پہلی بار یہ واقعہ ہوا تو اس نے شرمیلا کو بوحواس ہو کر بلا بھیجا۔

"ازاد کے وہ جہاں گئے ہیں خود بخود آ جائیں گے آپ گھبرائیں مت بھابی۔" وہ اسے دلاسا دینے لگی۔

"میں گھبرا نہیں رہی شرمیل مگر مجھے پتا تو چلے آخر میران کہاں گئے ہیں وہ اعظم بابا کہتے ہیں میران اس سے پہلے بھی کئی بار اس طرح بنا بتائے جا چکے ہیں کیا اکشا کی موجودگی میں بھی۔" لفظ اس کے ہونٹوں پر ٹوٹنے لگے اور شرمیلا اس سے نظریں چرانے لگی۔

"ہاں اعظم بابا ٹھیک کہتے ہیں وہ اس سے پہلے بھی اسی طرح غائب ہو چکے ہیں مگر ایک یا دو دن بعد وہ خود سے لوٹ آتے تھے۔"

"کیا اکشا کی موجودگی میں بھی وہ۔"

"اکشا بھابی کی موجودگی سے ہی تو ان کی یہ پرابلم شروع ہوئی ہے میں نے کئی بار پوچھا پر بھیا اس معاملے کو ٹال جاتے تھے اس سے پہلے کبھی بھیا اس طرح بغیر بتائے کہیں نہیں گم ہوتے تھے بس یہ اچانک ہی......" وہ چپ ہوئی یا شاید کچھ اور کہنے کے لیے لفظ ڈھونڈنے لگی۔

"اکشا سے علیحدگی کے بعد! کیا اس کے جانے کے بعد بھی کبھی میران یوں گم ہوئے۔"

"نہیں اکشا جی سے علیحدگی کے بعد ان کی یہ پرابلم خود بخود دور ہوگئی تھی جیسے دماغ کی کوئی پرانی گرہ کھل جائے مگر اب جانے یہ بھیا کو پھر کیا سوجھی۔" وہ فکر مندی ہوگئی رات بھر اس کے ساتھ جاگتی رہی میران کا انتظار کرتی رہی مگر پہلے دن کی طرح دوسرے دن بھی میران نہ آیا۔

"میرے لیے تم اپنا وقت مت برباد کرو شرمیل۔"

''آپ کے لیے تو میں وقت تو کیا خود کو بھی برباد کر سکتی ہوں۔'' اس کے لہجے میں خلوص ہی خلوص تھا ایسا خلوص جسے پا کر آنکھیں خود بخود بھیگنے لگتی ہیں اسے اس ننھی سی لڑکی پر بے انتہا رحم آرہا تھا اس کی آنکھیں تو صرف مسکرانے کے لیے اور ہونٹ قہقہوں کے گلاب چنتے ہوئے اچھے لگتے تھے اس لیے اپنے غم پر اسے پریشان کرنے کی بجائے اس نے اسے زبردستی گھر بھیج دیا کہ یہ دکھ تو اس کا اپنا تھا سو اسے یہ غم تنہا ہی سہنا تھا۔

سوچتے سوچتے یکدم خود سے گھبرا کر اس نے خود کو تکیے پر گرا لیا تمام پردے اور لائٹس آف تھیں اس کا دماغ کچھ غنودہ سا ہو گیا تھا جب اچانک ہی میران اس پر جھکا بالوں میں انگلیاں پھیر پھیر کر اسے جگانے لگا۔

''اٹھو رمنہ یہ کیا منہ لپیٹے پڑی ہو چلو یار کہیں باہر چلیں۔''

''کیا وقت ہوا ہے؟'' آنکھیں کھول کر بنا حیرت ظاہر کیے پوچھا۔

''بارہ بج رہے ہیں بھئی اٹھو بھی شہروں میں تو یہ وقت انجوائے کا ہے رات تو بارہ بجے کے بعد ہی جاگتی ہے کم آن چلو رمنہ!!'' پور پور محبت میں بھیگے لہجے میں میران اسے اٹھاتا خود کپڑے لیے باتھ روم میں گھس گیا تو اس نے بدقت تمام خود کو اس کی پسند کے مطابق سنوارا۔

''واؤ نائس اب لگتی ہو ناں میران کی بیوی ہمیشہ ایسی ہی بنی سنوری رہا کرو اتنی پیاری مسکراہٹ ہی تمہارے چہرے پر سجتی ہے۔'' وہ مخمور لہجے میں کہتا اسے اپنے ساتھ لیے اپنی مرسڈیز کی طرف بڑھا زندگی یکلخت معتبر سی لگنے لگی وہ زمین سے یکدم آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگی مگر ایسے میں اکشا نام اس کے سینے میں مسلسل پھانس کی طرح چبھتا رہا۔

''کیا سوچنے لگیں۔'' میران نے کھینچ کر اسے خود سے لگاتے ہوئے سرشاری سے پوچھا تو لفظ اس کی محبت کی حدت سے پگھلنے لگے یا شاید اس کے دل پر زخم بن کر جم گئے کہیں دور سے ایک بھلا دینے کی کوشش کے باوجود اکشا نام ٹیس بن کر اس میں بھانبھڑ جلاتا رہا اور وہ رمنہ اعجاز جسے اپنے آپ پر اپنی شخصیت پر ناز تھا اس آگ میں خاموشی سے جلتی راکھ ہوئی جا رہی تھی دھواں بن کر اپنے ہی دل میں چکرا رہی تھی سسکی بنی اپنے ہونٹوں پر مچل رہی تھی۔

مگر میران ہاشمی کے لیے جان میران کا روپ دھارے سجی بنی اس کے لبوں سے ادا ہونے والے لفظوں جذبوں میں بے یقینی خیال گمان کے معنی تلاش کرتی ایسی نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی کہ جیسے وہ کچھ نہیں جانتی کسی نام کسی چاہ کے حوالے سے وہ میران کی شخصیت کو نہیں پہچانتی۔ (آہ یہ جان لینا بھی کتنا بڑا دکھ ہوتا ہے۔)

''رمنہ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' میران اس کی آنکھوں میں پھیلنے والی شام کی سرخیوں میں ڈھلے درد کو محسوس کر کے اس سے پوچھنے لگا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں دیکھئے کتنی تازگی ہے میرے چہرے پر اور کتنی چمک ہے میری آنکھوں میں۔'' کھلکھلا کر ہنستے ہوئے اس نے جھوٹ بولا۔

''ہمیشہ یونہی رہا کرو مجھے تمہارے چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ بھلی لگتی ہے۔'' اس کا ہاتھ مضبوطی سے دباتے ہوئے وہ پیار سے بولا۔

''چلو آئس کریم کھاتے ہیں۔'' ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے اشارہ کیا اور پھر وہ خواب آگیں ماحول میں

بیٹھے دیکھے ایک دوسرے کی طرف خاموشیوں میں بے جذبے اچھالتے آئس کریم کی ٹھنڈک اور مزے سے لطف لیتے لوٹ آئے۔

میران پر سرشاری طاری تھی وہ ''جب تم نہیں آئے تھے تب بھی تو تم آئے تھے'' گنگنائے جارہا تھا اور وہ اس طرح اچانک مل جانے والی اس محبت پر حیران و گم صم تھی بے دم سی اس کی دسترس میں تھی کسی معمول کی طرح اس کی ہر خواہش پر خود کو وارے بیٹھی تھی اور پھر میران کی یہ سرشاری ایک ماہ تک یونہی رہی۔

اور پھر جب اسے اس کی محبتوں کی عادت ہونے لگی گماں یقین محسوس ہونے لگا تو یکدم میران کی آنکھوں میں دھوپ بھرگئی محبت کا جلتا دیا بجھ گیا وہ پھر سے برف کی چٹان بن گیا اس سے بے پروا اس کے سامنے رہنے لگا اس کی آواز پر چونک چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ جیسے وہ بالکل غیر متوقع اس کے سامنے بیٹھی ہو بظاہر وہ جاگ رہا تھا مگر اس کے دل کی نیند تھی کہ ٹوٹنے کی بجائے اور پکی ہوتی جاتی تھی۔

''کیا ہو گیا میر آپ کو آپ بدل گئے پھر۔'' وہ روہانسی ہو کر فریاد کرنے لگی تو وہ اسے یک ٹک دیکھتا چلا گیا اور پھر بنا بتائے ہمیشہ کی طرح غائب ہو گیا اس نے اسے ہر جگہ تلاش کیا اور پھر چپ چاپ گھر کی چار دیواری میں خود کو گم کر دیا انارکلی دیوار میں چن کر امر تھی اور وہ تو وقت کی دیوار میں زندہ چنی گئی تھی مگر پھر بھی بے نام تھی بے اثر تھی لوگ اسے دیکھ کر اس کی خوش قسمتی پر رشک کرتے تھے اور وہ ان کی مسرتوں بھری مسکراہٹ میں جانے کیا تلاشتی رہتی۔

اپنی محبت اپنا مان بھرم یا میران کی ذات کا کھوج کون جانے کہ اس پر کیا گزرتا تھا یوں جب میران اس سے بے پروا ہو کر بے رخی اپنا لیتا اسے سامنے دیکھتے ہوئے بھی اس کی نگاہیں کھوج کھوج پکارتیں اکشا کے نام میں جوگی بنی اس کے وجود سے ٹکراتی ہیں تو اس کا تن صحرا کی ریت بنا کیسے جلنے تپنے لگتا ہے۔

کون جانے کسے بتاتی وہ کہ میران اسے بے نام کر دینے کی ہر ممکن کوشش میں تھا کیا حق تھا اسے اس پل صراط پر چلتے رہنے کا اذن دینے کا وہ کسی ایک رویہ کسی ایک جذبے پر کیوں نہیں تھمتا تھا گماں تھے تو گماں رہتا یقین کیوں بن جاتا تھا اور یقین بن جاتا تھا تو گمان ہونے کا سفر کیوں اس میں مسافتیں جھیلنے کے لیے چلا تا تھا۔

''میران ایک جذبے پر ٹھہر جاؤ تاکہ میں مسرتوں سے اپنا دامن بھر لوں یا الم نصیبوں کی طرح صبر کا دامن تھامے خود سے سمجھوتہ کرلوں زندگی کو بتا دینے کا کوئی ایک گر تو ہو میرے پاس کوئی ایک وعدہ تو ہو خود سے میرا، جسے نبھانے کے لیے جان لڑا دوں گم ہو جاؤں مٹ جاؤں۔'' وہ سوچے گئی کہ اچانک میران کی آواز آئی۔

''رمنہ جلدی سے کھانا لاؤ یار اتنی بھوک لگی ہے مجھے!'' وہ آواز کی سمت دوڑتی ہوئی اس تک پہنچی پورے تین دن بعد دیکھ رہی تھی اسے، رنگت کتنی جل گئی تھی آنکھیں سرخ تھیں نیند پلکوں کے اندر داخل ہونے کے انتظار میں تھی۔

''یوں کیا دیکھ رہی ہو کھانا لاؤ یار بڑی بھوک لگی ہے کتنے دن ہو گئے تمہارے ہاتھ کا کھانا کھائے ہوئے مانو صدیاں گزر گئیں۔'' وہ پھر چہکا تو وہ بجلی کی سی تیزی سے کچن کی طرف دوڑی سب ملازم مصروف تھے مگر کسی سے کچھ کہے بنا میران کے لیے وہ خود ہی ٹرالی سجانے لگی۔

''واہ واہ! ہر ایک چیز مزے کی پکی ہے کس کس کی تعریف کروں دل چاہ رہا ہے تمہاری یہ لمبی لمبی اور پتلی پتلی آرٹسٹک انگلیاں بھی چبا جاؤں۔''

''کیوں آدم خور قبیلے میں رہ کر آئے ہیں یہ تین دن۔''

''میں سوؤں گا کتنے دن ہو گئے سوئے ہوئے پلیز شام تک ڈسٹرب مت کرنا۔'' وہ ہاتھ ہلاتا اس کی بات کو گول کر گیا تو وہ بھی برتن سمیٹتے ہوئے کام میں لگ گئی اور پھر شام کو حسب توقع وہ گھومنے پھرنے چلے گئے مگر پھر بھی زندگی اور میران کی کھوج یونہی اس کے ساتھ لگی رہی یہاں تک کہ عمیر اور عمر اس کی گود میں میران کی محبت کے ثبوت کے طور پر داخل ہو کر سب کچھ تہہ و بالا کرنے لگے۔

دونوں بیک وقت روتے بیک وقت فیڈر کے لیے چلاتے اسے پریشان کرتے وہ گھبرا جاتی تو میران بعض اوقات اس کی مدد کرنے لگتا مگر جب اس پر کھوج کا دورہ پڑتا تو وہ ان دونوں سے بھی بے پروا ہو جاتا مگر عمیر اور عمر اس کی طرح نہیں تھے۔ سو اپنا حق بزور طاقت حاصل کرتے چلنے پھرنے لگے تھے تو تلی زبان میں شکایتیں کرنے لگے تھے مزے مزے کی باتیں کرتے۔

''تم دونوں تو مجھے شکست دے کر رہو گے یار۔'' وہ کبھی کبھی دونوں کو گود میں بٹھا کر وارفتگی سے کہتا تو وہ بھی محبت کی مہریں اس کے رخسار اور پیشانی پر ثبت کرنے لگتے۔ وہ ان کی محبت پر کبھی ہنس پڑتا اور کبھی خاموش ہو جاتا۔

اور پھر وقت گزرتا رہا میران پہلے سے میچیورڈ ہو گیا تھا اور اس کی شخصیت ابھی تک اس کے لیے مدفن راز تھی جس کی تلاش سے گھبرا کر وہ کبھی کتابوں کے ڈھیر میں خود کو گم کر لیتی کبھی ناصر سے باتیں کرتی ثامن کی خیریت پوچھتی ہانی غالب کی زندگی کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتی۔

ناصر کے تفصیلی خط آتے وہ سب کے بارے میں بتاتا جاتا اور وہ ہزار کوشش پر بھی ایک خط کا بھی جواب نہ دے پاتی۔

''تم جیسی بے مروت سے یہی امید ہے رمنہ کی بچی دو سطروں کا ہی سہی خط تو لکھو۔'' کبھی کبھی ناصر کا لہجہ جھنجلا جاتا تو وہ بھی ہنس دیتی اس دن بھی بس بیٹھے بٹھائے ملازمہ سمیت کار لے کر نکل کھڑی ہوئی مختلف اسٹالز سے عمیر عمر اپنے لیے اور میران کے لیے چیزیں خریدتی وہ خود میں مگن تھی یا شاید مگن نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی کہ ہانی غالب بالکل غیر متوقع اس سے آ ٹکرایا۔

''کیسی ہو نٹی گرل۔'' وہ زوردار سلام جھاڑ کر اپنے پرانے لہجے میں پکارا۔

''ایک دم فرسٹ کلاس تم کیسے ہو؟''

''بالکل ٹھیک نظر نہیں آ رہا، یہ تمہارے بچے ہیں۔''

''یقیناً بقلم خود یہ میرے ہی بچے ہیں۔'' ہنسی خود بخود لہجے میں چلی آئی ہانی عمیر اور عمر کو پیار کرنے لگا۔

''سو فیصد تم پر گئے ہیں مگر ہونٹ میران پر گئے ہیں۔''

''ہوں اتنے دن بعد ملے ہو گھر نہیں چلو گے میرے۔'' اس نے آفر کی۔

''آج نہیں آج بہت مصروفیت ہے کل کسی وقت آؤں گا اچھا بائے بیٹا۔'' وہ باری باری دونوں کی پیشانیوں پر جھکا جیب سے سو، سو کے

نوٹ نکال کر دونوں کو تھمائے تو وہ بول پڑی۔

''اس کی کیا ضرورت ہے ہم کوئی غیر تو نہیں ہانی۔''

''ہمارے ہاں رسم ہے پہلی بار دلہن ہو یا نیا بے بی منہ دکھائی دینا ضروری ہے۔''

''اچھا۔'' وہ اچھا کہہ کر کاؤنٹر پر اپنی چیزوں کی پے منٹ میں مصروف ہو گئی ہانی داخلی دروازے سے باہر نکل گیا اور پھر حسب وعدہ دوسرے دن دوپہر کو کوٹھی آ پہنچا ملازم نے اسے ڈرائینگ روم میں بٹھایا اور پھر جب وہ تکلف سے تیار ہو کر ڈرائینگ روم میں داخل ہوئی تو وہ ہنس پڑا۔

''یعنی میک اپ کرنا آ گیا میم صاحب کو۔''

''کب کرنا نہیں آتا تھا۔'' وہ ہنسی۔

''کیسی گزر رہی ہے میران کے ساتھ۔''

''بہت اچھی تم سناؤ تمہاری کیسی گزر رہی ہے سنا ہے شادی کر لی تم نے ارے ہاں اس بات پر تو تم سے جھگڑا کرنا ہے مجھے یعنی، تم نے اپنی شادی میں مجھے نہیں بلایا اپنی رمنہ اعجاز کو!!!''

''افوہ ایک تو میں اس جاسوس سے تنگ ہوں جو ہر ایک بات تمہیں بتا دیتا ہے کوئی پرائیوسی ہی نہیں رہنے دیتا۔''

''یعنی تم اپنی شادی کو مجھ سے چھپانا چاہتے تھے آخر کیوں!!''

''تمہارے نیگ سے ڈر گیا تھا بھائی بڑی کڑکی کا زمانہ تھا بلکہ ہے اس لیے سوچا نہ تمہیں شادی کا بتاؤں گا نہ نیگ دینے پر پیسہ خرچ ہوگا ایک تو تم بہنوں کو بھائیوں کی شادی سے زیادہ اپنے نیگ کی رقم کی زیادہ فکر ہوتی ہے۔''

''میں تمہیں ایسی لگتی تھی۔''

''لگتی تھی کیا لگتی ہو بھئی۔'' وہ اسے چڑانے لگا۔

''ہانی کے بچے شروع کر دیں ناں دل جلانے والی باتیں۔''

''ظاہر ہے جس کے پاس جو ہوتا ہے وہ وہی کرتا ہے۔''

''یعنی تمہارے پاس جلی کٹی اور ٹریجڈک باتوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔''

''شاید ہاں۔'' وہ سگریٹ سلگانے لگا تو اسے شدید دھچکا پہنچا۔

''یہ تم نے اسموکنگ کب سے شروع کر دی۔'' اس نے اس کے ہاتھ سے سگریٹ چھین کر تپے تپے لہجے میں پوچھا۔

''عرصہ ہو گیا لاؤ یار میرا پیکٹ۔'' سگریٹ کے پیکٹ کے لیے اس نے ہاتھ پھیلا کر سرد لہجے میں پکارا تو اسے جھرجھری سی آ گئی۔

''تم ایسے لہجے میں کیوں بول رہے ہو کیا ہو گیا ہے تمہیں۔''

''دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' وہ تلخ لہجے میں کہتا پھر سے سگریٹ جلانے لگا اور پھر ڈرائینگ روم میں سگریٹ کے دھوئیں اور ہانی غالب کی

چپ کے سوا کچھ نہیں بچا وہ بھی ہانی غالب کے ہیولے کے اندر یونیورسٹی کے ہانی کی کھوج میں لگی رہی۔

''کیا ہوا کیا سوچنے لگیں۔'' قہقہہ مار کر سگریٹ ایش ٹرے میں بجھاتے ہوئے اس نے اسے پکارا۔

''سوچ رہی تھی کہ تم بہت بدل گئے ہو پہلی سی بات نہیں رہی تم میں۔''

''اچھا ناراض نہ ہو۔ میں تمہیں اتنا اچھا ماہیا سناتا ہوں۔''

''نہیں تم ماہیے سناتے کم رلاتے زیادہ ہو۔'' اس نے اس کی آواز میں روتی ہیر اور سسکی لیتی سسی کے آنسوؤں سے گھبرا کر کہا تو وہ ہنس پڑا۔

''اچھا چلو ایک غزل سنتا ہوں بڑی اچھی ہے۔'' آنکھیں موند کر وہ کچھ سوچنے لگا۔

ربط ٹوٹ جاتا ہے سلسلہ نہیں ملتا
مجھ کو دھیان گلیوں میں راستا نہیں ملتا
اس قطار روشن میں ایک کمی سی لگتی ہے
جس پہ نام تھا تیرا وہ دیا نہیں ملتا
میں دیے جلاتا ہوں طاق غم گساری میں
گو دیے جلانے کا کچھ صلا نہیں ملتا

''ہانی کیا کھویا تم نے جس کی کھوج ہے تمہیں۔'' وہ اس کے دکھ میں رو پڑی۔

''پالیا میں نے یہی دکھ بن گیا میرے لیے ہاں یہ ہی دکھ لگ گیا مجھے۔'' وہ زیر لب بڑبڑایا۔

''مجھے نہیں بتاؤ گے یہ دکھ اپنا ہم تو اچھے دوست ہیں نا۔'' اس نے اس کو چاروں طرف سے گھیرنے کی کوشش کی تو بدوقت تمام اس کے ہونٹ حرف جوڑنے اور لفظوں میں چھپی کہانی کہنے پر راضی ہوئے۔

''میں نے زندگی میں صرف اور صرف راویہ سے محبت کی ہے محبت نہیں چپ کا عشق کیا ہے میں سمجھتا تھا محبت اپنا آپ خود ظاہر کرتی ہے محبت خود اپنی دلیل ہوتی ہے اس لیے میں نے راویہ سے کی جانے والی محبت کو بھی مدفن راز رکھا میں اور راویہ بچپن سے ایک دوسرے کے بہت گہرے دوستوں میں سے تھے۔ ہم کزن نہیں ایک روح تھے میں اپنا ہر راز اسے بتاتا اور وہ ہر سکھ ہر دکھ مجھ سے کہتی یہاں تک کہ اس نے عبیر جمال کا نام اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش کے طور پر میرے سامنے لیا۔

مجھے تو اس کی خوشیوں پر خود کو مصلوب کر لینے کی عادت تھی سو اس کے راز کو سینے میں دفن کر کے میں نے اس کی خوشیوں کی جنگ لڑی اپنے ہاتھوں عبیر جمال کے حوالے کیا اسے، وہ اور عبیر بہت خوش تھے مسرور تھے مگر زندگی مسرتوں کا ہی تو نام نہیں اس لیے ان کی مسکراہٹوں کا چاند بھی بہت جلد گہنا گیا عبیر جمال کا نام لے لے کر چیختی رہی پھر صبر اس کے ہونٹوں پر اور آنکھوں میں جم گیا۔

زندگی کی جدوجہد میں اس نے پھر سے قدم رکھا اور میں پھر سے اچھے دوستوں کی طرح اس موقع پر اس کا ساتھ دینے اس کے قدم سے

قدم ملانے کا عہد نبھاتا اس کے ساتھ چلا مگر میرے اس عمل پر گھر باہر ہر طرف سے ایک شک کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔راویہ پر باتیں کسی گئیں طعنے دیے گئے تو میں نے سب کے منہ بند کرنے کے لیے راویہ سے شادی کی تجویز رکھ دی۔میرا مدعا خاندان بھر میں پسند نہیں کیا گیا۔

میرے اپنے گھر میں ہنگامہ شروع ہو گیا بہنوں نے رونا دھونا شروع کر دیا تو اماں نے اس بات پر زور دینا شروع کر دیا کہ راویہ ایک بیوہ ہے اس کا سایہ منحوس ہے وہ مجھے بھی کھا جائے گی مگر ان باتوں سے میرے پایہ استقلال میں کچھ فرق نہ پڑا یہاں تک کہ میں سب کو منا لینے میں کامیاب ہو گیا راویہ میری دلہن بن کر میرے گھر آ گئی تم جانتی ہو ناں محبت میں بندہ کیسا دیوانہ ہو جاتا ہے۔دل کا حال کہہ دینے کو کتنا بے قرار ہوتا ہے پالینے والے شخص کو پالینے کے بعد خوشی شیئر کرنے کے لیے کتنا بے کل ہوتا ہے!!''

''ہاں!ہاں میں جانتی ہوں اس سب اضطراب اور بے کلی کو۔''اس نے بھرائے لہجے میں کہہ کر پھر سے اس کے چہرے پر نگاہیں گاڑ دیں۔

''تو بس رمنہ اس دن میں نے اپنے ہر جذبہ شبان ہجر میں خود پر بیت جانے والی ایک ایک کیفیت اسے بتانے کے لیے لفظ جوڑے جملوں میں خوب صورتی اور سحر آفرینی کے بیل بوٹے لگائے راویہ کے سامنے محبت کے اظہار کے لیے اپنی تمام تر طاقت مجتمع کی مگر!مگر رمنہ.....''وہ کسی گہرے دکھ میں جیسے ڈوب گیا۔

''ہانی!کیا ہوا ہانی.....''بے قرار ہو کر اس نے اس کا شانہ ہلایا تو وہ بے وجہ ہنس پڑا۔

''مجھ جیسے سخت جان اتنی آسانی سے نہیں مرا کرتے۔''اس کی نگاہیں پھر کہیں گم ہو گئیں۔

''میں راویہ سے کہنا چاہتا تھا کہ میں اس کے عشق میں کیسا دیوانہ ہو گیا ہوں کہ اپنا آپ بھی بھلا بیٹھا ہوں میں کہنا چاہتا تھا کہ میرے دل کے معبد میں سچی محبت کی وہ پہلی اور آخری مورتی ہے مگر رمنہ ایسا کچھ بھی نہیں کہہ پایا میں،لفظ سب زخم بن گئے میرے تو راویہ سے کچھ بھی نہ کہہ پایا سوائے سنگی مجسمہ بنے اس حسن کی دیوی کو دیکھنے کے اس دن بہت روپ بھی تو آیا تھا اس پر رمنہ اس نے مجھے میری محبت کو سننے سے پہلے ہی رد کر دیا۔''یکدم ہی ہانی غالب کی آواز تیز ہو گئی۔

''وہ کہتی تھی اس کے دل میں عمیر جمال کے سوا کوئی دوسرا کبھی حکومت نہیں کر سکتا قانونی حق کے تحت وہ میرا ہر حق ادا کرنے پر راضی تھی مگر اپنی محبت اپنے دل پر میرا کوئی حصہ نکالنے پر تیار نہیں تھی وہ کہتی تھی۔

''یہ میری مجبوری ہے مجھے آپ سے شادی کرنی پڑی بیوہ عورت کا یہاں کوئی پرسان حال نہیں اکیلی عورت بھیڑیوں کے درمیان تنہا ہوتی ہے جس پر کبھی بھی کوئی بھی قابو پا سکتا ہے اس لیے ہانی میں نے آپ کے ساتھ کو قبول کیا شاید اس لیے بھی کہ میں اور آپ بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔''رمنہ وہ کہے جا رہی تھی اور میری محبت میری آنکھوں میں نمی بن کر پھیلتی جا رہی تھی میں نے لاکھ سوچا لاکھ خود کو ٹٹولا تب!تب بھی خود کو راویہ کے دل کے علاوہ حکومت کرنے پر راضی نہ کر پایا محبت تو دل کی ہوتی ہے عشق کی انتہا تو دل ہی ہے پھر جب راویہ میرا حق اپنے دل پر ماننے پر راضی نہ تھی تو میں اس کے خالی خولی وجود پر حکومت کر کے کیا کرتا۔''

''یعنی تم نے راویہ کو.....''اس نے خوف سے اس کی طرف دیکھا۔

''نہیں میں نے راویہ سے اپنے نام کا سائبان نہیں چھینا میں نے چھیننا تو کبھی سیکھا ہی نہیں یار سو اس لمحے بھی میں نے خود کو اپنے اس فلسفے میں پور پور بند بند جکڑا ہوا پایا۔ راویہ کو اپنے اور اپنے بچوں کے تحفظ کے لیے کسی نام کی ضرورت تھی سو میں اس کے نام کے ساتھ جڑا ایک تحفظ بن گیا میں کسی دعا کی طرح بے اثر ہو گیا تھا مگر پھر بھی راویہ کے لیے ہر محاذ پر جتا ہوا تھا۔

اس دن تم نظم سنا رہی تھیں ناں مگر تم نے وہ مکمل نہیں کی تھی محبت درد کی صورت بھی تو ہے۔''

گزر جاتے ہیں سارے قافلے جب دل کی بستی سے۔

فضا میں تیرتی ہے دیر تک

یہ گرد کی صورت

محبت درد کی صورت

ہانی غالب اپنی دریدہ دامنی کا قصہ کہتے کہتے یکدم نظم کے مصرعے پڑھنے لگا تو اس کا اندر باہر بے شمار طوفانوں کی زد میں آ گیا۔

کتنا دکھ تھا اس کی آواز میں تو یہ راز تھا ہانی غالب کا جس نے اسے پراسرار اور کھوجی بنا دیا تھا جس کے تلے دب کر اس کی شخصیت مٹ گئی تھی۔

''ہانی تم نے کبھی کہا کیوں نہیں راویہ سے!!''

''اس نے ہر در پہلی ملاقات پر ہی بند کر دیا تھا پھر تم ہی بتاؤ میں کیا کرتا کیا کہتا عمیر جمال مر گیا ہے مگر پھر بھی زندہ ہے اور میں زندہ ہوں مگر پھر بھی مر گیا ہوں بعض نام جانے کس انمٹ روشنائی سے لکھتا ہے وہ رب کہ چلے جانے مٹی میں رل جانے کے باوجود دل سے نہیں مٹتے عمیر جمال کی طرح یا پھر راویہ کی طرح جو میرے دل پر پہلی اور آخری محبت کی طرح آج بھی جگمگا رہا ہے۔

میں نے بہت کوشش کی تھی رمنہ، راویہ کے دل سے عمیر جمال کی محبت مٹانے کی مگر یقین کرو رمنہ میں آج تک اسکے دل کے دروازے پر سائل بنا ہاتھ پھیلائے کھڑا ہوں عمیر جمال راویہ کے بند بند میں براجمان دل کے گوشے گوشے میں موجود ہے اور میں معمولی سی جگہ پانے کو خود کو اس سے اچھا ثابت کرنے کی جنگ لڑ رہا ہوں۔

عمیر جمال ہماری محبت کا تھرڈ مین ہے ہماری محبت میں ڈائمو کی حیثیت رکھتا ہے میں اس سے زیادہ چاہنے والا خود کو ثابت کر کے یہ جنگ جیتنا چاہتا ہوں مگر رمنہ، محبت! محبت میرے دل میں گرد کی طرح درد کی چادر اوڑھے گھومتی اور روئے چلی جاتی ہے راویہ میری دسترس میں میرے پاس ہے مگر میں اس پر کوئی حق نہیں رکھتا جب بھی میں اس پر حق جتانے کی سوچتا ہوں تو دل ہٹ دھرمی دکھانے لگتا ہی زبان اس کی تعریف کرنے کی کوشش کرتی ہے تو رمنہ! راویہ میرے قدموں پر جھک جاتی ہے۔

''میں آپ کی عزت کرتی ہوں مگر میں آپ سے محبت میں سچی کھری نہیں رہ پاؤں گی میں آپ کی محبتوں کی امانت کی حفاظت سے نہیں رکھ پاؤں گی۔'' وہ میرے قدموں میں جھکی روئے چلے جاتی ہے تو رمنہ میں پھر خود سے جنگ کرنے لگتا ہوں اس کے دل کے اپنی طرف پھرنے کے انتظار میں، میں دیا بنا جلتا جاتا ہوں جانے کب ختم ہو گا یہ انتظار تم ہی کہو کیا کبھی ختم بھی ہو سکے گا میرا انتظار۔'' ہانی کی ساری توجہ اس کی طرف تھی اور وہ

سر جھکائے فرش کو تک رہی تھی۔

''او کے رمنہ میں اب چلوں گا۔'' وہ چند ساعتوں بعد صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا اور تیزی سے نکل بھی گیا۔

اور وہ سر جھکائے بیٹھی سوچ رہی تھی ہانی اور اس کی داستان میں سر مو فرق نہیں تھا وہ بھی تھرڈ مین کی محبت سے گھائل تھا تو وہ بھی اسی لا دوا مرض کا شکار تھی اس کے دل میں بھی زندگی انتظار کا دیا ہی جلتی تھی وہ عمیر جمال سے جنگ کر رہا تھا تو وہ بھی اکشا زبیر کے ہاتھوں شکست خوردہ تھی۔

ہم سب کو اپنی محبتوں کے لیے تھرڈ مین کی ضرورت ہوتی ہے محبت کو زندہ رکھنے کے لیے ہمیں رقیب گر بننا پڑتا ہے مگر بعض دفعہ ہر رقیب محبت کے دل میں زخم بن جاتا ہے مہمان سے میزبان بن جاتا ہے۔ تھرڈ مین محبت کے ڈائمو کو چلتا رکھنے کے لیے فعال اور اہم پرزے کی حیثیت رکھتا ہے مگر یہاں تو زندگی خود سوال بن گئی تھی۔

''یہ راو یہ، اکشا کیوں دلوں کا روگ بن جاتی ہیں۔'' وہ کراہی۔

''اکشا پہلی محبت ہے میران کی تھرڈ مین تو تم ہو، تم نے اکشا کی محبت پر قبضہ کیا ہے اکشا نے تم سے تمہارا حق نہیں چھینا تم نے اکشا سے یاد آ جانے کا حق چھینا ہے اکشا میران کی پہلی محبت ہے تم دوسری ہو رقیب اکشا اور میران کے بیچ تم ہو ان کی محبت کے دل میں ٹیس دیتا زخم تم ہو اکشا کی محبت کی آنکھ میں لرزتا آنسو وہ آنسو جو رائیگاں ہے تم رائیگاں ہو ہاں رمنہ اعجاز تم۔ تم۔ تم!!''

یکلخت اس کی حمایت کرتے دل نے اس سے آنکھیں پھیر لیں تو وہ گھبرا گئی دم گھٹنے لگا تو وہ تیزی سے دوڑتی ہوئی بالکنی میں آ گئی گہرے گہرے سانس لینے سے بوجھ کچھ کچھ ہلکا ہوا تو وہ کمرہ بند کر کے لیٹ گئی۔

''کیا ہوا طبیعت تو ٹھیک ہے رمنہ۔'' میران نے محبت آگیں لہجہ میں اسے پکارا تو وہ کسی بے سائبان گم کردہ راہی کی طرح ان کے دامن سے لپٹ گئی۔

''مجھے اپنے آپ سے کبھی مت جدا کیجیے گا محبت نہ بھی دیں تب بھی مجھے خود سے دور مت کیجیے گا میں آپ کی محبت کے بنا جی لوں گی مگر آپ کے وجود کے بغیر آپ کے نام کے بغیر میں ایک لمحہ نہیں جی پاؤں گی ایک لمحہ۔''

''رمنہ کون کمبخت تمہیں اپنے آپ سے جدا کر رہا ہے کیا ہو گیا ہے تمہیں کس نے کہہ دیا کہ مجھے تم سے محبت نہیں۔'' وہ گھبرایا سا دوستانہ لہجے میں اس سے پوچھ رہا تھا اور وہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی وحشت کا دورہ ختم ہو چکا تھا سو اپنا رویہ اپنے لفظوں پر شرمندگی ہو رہی تھی اسے۔

''آئی ایم ساری شاید میں ہوش میں نہیں رہی تھی۔'' اس نے خود کو سنبھالا میران ہنس پڑے۔

''جاؤ اچھی سی گرم گرم چائے لاؤ۔'' وہ بوٹ کے تسمے کھولنے جھکا۔ وہ فٹافٹ چائے کا پانی رکھنے کچن کی طرف دوڑی۔ چائے بسکٹ کیک سمیت وہ ٹرالی دھکیلتی اس کے پاس پہنچی کپ اور کیک کی پلیٹ اس کے سامنے کی۔

''یہ ہمارے نور چشم کہاں ہیں دونوں۔''

''سو رہے ہیں ابھی۔'' اس نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

''اتنا سونے کی عادت نہیں ڈالو انہیں جب اسکول میں داخل ہوں گے تو مشکل ہو گی۔''

''نہیں ابھی ایسی بھی کوئی بات نہیں ماشاءاللہ ذہین ہیں نرسری بکس تمام کی تمام حفظ ہو گئی ہیں انہیں نظمیں بھی فرفر یاد ہیں اور......''

''آئی پرائڈ آف یور منہ!!'' وہ چائے کا کپ ٹرالی پر رکھ کر اسکے قریب اٹھ آیا۔ وہ ہنس پڑی۔

''بہت دن ہو گئے آپ پر گمشدگی کا دورہ نہیں پڑا۔''

''تمہاری شخصیت اینٹی بائٹک بنتی جا رہی ہے شاید۔'' پہلی بار اس موضوع پر اس نے زبان کھولی ورنہ تو اس کا خیال تھا کہ وہ ہمیشہ کی طرح اس معاملے کو گول کر جائے گا۔

''اوکے میں لائبریری میں ہوں بہت دن ہو گئے کوئی کتاب نہیں پڑھی۔''

''ٹھیک ہے آپ جائیے میں بھی شام کے کھانے کی تیاری کر لوں۔''

کھانا تیار کر کے پتیلی کے نیچے دھیمی آنچ کی اور ایک ملازم سے کہہ کر میران کے لیے چائے کا تھرموس اور ایک کپ لے کر اس کی لائبریری کی طرف بڑھ گئی اس کے مطالعے کے وقت وہ ہمیشہ یونہی کرتی تھی۔

وہ تھرماس میز پر رکھ کر ادھر ادھر میران کو ڈھونڈنے لگی میران کچھ دیر پہلے لائبریری میں آیا تھا اس کا گواہ تھا کمرہ مگر آ کر وہ کہیں بہت بدحواسی میں گیا تھا بھی رائٹنگ ٹیبل پر گرے ڈائری دھری تھی پن بیچ میں رکھا تھا جیسے کچھ لکھتے لکھتے اس نے کوئی اطلاع پائی تھی اور سوچے سمجھے بغیر ڈائری میز پر ہی چھوڑ کر چلا گیا۔

گرے ڈائری اس کے لیے ہمیشہ سے اسرار رکھتی تھی مگر میران نے کبھی یہ ڈائری اسے پڑھنے نہیں دی تھی تجسس ہو رہا تھا اخلاقیات منع کر رہی تھی مگر دل اس مدفن راز بنی ڈائری کو کھول کر پڑھنے پر اکسا رہا تھا اکشا اگر میران کی محبت تھی تو ان میں جدائی کی لکیر کیوں کھینچی جیسے سوال کا حل ڈھونڈنے کے لیے جستجو کر رہا تھا کچھ لمحے اور بیتے کھڑے کھڑے وہ کچھ دیر تک اپنے آپ سے لڑتی رہی مگر پھر اچانک ہی اس جنگ میں اس کا دماغ ہار کیا دل فاتح بن گیا ڈائری اٹھائے وہ اپنے بیڈروم میں آ گئی پہلے ہی صفحے پر اکشا کا نام تحریر تھا۔

''میرے سفر کی شریک میری محبت اکشا کے نام وہ سب کچھ جو میرے دل میں ہے اور وہ سب کچھ جو میں نے زندگی اور اپنے ہمسفر کے لیے سوچا یا سوچوں گا۔'' انتساب پڑھ کر اس کے لب سسک پڑے اور آنکھیں آگے پڑھنے لگیں۔

''اکشا میری محبتوں کی امین ہے میں اسے بے طرح چاہتا ہوں میں اس کے بغیر ایک پل نہیں جی سکتا مگر جانے آج کل اس پر سرد مہری کیوں سوار ہے وہ میری ہر خواہش ہر پکار پر مجھے چونک کر دیکھتی ہے۔ میں نے اسے دوست ہمدم اور بیوی سمجھا ہے مگر اکشا بیوی کے علاوہ ہر رشتہ میرے ساتھ رکھنا چاہتی ہے مگر میں کوئی کھلونا نہیں انسان ہوں میں اس کی محبت میں دنیا بھلا سکتا ہوں مگر اپنا مسلک نہیں چھوڑ سکتا۔'' دو تین صفحے خالی تھے پھر لکھا تھا۔ ''اکشا ناراض ہو کر چلی گئی مجھے اس بات کا گمان پہلے سے تھا مگر پھر بھی ایک خوش فہمی سی تھی کہ محبت میں، میں نہیں ہار سکتا میں یعنی میران ہاشمی کبھی محبت میں شکست نہیں کھا سکتا مگر سوچی ہوئی تمام باتیں دنیا میں ہوئی کب ہیں جو میری خوش فہمی یقین نہیں بنتی۔

اکشا کی ناراضگی اس بات پر بھی ہے کہ وہ میری کسی اولاد کی ماں نہیں بننا چاہتی کہتی ہے عورت بچوں کے بعد فضول ہو جاتی ہے فنفس اور شگفتگی ختم ہو جاتی ہے۔ مجھے تو بچے شروع سے بہت بھلے لگتے ہیں میرا تو خیال ہے اکشا ممتا کے روپ میں اس سے بھی زیادہ پیاری لگے گی مجھے، جتنی اب دکھتی ہے مگر اسے کون یہ سمجھائے۔

سب اعتبار مان کچے گھروندے ثابت ہوئے اور آنے والی رتوں کے سب سپنے تتلی کے کچے رنگ ثابت ہوئے اکشا نے مجھ سے طلاق مانگی ہے میں خلجان میں مبتلا ہوں شرمیلا میری وجہ سے بہت پریشان ہے اور میں! میں خود اپنی طرف سے پریشان اور خود اپنے لیے پرابلم ہو گیا ہوں کہیں دل نہیں لگتا کسی کام کو دل نہیں کرتا عورت پر سے اعتماد اٹھ گیا ہے میرا، سوچتا ہوں اتنے ڈھیر سارے دل دکھانے کی کچھ تو سزا ملنی چاہیے مجھے۔

آج اکشا کے حق میں، میں نے فیصلہ دیدیا اکشا چلی گئی شرمیلا میرے بکھرنے پر حواس باختہ اور میں اس کے زرد چہرے کو دیکھ کر پریشان ہوں سو مجھے اس کے لیے بہت جلد خود کو سنبھالنا ہے۔

آج میں نے پہلی بار دل لگا کر بزنس ڈیل کیا شرمیلا میرا ہر لمحہ خیال رکھتی ہے میں ظاہری طور پر ٹھیک ہوں مگر اندرونی ٹوٹ پھوٹ کے اثرات اب تک پورے وجود پر چھائے ہیں یہ اکشا کیا تھی اس نے تو مجھے مجھ سے چھین کر قلاش کر دیا ہے کچھ نہیں رہا میرے پاس کچھ بھی تو نہیں۔!!

شرمیلا آج کل میرے مٹی میں رل جانے سے خوفزدہ ہے کہتی ہے ایک میں ہی تو اس دنیا میں اس کا ہوں اگر مجھے کچھ ہو گیا تو کیسے جیے گی وہ شرمیلا بڑی حساس بچی ہے اس لیے میں اپنے آپ کو سنبھال رہا ہوں۔

آج کل شرمیلا پر پھر سے میری شادی کا بھوت سوار ہے کہتی ہے ڈھائی سال ہو گئے اب مجھے گھر پھر سے آباد کر لینا چاہیے یعنی ایک اور حادثے کے لیے خود کو تیار کر لینا چاہیے۔

اور میں اب شرمیلا کے فیصلے پر خود کو تیار کر رہا ہوں وہ اپنے لیے کوئی اچھی سی بھابی تلاش کرنے کے لیے دن بھر اپنی دوستوں کے ہاں چھان پھٹک کرتی پھرتی ہے اور میں سوچتا ہوں ڈرتا ہوں اپنی قسمت سے۔

سوچتا ہوں جانے یہ شرمیلا کسے منتخب کرے میرے لیے پھر دل میں خیال آتا ہے اپنی پسند پر گھر بسا کر دیکھ لیا اب شرمیلا کی پسند پر بھی اعتماد کر کے دیکھ لینا چاہیے سنتے ہیں بہنیں بھائیوں پر سب کچھ وار دینے پر قادر ہوتی ہیں۔

شرمیلا نے رمنہ کی تصویر دکھائی ہے کہتی تھی آپ کی یونیورسٹی فیلو ہے اور پاپا کے دوست کی بیٹی بھی آپ تو جانتے ہوں گے انہیں میں کیا کہتا کہ رمنہ اعجاز کو تو میں نے سب سے زیادہ جاننے کی کوشش کی تھی جسٹ فار انجوائمنٹ قسم کی محبت کا جال بھی پھینکنا چاہا تھا مگر وہ میری باتوں میں کبھی نہیں آئی وہ مجھ سے متاثر تھی مجھے پسند کرتی تھی مگر اظہار کرنے کی کبھی اس نے جرات نہیں کی آہ یہ مشرقی لڑکیاں! بس اس لیے مجھے یہ رمنہ اعجاز بہت پسند تھی میں اسے جھکانا چاہتا تھا مگر نہ وہ جھکی نہ ٹوٹی تنی کھڑی رہی اور میں اکشا کے لیے اپنے دل کا معبد سجاتا رہا۔

اب سوچتا ہوں تو لگتا ہے شاید یہ رمنہ کی محبت سے فرار تھا لقب تو اس نے مجھ میں پہلے ہی دن لگالی تھی مگر میں جھکنے سے ڈرتا تھا میں جس کی وجاہت کی دہلیز پر کئی حسین مہ جبینوں نے سجدہ کیا میں ایک معمولی لڑکی کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے خوفزدہ تھا شاید اس لیے ہی میں نے تھرڈ مین ڈھونڈا

اکشا پر ڈھیروں ڈھیر محبتیں لٹا میں مگر پھر بھی محسوس کیا جیسے کچھ کمی تھی اور آج جو یہ شرمیلا مجھ سے پوچھ رہی ہے تو میں سوچتا ہوں اسے کیا جواب دوں۔

شرمیلا آخر کار جیت گئی رمنہ میرے گھر آ گئی میں نہیں سوچ سکتا میں کیا کروں کیا کہوں اگر حقیقت اس پر عیاں کروں تو وہ اسے منافقت سمجھے گی وہ سوچے گی میں اکشا کے بعد اس سے محبت کا ڈھونگ رچا رہا ہوں شاید وہ اس میں حق بجانب بھی ہے کہ عمر بھر محبتوں کا ڈرامہ اتنی مرتبہ رچا چکا ہوں کہ لفظ اپنا اعتبار کھو چکے ہیں اب۔

چند دنوں سے جانے مجھے کیا ہو گیا ہے رمنہ کو دیکھتا ہوں تو اکشا یاد آ جاتی ہے اور کبھی اکشا کو ملنے جاتا ہوں تو رمنہ بڑی شدت سے یاد آتی ہے۔(اس کا دم گھٹنے لگا یہ جملہ پڑھ کر) میرے لیے محبت ایک چوراہا بن گئی ہے جہاں سے کئی راستے نکلتے ہیں میرا دل کوئی ایک راہ نہیں چن پاتا کبھی رمنہ کی لگتی ہے تو کبھی اکشا کی اکشا آج بھی مجھ سے اچھے دوستوں کی طرح ملتی ہے ہم آج بھی گھنٹوں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔

مگر تمام وقت مجھے لگتا ہے جیسے رمنہ کی نگاہیں مجھے حصار کیے رہتی ہیں اکشا اس کی کیفیت پر بہت ہنستی ہے کہتی ہے مجھے بڑا مزا آتا ہے تمہاری اس کنڈیشن کو دیکھ کر یقیناً رمنہ کے سامنے میں تمہیں یاد آتی ہوں گی ہے ناں، میں کیا جواب دوں اکشا کو کہ وہ تو میرے لیے معمہ بن گئی ہے جو وہ مجھ سے چھن چکی ہے اب آہستہ آہستہ لوٹنا چاہتی ہے جانے کیوں۔

جانے میری زندگی کے لیے کون خواب بنا ہوا ہے اکشا یا رمنہ دونوں میرے ہمراہ ہیں مگر مجھے دونوں پر ہی بعض دفعہ بت کا گمان ہوتا ہے جیسے دونوں کا اندر من کہیں اور گم ہے اور وہ میری ہمسفر بنے رہنے کی جنگ لڑنے میں اپنا سب کچھ داؤ پر لگائے بیٹھی ہیں کبھی لگتا ہے اکشا مجھ سے جیت گئی ہے کبھی لگتا ہے رمنہ نے مجھے مجھ سے چرا لیا ہے۔

رمنہ بہت اچھی منتظمہ ہے میرے بچوں کی کیوٹ سی ماں ہے میرا اتنا خیال رکھتی ہے کہ اکشا بعض دفعہ مجھ سے گم ہو جاتی ہے مجھے پہلے ایک ہفتہ بعد اکشا کو ملنے دیکھنے کا جنون چڑھتا تھا مگر اب رمنہ کی بے شمار محبت میں مجھے اکشا کا خیال ہفتوں تو کیا مہینوں نہیں آتا مگر جب یہ گمان ہوتا ہے کہ میں اکشا کی حصار سے نکل گیا ہوں تب اچانک رمنہ کوئی ایسا کام ایسی ادا دکھا دیتی ہے کہ اکشا پھر سے دل میں لگن بن کر درد کرنے لگتی ہے میرے اندر سرد مہری در آتی ہے اور میں بے کل ہو کر اکشا سے ملنے نکل کھڑا ہوتا ہوں۔

اکشا...... آہ یہ اکشا اور رمنہ مجھے کہیں کا نہیں رکھیں گی اور میں خود! میں خود بھی تو دیوانہ ہوں جو خود سے ماضی سے ملنے جاتا ہوں اکشا چلی گئی تو مجھے بھول جانا چاہیے اسے مگر نہ وہ بھولنے دیتی ہے نہ مجھے خود کو یاد کرنے دیتی ہے نہ رمنہ سے مکمل محبت کرنے دیتی ہے اف یہ تھرڈ مین آخر محبت میں یہ لاینحل مسئلہ کیوں بن گیا ہے کسی ایک سے سارے خلوص اور وفا سے ملنے کیوں نہیں دیتا۔

پیشانی سجدہ ریز رمنہ کے لیے کرتا ہوں تو دل کے معبد میں اکشا صنم بن کر سجی ہوتی ہے اکشا کو صنم بنا کر پوجنے لگتا ہوں تو دیے کی طرح رمنہ جلنے لگی ہے۔ اے کاش میں اس گورکھ دھندے سے نکل کر صرف اور رمنہ کے لیے وقف ہو جاؤں کہ اس نے میرے لیے بڑے معرکے لڑے ہیں خود سے قسمت سے محبت سے اکشا سے!''

میران کی ڈائری آگے چپ تھی مگر اس کے اندر شور بڑھ گیا تھا۔ یہ تھرڈ مین محبت کے دل کا روگ ہے ایسا روگ جس کی دوا کرنے کو بھی دل

نہیں چاہتا ناسور ہے دل کا مگر اس کی دھیمی دھیمی آنچ اور ٹیسیں بے مزا بھی نہیں ہونے دیتیں میران، اکشا، وہ، ہانی، راویہ عمیر جمال یہ سب اس تھرڈ مین کے اثر میں قید تھے اور انہیں اس عذاب سے چھڑا کر ان کا سچا دل انہیں لوٹانے کے لیے کوئی محاذ پر نہیں تھا۔ وہ سب اس آنچ میں جل جل کر جانے کیا سے کیا ہو گئے تھے محبت تو چھوٹا لفظ ہے وہ تو شاید عشق کے روگی ہو گئے تھے۔

''ماما بھوک لگی ہے!'' عمر نے اس کے دوپٹے کا پلو کھینچ کر کہا تو وہ حال میں واپس آ گئی تیزی سے لائبریری میں جا کر ڈائری اپنی اصل حالت میں رکھی اور چائے کا تھرماس اور کپ لے کر واپس کچن میں لوٹ آئی مبادا میران کو شک نہ ہو سکے کہ وہ لائبریری میں اس کے بعد داخل ہوئی تھی۔

سو ہر قسم کی موجودگی کے نشانات ضائع کر کے وہ کچن میں لوٹ آئی اور پھر دونوں کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلا کر انہیں خدا حافظ کہہ کر وہ اپنے بیڈروم میں لوٹی تو میران کو کمرے میں پہلے سے موجود پایا ملال ہی ملال تھا اس کے چہرے پر اور نمی سے آنکھیں بھیگی بھیگی لگتی تھیں۔

ہو جائے گا کچھ اور ہرا زخم نظر کا
اچھا ہے نہ پوچھو ابھی احوال سفر کا

میران کی آنکھیں اسے تنبیہہ کر رہی تھیں اس لیے وہ نظر بچا کر اس کے لیے چائے لینے چلی گئی مگر ابھی چائے کا پانی چولہے پر رکھا ہی تھا کہ میران کے مضبوط بازو اس کے کاندھوں پر جم کر رہ گئے۔

''چلو رمنہ آج کہیں باہر گھومنے چلیں آسمانی ساڑھی پہنو آسمانی رنگ میں تم خود بھی آسمان بن جاتی ہو میرے دل میں بکھرا آسمان یا میری آنکھوں میں چمکتا چاند تم تو چاند ہو۔ میری حیات کا ہالہ ہو'' یقین دلاتا میران اسے خود سے بہت دور لگنے لگا تو یہ سب اکشا کے لیے کر رہے ہیں وہ اکشا ان کے دل میں اب بھی چاند کی چمک بن کر قابض ہے آسمانی ساڑھی اسے پسند تھی مگر آج اسے اس رنگ سے وحشت ہو رہی تھی وہ اس سے اکشا کی محبتیں نبھا رہا تھا۔

زبردستی اس نے کچن سے نکال کر اسے بیڈروم کی طرف دھکیلا تو حکم حاکم پر سر جھکائے وہ سجنے سنورنے لگی اور پھر سلور سینڈ میں ڈنر کے بعد وہ بیچ پر پہنچ گئے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ریت پر اپنے قدموں کے نشان بنتے بگڑتے دیکھتے ہوئے وہ چلتے گئے چلتے گئے میران پر ایک بھید بھری چپ سوار تھی وہ خاموش تھا پر اس کی آنکھیں بولتی تھیں۔

''آئی لو یو سوچ۔'' چلتے چلتے یکدم رم کر اس نے وحشت سے اسے پکار کر اپنے دل کا سچ اس کی سماعت میں انڈیلا وہ گم صم سی حیران سی اسے دیکھنے لگی۔

''تو میں اب تک ان کے دل کے دروازے پر کھڑی ہوں۔'' اس نے سوچا اور آنکھیں خود بخود دھندلی ہو گئیں۔

''کیا ہے ایسا اکشا میں جو مجھ میں نہیں ہے بولیے کیا صرف وہ محبت کے قابل ہے مجھ میں کیا کمی ہے جو آپ نے آج پھر مجھے رد کر دیا کہیے کیوں کیا آپ نے ایسا۔'' اس پر وحشت سوار ہو گئی وہ چلانے لگی تو اس نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے بھینچ لیا۔

''رمنہ یہ اقرار صرف تمہارے لیے تھا یقین کرو یہ لفظ صرف تمہارے لیے کہے تھے میں نے۔'' اپنے بالوں میں انگلیاں الجھائے بکھرائے

لہجے میں وہ کہے جا رہا تھا اور اکشا میران کی پشت پر کھڑی بے بسی اور غصے سے اسے گھور رہی تھی خفا تھی۔

''محبت میرا بھی حق ہے میں نے تم سے زیادہ چاہا ہے میران کو۔'' وہ اکشا سے مخاطب ہوئی اعتماد سے میران کا ہاتھ تھام کر واپس لوٹ آئی دل میں قرار تھا مگر میران بے قرار تھا بہت پریشان تھا سگریٹ پر سگریٹ پھونکتا وہ خود دھواں بن کر فضا میں گردش کر رہا تھا۔

''میر کیا ہوا؟'' اس نے بالآخر پوچھا تو نم آنکھیں اس نے اس پر جما دیں۔

''نہیں! کچھ نہیں تم سو جاؤ آج مجھے کام ہے، بہت۔'' وہ آہستگی سے کہتا لائبریری کی طرف چلا گیا۔ تو وہ خود سے الجھنے لگی الجھتے الجھتے صبح ہو گئی میران ہاشمی آفس چلا گیا وہ اپنے کمرے کی صفائی میں لگ گئی۔ فارغ ہو کر نہا دھو کر اپنے بال دھوپ میں سلجھا رہی تھی کہ ایک ملازم فون لیے اس کے پاس چلا آیا۔

''آپ کا فون میڈم۔''

''ہیلو جی میں رمنہ میران بول رہی ہوں آپ کون؟''

''اکشا ہیر۔'' مدھم سی آواز آئی دل چاہا ریسیور رکھ دے مگر وہ ایسا نہ کر سکی۔

''تم سے ملنا چاہتی ہوں کیا تم میو ہاسپٹل آ سکتی ہو۔''

''تمہارے لیے آ جاؤں گی بتاؤ روم نمبر بیڈ نمبر۔'' اکشا کے جواب میں وہ نمبر نوٹ کرتی رہی۔

''تم ابھی آ جاؤ پلیز جلدی۔'' اکشا نے التجا کی تو اس کا دل تھرڈ مین کے روگ میں پگھلنے لگا۔

''اچھا آتی ہوں ابھی آتی ہوں۔'' فون رکھ کر بالوں میں جلدی جلدی بل ڈال کر وہ اس کے بتائے پتے پر پہنچ گئی بڑا سا صاف ستھرا کمرا تھا اکشا بستر پر پڑی تھی۔ آنکھوں میں انتظار تھا تو ہونٹوں پر دل کی کوئی گہری بات۔

''کیسی ہو تم؟'' اس نے پھولوں کا گلدستہ اس کے ہاتھوں میں دے کر اپنی طرف سے بڑے سبھاؤ محبت سے پوچھا مگر اکشا اس کے لہجے پر سسکنے لگی۔

''اس طرح مت بولو کہ اجنبی لگنے لگو تم ہم آشنا ہیں میں تمہیں اس وقت سے جانتی ہوں جب میران بھی تمہیں محبت کے طور پر نہیں جانتے تھے اور تم! تم تو مجھے محبت میں روگ کی طرح ایک عرصہ سے جانتی ہو نہ ہم اچھے آشنا ہوئے نہ پیاس، پانی، سانس اور آکسیجن کی طرح رمنہ۔'' وہ کچھ کہتے کہتے لمبا سانس کھینچنے لگی تو اس کی آنکھیں دھندلا گئی۔

''میں میران کی شدید محبتوں سے جھنجلا گئی تھی میں چاہتی تھی کہ میران کسی نہ کسی بات پر مجھ سے جھگڑا کریں۔ مجھ سے لڑیں ہاں رمنہ یہ سچ ہے کہ میں میران سے جدا نہیں ہونا چاہتی تھی مگر پھر بھی بچھڑ گئی شاید اس لیے کہ مجھے لگتا تھا میں میران کی بصارت سے ان کی توجہ کا خراج نہیں لے پاتی، مجھے یوں سمجھو میران مجھے سراہتے تھے مگر درحقیقت ان کی نگاہ کسی اور کو داد دے رہی ہوتی تھی عکس ان آنکھوں میں میرا ہوتا تھا مگر تعبیر کسی اور کے چہرے کی تڑپتی تھی۔

میران کی مدفن راز کی طرح بنی ذات نے مجھ سے میری شخصیت چھین لی ہاں رمنہ میں ایک بہت محبت کرنے والی لڑکی تھی مگر میران کی شدید تمنا شدید توجہ نے مجھے کہیں کا نہ رہنے دیا مجھے غصہ آتا تھا جب وہ میری خوبصورتی کی تعریف کرتے تھے تو مجھے لگتا تھا جیسے وہ مجھے جھٹلا کر کسی اور کو سچ مان رہے ہیں۔خدشے مجھے چین نہ لینے دیتے۔میں آوارہ گردیاں کرتی کلب جوائن کرتی بوائے فرینڈ بناتی رسوائیاں سمیٹتی اور جب میران کہتے۔

''آئی ہیٹ یو۔'' تو مجھ پر قرار آ جاتا مجھے لگتا انہوں نے آج مجھے ماننے کے لیے مجھ میں موجود دوسری ذات کی نفی کی ہے۔میں ان کو پانے میں خود کو کھوتی رہی اور جب میران نے اولاد پانے کی تمنا کی تو مجھ میں جھنجلاہٹ جڑ پکڑ گئی میں شدت پسند تھی میں صرف میران کو تنہا چاہتا چاہتی تھی میران اور اپنے بیچ کسی اور کی ذات برداشت نہیں کر سکتی تھی میں برداشت کر کر کے تھک گئی تھی تھرڈ مین کا روگ میرا سارا صبر چوس چکا تھا اس لیے میران کی اس خواہش کے خلاف میں ڈٹ گئی میں چاہتی تھی میران میرے دل کا راز پالیں مگر وہ میرے دل کی خاموش تمنا کو نہ سمجھ سکے اور یوں ایک فیصلہ پر ہم جدا ہو گئے میران حیران و پریشان تھے تو یقین کرو رمنہ وہ پریشانی میری نہیں وہ پریشانی اس ذات کے کھو جانے کی تھی جو مجھ میں زندہ کر رکھی تھی انہوں نے، میں ان سے بچھڑی تو مجھے لگا میں ان کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوں ہم ایک عرصے تک ایک دوسرے سے بے خبر رہے۔

پھر میران مجھ سے اچھے دوستوں کی طرح ملنے کے لیے آنے لگے پتا چلا انہوں نے شادی کر لی ہے مجھے اس سے غرض نہیں تھی مگر اس جنون میں مجھے فائدہ ہوا کہ میران چند گھنٹوں چند لمحوں کے لیے مکمل میری دسترس میں ہوتے تھے میں ان کی موجودگی سے خوش رہنے لگی مگر مجھ میں محبت روگ بن گئی تھی تم روگ بن گئی تھیں میرے لیے نارسائی کا رستا زخم بن گئی تھیں۔'' یکدم وہ چلا پڑی۔

''(میرا کہتے تھے وہ اکشا سے بے انتہا محبت کرتے ہیں اور اکشا کہتی ہے میں اس کے دل کا روگ بن گئی تھی کیسے کیوں کب میں نہیں جان پا رہی کہ آخر یہ گورکھ دھندا کیا ہے یہ میران کی شخصیت کا کیا اسرار ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو دل کا روگ گردان رہے ہیں مگر کوئی بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ محبت کے آسمان پر چمکتا ستارا ہے۔)''

''میں تمہارے دل کا روگ ہوں یہ تم کیسے کہہ رہی ہو۔''

''میران کی پرنسل الماری تمہاری تصویروں سے بھری ہے وہ آئے دن تمہاری تصویر کو مختلف انداز میں پورٹریٹ کرتے رہتے تھے اکثر مجھ سے بات کرتے کرتے بے مہر اور بے حس ہو جاتے تھے اور پھر ہفتوں ان کی صورت نظر نہیں آتی مگر جب بھی وہ اس گمشدگی کے بعد لوٹتے تھے تو پہلے ہی زیادہ فریش اور عشق کے جادو میں جکڑے ہوتے تھے۔

میں یہ راز نہ جان پاتی مگر ایک بار چھپ کر تعاقب کیا تھا ان کا خاموشی سے، وارفتگی دیکھی تھی ان کی اور جانا تھا کہ مجھ میں وہ جس سے محبت کرتے ہیں وہ کوئی اور نہیں تم ہو عکس میرا تھا تو تعبیر تم تھیں۔

آہ یہ تھرڈ مین محبت کا روگ ہوتا ہے سو مجھ کو بھی آئیوی کی طرح اپنے حصار میں لے بیٹھا ہے۔''

''کون جانے محبت میں تھرڈ مین کون تھا میں تم یا میران کون سمجھے اس راز کو۔'' اس نے نم نم آنکھوں سے سوچا اکشا کی طرف دیکھا اور بے ساختہ اس پر جھک گئی۔

''جو ہوا نہ تمہارا قصور ہے اس میں نہ میرا، نہ میران کا بس قصور ہے تو اس محبت کا اس روگ کا جس نے ہمیشہ برباد کیا ہے دلوں میں سیندھ لگا کر ہمیشہ آخری کونے تک خالی کر لیا ہے چور دروازے سے یہ تھرڈ مین نارسائی کے دکھ سے بھی گہرا زخم ہے دل کا مگر اس کے بنا جینا بھی تو محال ہے۔'' وہ خدا حافظ کہہ کر باہر گاڑی میں آ بیٹھی کتنے لمحے تک اسے کچھ نہ سوجھا پھر خود کو سنبھالتی کار واپسی کے راستے پر ڈال دی۔

''تو یہ تھرڈ مین کینسر بن گیا تھا اکشا کے وجود میں اس لیے بے قرار تھا میران کل۔ اس لیے فضا میں بھید بھری چپ کی طرح بکھرے ہوئے تھے اس لیے یقین دلا رہے تھے وہ اپنی محبت کا مجھے کہ وہ جان گئے تھے کہ اکشا مٹی میں رلنے کے قریب ہے تو میران کی محبت صرف اتنی ہی ہے مٹھی بھر خاک اور محبت کا بکھرا راگ کیا اتنی ہی جلدی دیوانگی ڈھلتی ہے مرد کی۔''

''وہ مجھ میں تمہیں چاہتے تھی پھر بھلا میرے مٹی میں رلنے یا دیوانگی کے ڈھلنے کا کیا سوال ان کی نگاہ کا مرکز تم تھیں سو تم انہیں مل گئیں۔''

اکشا اس کی سوچ کے بعد اس کے دل میں پکارنے لگی مگر وہ سر ہلاتی رہی اگر ان کا مرکز میں تھی تو پھر ان پر یہ بے مہری کا دورہ کیوں پڑتا ہے کیوں وہ گم ہو جاتے ہیں کہاں گم ہو جاتے ہیں کہیں ایک الماری میں اکشا کی تصویروں کا بھی صنم خانہ بنا رکھا ہو۔ نہ جانے کیا کچھ سوچتی ہوئی گھر واپس آ گئی زندگی پھر اسی طرز سے گزرنے لگی میران کے پہلے ہی سے صبح و شام تھے۔

مرد کی محبت میں کتنی وحشت ہوتی ہے یہ چاہیں تو بھی مار دیتے ہیں اور نہ چاہیں تب بھی اپنی بے رخی کے سم سے قتل کر دیتے ہیں مرد کی محبت تو قربان گاہ ہوتی ہے جہاں ہر وقت کوئی نہ کوئی اکشا یا رمنہ پابند سلاسل ہو کر قید کاٹتی رہتی ہیں یا سولی پر لٹکی اپنے وجود سے محبت کیے جانے کا قرض بلکہ مرد کے احساس کا قرض عمر بھر اتارتی رہتی ہیں سو اس محبت تلے ایک دن اکشا بھی قرض چکاتے چکاتے تھک گئی زندگی سے روٹھ گئی۔

جس دن اکشا مری اس دن میران سارا دن کمرے سے باہر نہ نکلا اور وہ خود کو مصروف ظاہر کرتی رہی۔ (بے بسی کے ساتھ کہ اس کے علاوہ وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔) دل اندر ہی اندر سسکتا رہا۔

اکشا کے مرنے کے بعد ایک ہی موسم آ کر ٹھہر گیا تھا وہ خود خزاں بن گیا اور اسے اس نے مجسم انتظار کر دیا رگ رگ میں انتظار دیا بن کر جلتا گیا اور زندگی کی اکثر شامیں یونہی بے مصرف گزرنے لگیں ایسی بے مصرف شاموں میں وہ عمر عمیر کو لے کر اماں بابا کے ہاں چلی جاتی یا ناصر کو فون کرنے لگتی۔

''بڑے جتن کی ضرورت ہے بہت سج سج کر قدم رکھنا اب تمہیں پہلے سے زیادہ احتیاط کرنی پڑے گی۔ انتظار کرو اس وقت کا جب وہ اکشا کے حصار سے نکل کر صرف اور صرف تمہارا ہو جائے۔'' ناصر کہتا اسے تسلی دیتا تو وہ گھنٹوں سوچتی رہتی۔

''وہ تنہا میرا کبھی نہیں ہو سکتا اس کے مزاج کی خاصیت یہی ہے ناصر ایسے لوگ نہ تنہا خود اپنے ایسے ہوتے ہیں اور نہ کسی اور کی محبت ان کو متاثر کرتی ہے اور وہ خود کو زیادہ سے زیادہ اچھا ثابت کرنے کے لیے سب کچھ داؤ پر لگا دیتے ہیں یہ سمندر ہوتے ہیں ان کو جگانے کے لیے تھرڈ مین کی ضرورت ہوتی ہے۔

انہیں تو اپنے آپ سے محبت کرنے کے لیے بھی کسی اور نام کی تحریک درکار ہوتی ہے جو انہیں خود سے محبت کرنے پر اکساتی رہے جوان

میں بوریت کی گرد کو جھاڑنے کے لیے ہر لمحہ برسرِ پیکار رہے بالکل میران کی طرح انہیں بھی مجھ سے محبت کے لیے اسی تھرڈ مین کی ضرورت ہے ایک اکشا کی ضرورت ہے اب جب کہ اکشا مر چکی ہے تو مجھے اب میران کی محبت کا خواب بھی بھول جانا چاہیے۔

اب تو صرف عمر اور عمیر کی زنجیر اور بندھن ہے جو مجھے جینے کے لیے اکساتا رہتا ہے ورنہ رمنہ کیا ہے صرف ایک دیا جسے زندگی کے طاق پر جلا کر بھلا دیا گیا ہے ناصر.....'' وہ ناصر سے الجھتی زندگی بتائے جا رہی تھی اب تو بالوں میں ہلکی ہلکی سفیدی بکھر گئی تھی عمر اور عمیر بھی تو بڑے ہو گئے تھے۔

''واہ کتنی اچھی لگ رہی ہو تم۔'' وہ ہنسا تو وہ یک ٹک اسے دیکھتی چلی گئی کچھ بھی تو نہ بدلا تھا۔ میران میں وہی چوڑی پیشانی وہی تسخیر کر لینے والی آنکھیں اور خواب نگر لے جانے والی آواز سب کچھ ویسا تھا ہاں بس کچھ کنپٹیوں کے بال سفید ہو گئے تھے۔ مگر یہی اس کے حسن میں اضافہ بھی کر رہے تھے۔

آج بہت دنوں بعد وہ اسے باہر لے کر نکلا تھا سارے راستے ہر موضوع پر بحث کرتے کرتے وہ اچانک خاموش ہو گئی۔

''کیا ہوا رمنہ چپ کیوں ہو گئیں؟'' اس کی طرف جھک کر پوچھنے لگا تو وہ بے سبب ہی رو نکھی ہو گئی آنکھ میں بے شمار آنسو جانے کیسے بھر آئے......

''رمنہ آئی لو یو'' اس نے اس کی آنکھوں سے بے خبر اسے خود سے قریب کر کے محبت سے کہا تو اس کے بے قرار آنسو ہر بندش توڑ کر آنکھوں سے رواں ہو گئے۔

''جبران کہتا ہے جو محبت روز نہیں امنڈتی وہ ہر روز مرتی ہے۔'' اس لیے رمنہ اب میں اور زندگی کو موت اور محبت فنا کے حوالے نہیں کروں گا اب ہم دونوں جئیں گے تم نے بہت ریاضت بہت عبادت کر لی اور میں نے! میں نے بہت خود کو پتھر کا صنم بنا کر تم سے پوجا کروائی اب آج سے تمہارا انتظار ختم ہوا اب ہم نہ ماضی کی طرف دیکھیں گی نہ مستقبل کی طرف۔''

''اور اکشا...... وہ کیا کرے گی جس نے اپنی زندگی آپ کی محبت حاصل کرنے میں وار دی اور صرف آپ کی محبت پانے کی کوشش کرتی رہی اور جب ناامید ہو گئی تو آپ نے اس پر اتنی عنایتیں کیں کہ وہ آپ کی توجہ سے مر گئی آپ کو محبت کرنی ہی نہیں آئی میران۔

آپ اپنی محبت کو خود ہی نہ سمجھ سکے اور نہ سمجھ سکتے ہیں آپ صرف ایک بار سچے دل سے اکشا سے محبت کا اظہار کر دیتے۔ اسے یقین و گماں سے نکال کر یقین بخش دیتے تو خوشی کے پھول زرد گلاب بنے اس کی قبر کو تو نہ ڈھکتے۔'' دل میں ٹیس اٹھنے لگی۔ رمنہ اپنے دل کی باتیں خود سے کہتی روبوٹ بنی اس کے سامنے بے حس حرکت بیٹھی رہی پھر ڈھیر سارے گجرے گلاب موتیا خریدتے ہوئے واپس گھر لوٹ آئے۔

''آج تم وہی شادی کا سوٹ پہن کر تیار ہو جاؤ میں دس منٹ میں آیا۔'' ہاتھ ہلاتا نیا حکم دیتا وہ گاڑی سمیت پھاٹک سے نکلا چلا گیا عمر عمیر سو چکے تھے۔ پوری کوٹھی نیند میں ڈوبی ہوئی تھی اور وہ خود کو میران کے لیے سجا سنوار کر اس کا انتظار کرنے لگی قدموں کی چاپ قریب آنے لگی تو اس کا دل پہلے دن کی طرح دھڑکنے لگا میران کمرے میں داخل ہوا اور وہ چونک گئی چونکنے کی ہی تو بات تھی۔ اس کو سجنے سنورنے کا کہہ کر وہ خود قبرستان چلا گیا تھا۔ اکشا کی قبر پر پھول چڑھا کر اگربتیاں جلا کر آیا تھا ڈھیر سارا پانی آ رکا اس کی آنکھوں میں ڈھیر سارے دیے کسی نے جلا کر پانی میں بہا دیے

تھے پلک پلک ان دیوں کی تپش تھی وہ رونا چاہتی تھی چلانا چاہتی تھی مگر وہ میران کے سامنے کچھ بھی نہ کر پائی۔

''میران جیسے لوگ تنہا کسی کے نہیں ہوتے نہ اپنے نہ کسی اپنے کے دل پکارا۔''

''محبت میں تھرڈ مین ان پر اتنا حاوی ہو گیا ہے کہ وہ بغیر اس پل اس سہارے کے محبت میں ایک پل نہیں چل سکتے ایک لفظ نہیں کہہ سکتے۔''

آئی لو یو، لو یو منہ۔'' میران مخمور لہجے میں کہے جا رہا تھا اور وہ بس گماں بنی یقین بننے کی جستجو میں سنے جا رہی تھی۔

''ہم ہر روز اکشا کی قبر پر دیا جلانے چلیں گے۔'' یکدم اس کی آنکھوں میں جھانگی وہ بولی۔

''یہاں اکشا کا کیا ذکر......!!'' اچانک حملہ پر میران جھنجھلا گیا۔ اس کے لہجے میں تیزی آ گئی اور اس کے سوال پر وہ اسے عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگی۔

''اوکے اوکے چلیں گے ہم۔'' میران نے اس کی نظروں کی بات جان کر جلدی سے کہا اور اسے اپنے حصار میں لے لیا اس کی آنکھیں جل تھل بن گئیں۔

ہانی غالب اس لمحے بڑی شدت سے اس کے دل کے ایوان میں گونجنے لگا محبت کو درد ثابت کرتے ہوئے ربط کے ٹوٹ جانے کا نوحہ سناتے ہوئے۔ اس کا اندر تک اس کی آواز کے گھائل پن سے زخم زخم ہو گیا۔

خراشیں، دراڑیں ہی دراڑیں تھیں اس میں سو اس نے اپنے آپ اپنے دل کے زخموں سے گھبرا کر ہر آواز سے پیچھا چھڑانے کے لیے خود کو پہلے زیادہ میران کی چاہ میں ڈبو دیا۔ اس میں ایک حشر برپا تھا کوئی تھا جو اس میں آنسو کی طرح اس کے دل کی پلک میں اٹک گیا تھا چلا رہا تھا رو رہا تھا۔

عنایت دیکھ کر اس کی محبت بانٹ لی ہم نے
کسی منزل کی چاہت میں مسافت بانٹ لی ہم نے

اکشا وہ اور میران تینوں ایک دوسرے کے لیے ضروری تھے۔ سو اس نے خود کو کسی منزل پر پہنچانے کے لیے آدھا بانٹ لیا محبت تقسیم کر دی تو اس میں قرار آ گیا اور وہ میران کے جذبوں میں پور پور ڈوب گئی۔

اور آج پورے پینتالیس برس ہو گئے اسے میران کے ہمراہ رہتے اس کی محبت و عنایت میں بھیگتے اور اکشا کی قبر پر دیا جلاتے میران پہلے اکشا کے نام کو چھپاتا تھا تو اس کی شخصیت پر اسرار بن گئی تھی اسے خود سے جدا کر گئی تھی مگر اب جب ان دونوں نے تھرڈ مین تھیوری مان لی تھی تو میران اسے واپس مل گیا تھا اب وہ جب کبھی اکشا کی قبر پر دیا جلانے جاتے ہیں تو عمر اور عمیر بھی ان کے ہمراہ ہوتے ہیں۔

''یہ کس کی قبر ہے ماما؟'' ایک بار عمر نے پوچھا تھا۔

''محبتیں لٹانے اور خالی رہ جانے والی ایک عورت کی ایک دوست تھی جو ہم سب کے دل میں رہتی ہے۔''

''اچھا ماما ہم بھی دیا جلائیں گے۔'' پہلے صرف ایک دیا تھا مگر عمر اور عمیر اپنی بیویوں سمیت اب ان کے ہمراہ دیا جلانے لگے ہیں دور سے

سبز رتوں کے لیے

''کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے، بہت لمبا سفر ہو اور تم...... صرف تم میرے ساتھ ہو پھر کتنے خار چبھیں، کتنے آبلے پھوٹیں میں، انہیں تمہاری آنکھوں کی چمک کے آگے ماند سمجھوں۔ بس ایک چاند چہرہ ہو جو میری راہ کو روشن کرے میں نور میں نہائے جاؤں ذرے سے آفتاب ہو جاؤں، ایسے لگے جو میرے اندر ہے، وہ میری آنکھوں سے جھلکتا ہے۔''

وہ چلتے چلتے رک گئی اور یہ طے تھا، اس کے رکنے کی وجہ سے اس کے کچھ قدم آگے چلنے والا شخص بھی ایک قدم اٹھانے کی سعی نہیں کر سکتا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ باندھ لینے والی زنجیر تھی۔ یہ بھی نہیں تھا کہ اس سے آگے چلنے والے قدموں نے سفر ہی نہیں بھوگا مگر اب...... بس اب کچھ قدم رکنے سے لگے تھے، عہد نہیں تھا دونوں میں مگر پھر بھی وہ دونوں جانتے تھے۔ انہیں ایک دوسرے کے دکھ سکھ بانٹنے ہیں۔

ہوتا ہے نا کبھی کبھی بہت اچانک کوئی آپ کو ملتا ہے تو آپ کو لگتا ہے۔ یہ تو آپ کے آنگن کی دھوپ تھی جو شام چرا لے گئی۔ یہ تو وہ بہار تھی جسے آپ کے نخل جاں پر پھول کھلانے تھے اور جسے وقت کا کوئی لمحہ خزاں بن کر کھا گیا تھا اور اب ایسے خزاں رسیدہ بیج سے ایک کونپل پھوٹی اور تناور درخت بن گئی۔ رات کتنی قیمتی ہو سکتی ہے، بس ان دونوں کو یہ معلوم تھا۔

''تم مسلسل اتنی دیر سے خاموش کیوں ہو عبیر......'' یکدم رکنے والے قدم ٹھہر گئے اور تب عبیر حسان نے مسکرا کر سامنے کھڑے شخص کو آنکھ بھر کر دیکھا۔ پانچ فٹ دس انچ کا شاندار بندہ اسے ہی ٹھہر کر دیکھ رہا تھا۔

''کیا ہوا! کیا تھک گئی ہو......؟'' اگلا سوال۔

اور اس کا دل چاہا، یہ ہونٹ ایک کے بعد ایک سوال اچھالتے رہیں اور وہ اس کی آواز کے رس سے اپنی سماعت کا پیالہ بھرتی رہے۔ کہیں شور نہ ہو پھر ایک آواز گونجے۔ ''میں ہوں نا تمہارا۔ پورے کا پورا تمہارا۔'' تو دل بس اس اقرار پر ہی مر جایا کرتا ہے اسے نہ اس سے پہلے جینے کی ہوک ہوتی ہے نہ اس لمحہ خوش آگیں کے بعد جینے کی ہوس۔ زندگی بس وہی لمحہ بن جایا کرتا ہے اور بس اس شخص کی محبت ہی اس کی زندگی تھی وہ سوچتی اور اسے پہلا مصرعہ بھول جایا کرتا۔

تو ملے تو زندگی نہ ملے تو موت۔

اور محبت قطرہ قطرہ زندگی بن کر اس میں گرنے لگتی، جیسے وجود کوئی صحرا ہو اور بھولا بھٹکا بادل قطرہ قطرہ دعا کے عوض خاک پر گرے۔ خاک ہو جائے پیاس پیاس پکارنے لگے۔

''تم واقعی تھک گئی ہو۔ ہے نا عبیر......؟'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر ایک بینچ پر بیٹھ گیا اور وہ بہت سی باتوں کی طرح اس لمحے کی کیفیت بھی اس

سے چھپا گئی۔

اس نے ملتے لبوں کو چاہت سے دیکھا۔ یہ آواز کتنی اپنی ہے۔ دل چاہتا ہی، یہ ہر لمحے میرے گرد چہکا کرے۔ ہر ساعت مجھے پکارا کرے مگر یہ دوستی پوری محبت بھی کرنے نہیں دیتی۔ حائل رہتی ہے ہمارے بیچ کیونکہ اس شخص کو لگتا ہے۔ دوستی محبت ہو جائے تو بہت دیر زندہ نہیں رہ سکے گی۔ دوستی میں کچھ وقت میسر ہوتا ہے جس میں ہم صرف محبت کرتے ہیں، محبت سے دکھ سکھ بانٹتے ہیں اگر ہم اکثر ملیں اور بہت دیر تلک تو شاید ہمارے اوپر کا ملمع اتر کر ہمیں اپنی صورتوں میں ایک دوسرے کے لیے ناقابل برداشت کر دے گا۔ ہمیں لگے گا، ہم نے ایک محبت جو کمائی تھی عمر دے کر، وہ محبت بس ایک پل، ایک لحہ میں گنوا دی پھر ہم ایک دوسرے کی آواز کو، دوستی کو ترستے رہیں گے۔ ساری زندگی بیسٹ کپل کا ٹیگ سینے پر لگائے، تنہائی میں ایک دوسرے کی سرد مہری سے لڑتے رہیں گے اور کبھی تھک کر ہار جائیں گے تو کہیں گے۔

''محبت بہت نازک جذبہ ہے، یہ ہر چیز پر مقدم ہونا چاہیے۔'' سعد سالک ہمیشہ ایسے جملوں سے اس کے خیالات کی شورش کے آگے بند باندھ دیا کرتا تھا، مگر اس لمحے بھی سعد سالک تھا جو کہہ رہا تھا۔

''تم بولو نا کچھ ایسا جس میں تم نظر آؤ۔ تم جھلکو۔''

''عبیر! کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ خاموشی تمہارا مزاج کب تھی۔'' اس نے اس کے ہاتھ تھامے، بہت چاہت سے پوچھا اور وہ مسکرا دی۔

اگر ایسے میں کہہ دوں میری سماعت کو صرف اس کی آواز سننے کی ہوس ہے تو۔ تو شاید اسے اچھو لگ جائے یہ ہنسے جائے بے اعتباری سے، بے یقینی سے۔

''پتا نہیں اسے ہر بات میں معنی ڈھونڈنے، مطلب نکالنے کی اتنی عادت کیوں ہے۔ یہ بظاہر یقین سے کہتا ہے مجھے تمہاری محبت پر اندھا یقین ہے مگر اس کی آنکھیں انکار ہی انکار بن کر، اس محبت پر کڑی تیوریوں سے دیکھا کرتی ہیں، کھوجتی ہیں، چھان پھٹک کرتی ہیں۔ پتا نہیں اسے کتنا گہرا دھوکا ملا ہے کہ اسے گہری محبت بھی تسکین نہیں دیتی۔''

''مجھے لگتا ہے اب تم مجھ سے بیزار ہو گئی ہو، ایسا تو نہیں میں تمہیں آہستہ آہستہ کھو رہا ہوں؟'' اس کے لہجے میں جنوں در آیا اور اس کی آنکھیں مسکرانے لگیں۔

''تمہیں کیوں لگا، تم نے آہستہ آہستہ مجھے گنوا دیا ہے۔''

''تمہاری آواز، تمہارے لہجے نے آہستہ آہستہ جب سے مجھ سے منہ موڑا ہے......'' اس نے بینچ سے ٹیک لگا کر شکوہ کیا۔

اس نے پورا چہرہ اس کی طرف موڑ لیا۔ شام چھانے لگی تھی اور اس کا چاند سامنے تھا، پھر وہ روشنی سے کیوں نہ جگمگاتی۔ اے محبت، تو کتنی بدذات ہے، پندار نفس کو توڑ پھوڑ کر فقیر کر دیتی ہے، ایک سکہ، اپنی چاہ کا ایک سکہ، کرن، جس پر جیون ہار دے۔''

''تم پہلی سی باتیں نہیں کرتیں......؟'' اس نے اس کا شانہ ہلایا اور وہ ہوش کی دنیا میں پلٹ آئی۔

''تمہیں بس یونہی لگتا ہے، ورنہ میں تو اب بھی ویسا ہی بولتی ہوں۔''

یہ اس کا خاموشی کے جنگل میں گم پہلا فقرہ تھا، جسے ہوا و فضا نے بیک وقت اچھالا، بہت سے لفظ روک کر، ان کہی دل میں چبھتی چھوڑ کر، کتنا عام سا فقرہ جس میں کچھ بھی نہیں تھا۔ اندر کی بے چینی تھی، نہ طلب، نہ کوئی آرزو کیونکہ وہ جانتی تھی یہ شخص جو گھنٹوں اس کے ساتھ وقت گزارنا چاہتا ہے۔ باتیں کرنا چاہتا ہے وہ اس کا نہیں ہے۔ کوئی ہے جو اس کا انتظار کرتی ہے جو اس کے نام پر بیٹھی ہے مگر یہ شخص اسے صرف ایک پڑاؤ سمجھتا ہی، جوگی منش یا کسی بنجارے کا پڑاؤ مگر جہاں آگ دہکی، جہاں آس جلی، جہاں رات نے نیند سے سپنے بنے، شگن اٹھائے، منت مانی اس پڑاؤ اس جگہ کا دکھ کون پائے اور بس یہ دکھ وہ پا گئی تھی۔ اس لیے چاہتی تھی وہ اس کا رہے اور چاہتی تھی وہ اس کو بانٹنے بھی نہیں، وہ اپنی خواہش اور کسی اور کی تمنا کے درمیان اٹک گئی تھی۔

محبت چھیننا نہیں سکھاتی مگر کوئی ہو، ایسا شخص جسے آپ دل سے چاہتے ہوں، تو جی کرتا ہے وہ وقت سے تقدیر سے اسے چرا لے، ایسے کہ کسی کو بھی خبر نہ ہونے پائے۔ لیکن ایسا ممکن نہیں تھا تب ہی اس کے اندر لفظ بن ادا ہوئے مرنے لگے تھے اور یہ سامنے بیٹھا شخص ہر روز اسے بولنے پر اکساتا تھا۔

''تم نے کوئی نئی نظم پڑھی عبیر!'' اس نے بہ وقت کوشش کے بعد اس کا من پسند موضوع چھیڑا اور وہ اس کی اس معصوم ادا پر ہنس پڑا۔

''یو چیٹر تم جانتے ہو نا شاعری مجھے کتنی عزیز تر ہے اس لیے مجھے اکساتے ہو'' آنکھیں اس پر جم گئیں اور لفظ لبجوں سے امنڈنے لگے۔

اک دن کوئی ایسا ہو

میں بھور سے اٹھوں

تو سامنے بیٹھا ہو

اک دن کوئی ایسا ہو

وہ سنا چکی اور وہ نظریں چرانے لگا۔

''میں ہر لمحے تمہارے ہمراہ ہوں، پھر بھی تمہاری حسرت نہیں جاتی۔'' اس نے ہنسی میں بات برابر کرنے کی کوشش کی اور وہ پلک جھپکائے بغیر اسے دیکھنے لگی۔

''اگر تم جان جاؤ تم میرے لیے کیا ہو، میں محبت کی کس منزل پر ہوں تو شاید تم اس محبت کی حدت سے ہی پگھل جاؤ۔ تمہارا وجود میری محبت کے آگے مٹ جائے اور تمہیں لگے تم نے محبت کو کس قدر نہ سمجھنے والوں کی طرح سمجھا اور کھو دیا۔''

''یہ تم ایک لفظ کہہ کر بہت سے ان کہے لفظوں کی تکرار میں کہاں گم ہو جاتی ہو۔''

''ارے نہیں تو میں تو بس ویسے ہی...... اچھا یہ سناؤ دائمہ کیسی ہے۔''

''وہ! ہاں وہ بالکل ٹھیک ہے۔ ممی بھی اچھی ہیں، پاپا بھی بہتر ہیں، خالہ ماموں، پھپھو، چچا سب خوش باش ہیں اور کچھ۔''

''ہاہاہا......'' وہ اس کی جھلاہٹ سے حظ اٹھانے لگی۔ وہ جانتا تھا وہ اب ہمیشہ کی طرح بات کو طول دینے کے لیے ایسے ہی جملے کہے گی

طویل اور بونگے جملے، جن میں وقت گھر جائے اور وہ اپنی کیفیت سنبھال لے۔

''تمہیں آخر میرے حسن سلوک سے اتنی چڑ کیوں ہے سعد کے بچے۔''

''صرف اس لیے کہ تم ان بے مصرف باتوں میں بس وقت ضائع کرتی ہو۔''

''اچھا جی تمہیں کیا لگتا ہے، ان باتوں کی جگہ مجھے کیا کہنا چاہیے۔؟''اس نے طرح دی اور وہ مسکرانے لگا۔

''کچھ اچھی باتیں جو زادِ راہ ہوں اور جن پر عمر گزاری جا سکے۔''

''تو کیا تم چھوڑ دو گے مجھے......'' وہ یکدم بے قراری سے اٹھ کھڑی ہوئی، وہ اسے آوازیں دیتا اس کے پیچھے دوڑا۔

''تم ایک دم سب تعلق ختم کیوں کر لیتی ہو، کوئی امید، آسرا بنے کیوں نہیں دیتی ہو۔''اس نے ہاتھ تھام کر اسے روکا اور وہ بے ترتیب ہوتی سانسوں کے ساتھ اسے دیکھنے لگی۔

اس کی جدائی کا خیال اس کی عمر کے توشہ خانے سے یونہی سانسیں چرانے لگتا تھا۔ وہ تیز تیز بہت ساری سانسیں جی لیتی تھی تا کہ اس لمحے سے پہلے مر جائے مگر ابھی سانسیں بہت ساری باقی تھیں اور لمحہ جدائی...... پتا نہیں سر پر کھڑا تھا یا بہت قرنوں صدیوں دور...... وہ ہاتھوں فاصلہ ناپنے کی کوشش کرتی اور آخری انچ سے پہلے یہ کوشش ترک کر دیتی اگر جو فاصلہ کم نکلا تو۔

سعد سالک کہتا تھا وہ ہر تعلق توڑ کر، ہر امید ہر آسرا چھوڑ دیتی تھی۔ لیکن یہ اس کا دل جانتا تھا وہ امید اور آسرے ہی پر تو جیتی تھی، باقی تھا ہی کیا اس کے پاس۔

''تم کسی دن مر جانا اس افراتفری میں......''اس نے اسے ڈانٹا اور منرل واٹر کی بوتل اس کی طرف بڑھائی۔

''مجھے پیاس نہیں ہے......''اس نے شکستگی سے کہا۔

اور وہ اس کے سر ہو گیا۔''خاموشی سے پی لو یہ پانی ورنہ ابھی مر جاؤ گی آپریشن ٹیبل تک جانے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔''

وہ اسے پانی کے ساتھ ٹیبلٹ بھی دے رہا تھا۔''تمہیں مرنے کا اتنا شوق کیوں ہے، آج یہ مجھے تم بتا ہی دو۔''

وہ نم آنکھوں سے اسے دیکھ کر گھاس پر بیٹھ گئی ایک لفظ نہیں بولی۔ حقیقتاً اس لمحے اس کو درد کا دورہ پڑا تھا اور وہ دوا کے بعد بہ وقت اس درد کو سہنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ اس کی نبض تھامے کھڑا تھا نگاہ گھڑی پر تھی۔

''پہلے سے ٹھیک ہو، زیادہ ڈرامہ مت کرو......'' وہ ہمیشہ اسے ایسے ہی ستایا کرتا تھا اور وہ ہنس پڑتی تھی۔

''ستانے پر جیسے تم کمربستہ رہتے ہو، میں تمہیں ستاؤں ایسے، تو تمہاری سانس رک جائے، جو انتظار میں جھیلتی ہوں تمہارا، تم ویسا ایک پل بھی گزار دو تو پھر وقت کا چکر بھی تمہیں یاد نہ رہے ہوش گنوا دو اپنے۔''

''ہوں اور ایسی باتیں مجھ سے عبث ہیں بھئی سیدھا سادا پریکٹیکل بندہ ہوں، دوا اور دو چار کرنے والا یہ سب میرے بس کی بات نہیں۔''

''یہ بس کی چیز نہیں ہوتی۔ یہ تو بس ایک لمحاتی کیفیت ہے محبت ہو، انتظار وہ، کچھ بھی ہو، اچانک گھر کے آتے بادل کی طرح آتے ہو، بھگو

جاتے ہو روح کو، پھر دھوپ میں جھلستے رہو، دوڑتے رہو، اس لمحے کے پیچھے ہاتھ نہیں آتا کچھ...... وہ اب نارمل ہو چکی تھی اس لیے لفظوں میں ترتیب در آئی تھی اور وہ اسے دیکھنے لگا تھا۔

''ایسی باتیں کیسے کر لیتی ہو۔ یہ باتیں کون کہتا ہے تم سے......'' وہ درخت سے ٹیک لگا کر کھڑا پوچھنے لگا تھا اور وہ اسے دیکھے جا رہی تھی۔

زندگی اگر آنکھ تھی تو اس کی آنکھ صرف انتظار کے سوا کچھ نہیں تھی، خواہش کی دہلیز پر سجی آنکھ، ایک ساعت محبوب کی صورت کے امرت سے جیتی اور ہجر کے سم سے مرتی آنکھ، ایک بار دیکھ کر، پھر ساری زندگی اسی منظر سے جی بہلاتی اسی منظر میں رنگ بھرتی آنکھ اس کے جی میں آیا کہے تم ہو۔ صرف تم جو لفظ بن کر اترتے ہو معنی دیتے ہو، مجھ پر محبت کی کیفیت بن کر چھاتے ہو تو اپنی سدھ بدھ ہی نہیں رہتی مگر وہ کچھ نہیں پائی مسکرانے کے سوا اور وہ چڑ گیا۔

''یہ تمہیں ہر وقت ہنسنے مسکرانے کے سوا کچھ نہیں سوجھتا؟''

''کیوں منہ بسورنے، رونے دھونے والی لڑکیوں سے عشق ہے کیا؟''

''بکواس نہیں......'' وہ تپ گیا۔ ماضی یاد دلاتا ہر جملہ اسے ایسے ہی تپا جاتا تھا۔

''جو لمحے ماضی ہو گئے، اس پر حال میں ہم بھی ڈسکس نہیں کریں گے یہ طے ہوا تھا......''

''ہاں۔'' لیکن حال میں یہ عمیر حسان کا کردار، یہ کیا ہوا۔ اسے کس خانے میں رکھو گے تم......؟''

سعد سالک لاجواب ہو گیا تھا، اور جب وہ دل سے لاجواب ہو کر کچھ دل کی کہنے سے خود کو مجبور پانے لگتا تو ہمیشہ واک آؤٹ کر جاتا تھا۔

''چلو، میں تمہیں تمہارے روم میں چھوڑ دوں۔ ہوا میں خنکی کتنی بڑھ گئی ہے۔'' اس نے ہاتھ تھاما اور قطعی سرد ٹھٹھرتی خاموشی کے ساتھ اس کے ہمراہ جانے لگی۔

''آپ کتنا لیٹ ہو گئی ہیں۔ میم ہاسپٹل میں وزیٹر آور ختم ہوئے بھی ایک گھنٹہ گزر گیا ہے، ڈاکٹر صاحب معائنے کے لئے آ کر جا چکے ہیں۔ آپ لیٹیے یہ دوا کھا لیجیے......''

اس نے مطمئن ہو کر سعد سالک کو دیکھا یہاں اُس کی کافی جان پہچان تھی، کچھ ڈاکٹرز اس کے دوست تھے اس لیے اتنی چھوٹ میسر تھی۔

''ٹھیک ہے پھر عمیرا! میں چکر لگاؤں گا......'' اس نے جان کنی سے اس منظر کو دیکھا۔

''میم دوا......'' نرس نے اس کا استغراق توڑ دیا۔ اس نے جھنجلا کر نرس کو دیکھا۔

دوا کھا کر وہ لیٹ گئی تھی، پھر صبح بہت عام سی تھی، مگر عدیل حسان کے سہارے چلتے پاپا کو دیکھ کر اس کا دل غم سے بھر گیا تھا۔

''کیسی ہے تمہاری طبیعت عمیر......؟''

''پہلے سے بہتر ہے پاپا!'' اس نے ہینڈسم سے پاپا میں کمزور پاپا کے وجود کو ابھرتے دیکھ کر دکھ سے جواب دیا، اور پاپا خاموش رہ گئے۔

''تم مجھ سے ابھی تک ناراض ہو عمیرا!'' ہولے سے ہاتھ کو چھوا اور وہ انہیں دیکھنے لگی۔

کسی شخص سے جب ہم ناراض ہوتے ہیں تو پھر بہت سی باتیں ہمارے جی میں ایسے اکٹھی ہو جاتی ہیں کہ ان میں سے پہلی بات کو الگ کرنا دشوار لگتا ہے۔ سب کچھ آپس میں ایسے گڈمڈ ہو جاتا ہے کہ ہمیں سوچنا پڑتا ہے پہلی بات کیا تھی، جس نے ہمیں اس شخص سے خفا کیا جس کے بعد ہم نے اس کی طرف جاتے قدموں اور دل کو مڑتے دیکھا۔ خود کو تنہا ہوتے پا کر بھی حرف احتجاج کرنے کی خواہش کو اپنے اندر پہلی سانس کے بعد مرتے محسوس کیا پہلی کون سی بات تھی جو آخری بات کے پلو سے جڑی تھی۔

پاپا کا ملٹی ملینیر ہونا؟

کامیابی پر مر مٹنا اور باقی سب کچھ بھول جانا۔

یا پھر؟ اب سب کچھ...... ہوتے ہوئے مضمحل کردار میں ڈھل جانا۔

وہ سوچنے لگی، دماغ کی رگیں پھٹنے سی لگی تھیں اور ای سی جی مانیٹر شور کرنے لگا تھا۔ یہی شور سن کر ڈاکٹر اور نرس اس کے کمرے میں دوڑے آئے تھے۔

''ریلیکس مس حسان ریلیکس! یہ آپ کے لیے اچھا نہیں ہے۔''

زندگی نے جب پہلی بار جینا شروع کیا تب سے میں سن رہی ہوں۔ یہ تمہارے لیے اچھا نہیں ہے وہ تمہارے لیے اچھا نہیں آخر ہماری زندگی کی خوشیوں کا گراف دوسرے کب تک بناتے رہیں گے۔ کب ہم میں اپنی قوت ہوگی کہ ہم کہہ سکیں۔ ہماری خوشی یہ ہے یہی اچھا ہے ہمارے جیون کے لیے۔ کب......؟ ڈاکٹر اسے انجکشن لگا رہے تھے اور وہ پاپا کے ڈوبتے ابھرتے عکس کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ شخص کبھی زندگی سے پیارا تھا مگر...... کم بخت دل اب اسے زندگی نام کی شئے سے چڑ ہے اسے ہر اس چیز سے نفرت ہے جو زندگی جیسی ہو۔ زندگی کی طرف لے جاتی ہو۔''

مگر وہ۔ سعد سالک پھر وہ کیا ہے......؟

دماغ نے سوال کیا اور اس نے نیند کی تھاہ میں ڈوبنے سے پہلے سوچا۔ ''شاید وہ زندگی نہیں ہے، وہ سامنے ہو تو زندگی کو اچھا کہنے کو دل کرتا ہے۔ وہ پوری زندگی نہیں ہے مگر مکمل زندگی جیسا لگتا ہے اور جب زندگی سے چڑ ہونے لگتی ہے تو یہ دل مکر جاتا ہے، وہ زندگی جیسا بھی ہے شاید میں زندگی کی ہر چیز چھوڑ سکتی ہوں، سب حوالوں سے مکر سکتی ہوں، مگر اس شخص کو چھوڑ دینا کتنا ناممکن ہے اور......'' دماغ مکمل خمار میں کھو گیا تھا تب ہی اس کی سوچوں نے اس سے رخصت چاہی۔

☆☆☆

میں نے انسان سے رابطہ رکھا

میں نے سیکھا نہیں نصابوں سے

''میں جانتا ہوں تمہارا طرز فکر، اسی لیے کہتا ہوں بدلو خود کو عمیر......''

اس نے لہک لہک کر شعر پڑھتے ہوئے ماحول کو یکسر فراموش کر دینے پر خود کو دل ہی دل میں لتاڑا۔

''آپ! آپ کب آئے پاپا......'' اس سے پہلے کہ طویل چارج شیٹ پڑھی جاتی اس نے پہلے ہی قدم پر پاپا کو روک لیا۔ گڈ گرل بننے کی کوشش کی۔ ایک ناکام سی کوشش! مگر پاپا وہ کب اس کے ان ہتھکنڈوں میں آتے تھے فوراً ایک تیز نظر ڈال کر اندر کی طرف بڑھ گئے اور اسے بے قراری لگ گئی۔

ایک پاپا اور عدیل یہی تو اس کی کل کائنات تھی اور کائنات کا محور سرک جائے تو سب کچھ تہہ و بالا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ عدیل کی غلطیوں اور عدیل اس کی خاص میدانوں میں کی گئی جانفشانی پر پردے ڈالتا رہتا مگر اس وقت عدیل دور دور تک موجود نہیں تھا اس لیے اسے اپنا معاملہ خود حل کرنا تھا۔

''آج آپ کچھ غصہ میں ہیں پاپا؟'' کوشش تھی کوئی معرکہ الآرا قسم کا سوال پوچھے گی مگر پاپا کا رعب و دبدبہ...... برا ہو اس کا زبان پھر پھسل گئی۔ پاپا نے اسے گھورا۔

''یہ تم کیٹ واک میں کب سے شریک ہونے لگی ہو؟''

''بے موت مرے......'' اس کی جان نکل گئی، کتنا کہا تھا عدیل حسان اور زریمان کو کہ کسی بھی صورت یہ کام ممکن نہیں، مگر اس لڑکے کو تو عشق نے ڈبو یا کھٹاک سے بولا تھا۔

''تمہارا نام قطعاً نہیں دیں گے بس تم خاموش کردار کی طرح آنا اسٹیج پر، دو چار راؤنڈ لینا اور تم تو جانتی ہو یہ قطعی چیریٹی شو ہے تمام تر کمائی زریمان کے ڈس ایبل چلڈرن ہوم کے بچوں کی فلاح و بہبود پر لگائی جائے گی۔'' اور بس اس نقطے کے بعد اس کی سوچنے سمجھنے کی ہر صلاحیت ختم ہو جاتی تھی یاد تھا تو اتنا کہ روز محشر ملنے والے تمغے مگر اب یہ پاپا کا سوال......

کیا جواب دے وہ یہاں۔

''پاپا! یہ شو قطعی چیریٹی شو ہے......''

''میں جانتا ہوں، اس چیریٹی کی ساری داستان......'' وہ رک کے پھر بہت زیادہ بھنا کر بولے۔

''یہ زریمان علوی کون ہے......؟''

''بچ گیا بینڈ عدیل حسان کا......'' دل نے نعرہ مارا اور وہ لفظ ڈھونڈنے لگی جس سے سجا بنا کر یہ حوالہ قابل قبول لگتا۔

''میں نے پوچھا ہے کون ہے یہ لڑکی...... کیا تم دونوں کم تھے کہ یہ لڑکی بھی...... اٹ از ٹو مچ۔ گاڈ...... وہ اس کی طرف سے پشت موڑ گئے۔

ظاہر تھا وہ زریمان پر اچھی خاصی ریسرچ کر چکے تھے۔

''یہ لڑکی بہزاد علوی کی بیٹی ہے نا۔ وہی جسے سچ بولنے کا ہوکا ہے اور جو آج بھی اس خناس میں مبتلا ہے کہ وہ سچ لکھ کر، چھاپ کر کوئی بہت

بڑا کارنامہ کر رہا ہے۔ عوام نے اس کے سینے پر تمغے لگانے ہیں یہ وہی ہے نا یوٹوپیا کے عشق میں مبتلا ایک بیمار شخص، جس کا آئیڈیلزم اس کی راہ کی دیوار بنا ہوا ہے۔ وہ خاموش ساکت کھڑی رہی۔ بہزاد علوی ایک نام تھا سچ کا۔ سب انہیں سچ کی تشریح کے طور پر لیتے تھے وہ خود ان کی مداح ہی نہیں، ان کو اپنا سینئر استاد سمجھتی تھی۔ اس کا خیال تھا۔ وہ تعلیم کی بعد عملی کام کے لیے بہزاد علوی کا اخبار ''حق'' جوائن کرے گی مگر اس کے پاپا

''تم نے چپ شاہ کا روزہ رکھ لیا ہے کیا......؟''

پاپا اس اس کی خاموشی سے چڑ گئے تھے، کیونکہ جب بھی وہ حد درجہ چڑ جاتے تو انہیں اپنی شریک حیات یاد آ جاتی تھیں اور یہ یاد قطعی دلبرانہ نہ ہوتی۔

''تم دونوں اپنی ماں پر گئے ہو، ویسے ہی حق دق، حیران پریشان کرنے والے۔ ساری زندگی اس نے مجھے کم ستایا تھا جو تم دونوں نے بھی......''

''پاپا! ماما ایک اچھی ہاؤس وائف تھیں......'' وہ پہلی بار بولی تھی اور وہ صوفے پر بیٹھ کر اسے گھورنے لگے تھے۔

''وہ ایک اچھی ہاؤس کیپر ضرور تھی۔ اچھی ہاؤس وائف نہیں بن سکی۔ میرا اور اس کا ہمیشہ یہی اختلاف رہا تھا۔ وہ سمجھتی تھی وقت پر کھانا دینا، گھر کا کام کرنا۔ بچے پال لینا ہی بس ایک اچھی بیوی ہونے کا ثبوت ہے۔ اس نے کبھی جاننے کی کوشش ہی نہیں کی کہ میرا دل کیا چاہتا ہے۔''

''آپ کی اور ماما کی شادی طے کیونکر ہوئی تھی پاپا......!'' وہ یکدم ہر مسئلہ بھول کر، اس کے مقابل آن بیٹھی تھی اور پاپا جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کا یہ موقع گنوانے کے موڈ میں نہیں تھے۔ اندر کی خلش، حالیہ خفگی سب نے مل کر انہیں آتش فشاں بنا دیا تھا۔ ان کا سانس تیز ہو گیا تھا اور وہ گرم لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''پتا نہیں یہ رشتے، تعلق انسان اپنی مرضی سے کیوں نہیں بنا سکتا۔ دوستیاں بنا لینا کس قدر آسان ہے مگر، یہ خون کے رشتے، انسان ان سے چاہے بھی تو منہ نہیں موڑ سکتا۔ توڑنا چاہے تو ان کی کسک ان کے اپنے ہونے کی عادت، ہمیں روک دیتی ہے۔ محبت میں انسان کتنا خود غرض ہو جاتا ہے۔ یہ محبت اس کے پیر کی زنجیر بنی رہتی ہے۔ میں محبت سے اسی لیے خار کھاتا ہوں، اس محبت نے ہر موقعہ، ہر ترقی کی راہ میں میرے قدم باندھے، میرے پر کاٹے۔

کیا یہ ضروری تھا کہ بابا کو سب کچھ چھوڑ کر خاندان بھر میں تمہاری ماں ہی پسند آتی بیک ورڈ ویمن جسے حجاب در حجاب میں چھپے رہنا پسند تھا۔ میں نے تمہاری ماں کو منگنی کے تین طویل سالوں میں ایک بار بھی نہیں دیکھا۔ میرا خیال تھا۔ لڑکیاں گاؤں کی ہوں شہر کی۔ سب کے اندر محبت ہی محبت ہوتی ہے۔ مگر تمہاری ماں، وہ واقعی عالم دین کی بیٹی نکلی......'' پاپا کا لہجہ تمسخرانہ ہو گیا تھا۔ وہ کلبلا گئی مگر پاپا کو اس لمحے اس کی پروا نہیں تھی وہ بہت روانی سے کہہ رہے تھے۔

''میں نے زندگی میں کبھی زندگی کا مزا نہیں لیا، تمہاری ماں کی راستی نے میری راہ میں رکاوٹیں ڈالیں۔ اس عورت سے ہر شخص خوش تھا میرے گھر کا سوائے میرے لیکن اس نے کبھی میرے دل کی نہیں جانی۔ میں نے کمپرومائز کر لیا اس پر مگر وہ عورت۔''

''پاپا! وہ میری ماں تھیں.....'' وہ بھڑک اٹھی اور پاپا کی آنکھوں میں بہت برسوں کا غصہ، چھلکنے لگا، گزرے بیتے ماہ وسال کا، پاپا کتنی دیر تک اسے دیکھتے رہے پھر خفگی سے بولے۔

''ہاں اسی پر تاسف ہے کہ وہ تمہاری ماں تھیں جب ہی تم دونوں۔ تم دونوں نے بھی میری جان جلا کر رکھی ہوئی ہے، بیٹا اتنا پڑھا لکھا ہے مگر اسے ترقی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے پتا نہیں کون سے گیان دھیان کی باتیں کرتا ہے ساری درویشی، ساری فقیری اس کے اور تمہارے حصے میں آ گئی ہے۔ تم اور وہ مل کر میرا دیوالیہ نکالو گے اور وہ تیسری لڑکی وہ میرے تابوت میں آخری کیل بننا چاہتی ہے مگر سن لو، میں قطعی تم لوگوں کو آزاد نہیں چھوڑ سکتا اس لیے میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔''

اس نے سانس روک لی۔ اس کا خیال تھا اس کا جرنلزم ادھورا رہ جائے گا۔ عدیل دھیان لگا کر فوٹوگرافی میں کوئی کام نہیں کر سکے گا اور سب چھوڑ کر دونوں کو پاپا کے بزنس میں ان کا ہاتھ بٹانا پڑے گا لیکن پاپا کی گمبھیر خاموشی۔

''میں آج تمہاری ثمینہ آنٹی سے ملا تھا۔''

''ثمینہ آنٹی.....؟'' اس نے دل کو کسی خشک پتے کی طرح لرزتا محسوس کیا۔

ثمینہ آفاق ان کی پرانی پڑوسی تھیں، جن پر وہ دونوں جی کھول کر تبصرے کیا کرتے تھے۔ اور ان سارے تبصروں کا لب لباب یہ ہوتا تھا کہ وہ آنٹی کم ممی زیادہ شو کرتی ہیں۔ ان کی توجہ کا مرکز وہ دونوں نہیں پاپا ہیں اور یہ بات ممی کی زندگی ہی میں کھل کر سامنے آ گئی تھی مگر ان کی ممی واقعی صبر کرنا جانتی تھیں اس لیے ایک ہی بات کہتی تھیں۔

''اس دہلیز کے بعد ہر اٹھنے والا قدم تمہارے پاپا کا اپنا قدم اپنی مرضی ہے، وہ جو چاہیں کریں جیسے چاہیں زندگی جئیں مگر وہ جب اس دہلیز سے اندر آ جاتے ہیں تو میں نے ان سے توقع رکھی ہے، ہمیشہ سے۔ وہ صرف میرے لیے ہوں گے ان پر اور کسی کا حق اختیار نہیں ہوگا اور تمہارے پاپا کیسے بھی ہوں۔ اس معاہدے کی کبھی خلاف ورزی نہیں کی اس لیے مجھے عام عورتوں کی طرح چیخنے چلانے سوال جواب کرنے کی بھی ضرورت نہیں محسوس ہوئی.....''

وہ ممی کا منہ دیکھتی رہ جاتی حیرت سے، اور اب یہ مقام تھا کہ وہ پاپا کا منہ دیکھ رہی تھی اسی حیرت سے، لیکن پاپا کے انداز میں ذرہ بھی فرق نہیں آیا تھا وہ اسی کروفر سے بیٹھے تھے اور اب اسے محسوس ہونے لگا تھا۔ پاپا اتنے ہذیان اور روانی سے اس کی ممی پر گوہر افشانی کیوں کر رہے تھے۔ ان کی آنکھیں بے حد سرخ تھیں اور چہرے کی حدت.....

وہ اٹھ کر ان کے قریب آ گئی ''آپ نے ڈرنک کی ہے پاپا؟'' یہ بات اسے خاک کر رہی تھی لیکن اس نے پھر بھی پوچھ لیا۔ پاپا نے چونک اسے دیکھا پھر اپنی حالت کو اور واک آؤٹ کر گئے۔

وہ حیرت اور دکھ کے اتھاہ سمندر میں ڈوبی رہ گئی۔ شاعری، کیٹ واک، ثواب دارین کمانے کی خواہش۔ سب کہیں اندر گم ہو گئی اور گھر ٹوٹنے کی فکر ہراساں کرنے لگی۔ ثمینہ آفاق احمد قطعی آزاد منش تھیں اپنی نیند سونا جاگنا دوست احباب، گیٹ ٹو گیدر بس یہی ان کی زندگی تھی اور اب یہ

زندگی کیا یہاں رنگ کھیلنے والی تھی۔ اسے زندگی میں شوخ رنگ کبھی پسند نہیں تھے۔ ممی کی عادت اور پسند وناپسند نے تو اسے یوں بھی زندگی میں دھیمے پن کا عادی کر دیا تھا، اتنا دھیما کہ وہ بعض اوقات اپنے حق کے لیے بھی لڑ نہیں پاتی تھی۔ عدیل کو اس کی جنگ لڑنی پڑتی تھی مگر یہ محاذ کون سنبھالنے والا تھا۔ اس نے سوچتے ہوئے اپنے کمرے کا ایکسٹینشن ریسیور اٹھایا مگر وہ پہلے ہی کسی کے لہجے سے لو دے رہا تھا۔

''پاپا......!'' وہ چند سیکنڈ ان کی گفتگو سن پائی پھر ریسیور رکھ کر اپنے بیڈ پر آ بیٹھی۔

''موبائل فون......اس نے اس سہولت کو اس سچویشن میں بے تحاشہ داد دی۔''

''عدیل واقعی عقل مند ہے......'' اس نے اس کی ذہانت کو سراہا موبائل کی اہمیت پر وہ اس سے بہت دنوں تک بحث کرتا رہا تھا پھر قبل اس کے کہ وہ اپنے آپ کو قطعی احمق قرار دیتی باہر ہارن سنائی دیا اس نے کمرے کی کھڑکی سے دیکھا واچ مین گیٹ کھول رہا تھا۔

وہ تیزی سے نیچے کی طرف دوڑی۔ عدیل اس کے چہرے کا ہراس دیکھ کر گھبرا گیا۔

''پاپا خیریت سے ہیں؟'' پہلا خوف دونوں کا ایک ہی تھا سو نوک زبان سے پھسل گیا اور وہ خاموشی سے اسے دیکھے گی۔

''کیا ہوا عبیر! گھر میں سب خیریت تو ہے؟''

عدیل! وہ پاپا، انہیں میرے کیٹ واک کا پتا چل گیا۔''

''ہیں......اوہ نو......'' وہ دھم سے صوفے پر بیٹھ گیا اور اس نے ہاتھ تھام لیا۔

''انہیں زریمان کا بھی پتا چل گیا ہے عدیل......'' نیا انکشاف، اس کی آنکھیں پھٹنے لگیں۔

''کیا آج کھانے کے بجائے انکشافات کی ڈشیں کھلاؤ گی۔ یار! کیا ہے بھوک کیوں مارنا چاہتی ہو۔ ویسے پاپا تک یہ سب باتیں پہنچائیں کس کالے چور نے ہیں''

عدیل حسان اب اصل ٹاپک پر آ رہا تھا اور وہ خود بھی چاہتی تھی، وہ اس کو آہستہ آہستہ جھٹکا دے تا کہ وہ اگلی خبر سہہ سکے۔

''اب بتا بھی چکو۔ کیا خاموش فلم کی ہیروئن بن رہی ہو۔''

وہ جھنجلا گیا تھا، سسپنس اس سے کبھی برداشت نہیں ہوتا تھا۔ اس نے گہری سانس لی پھر روانی سے بولی۔

''پاپا شادی کر رہے ہیں۔''

''اچھا یہ تو اچھی بات ہے تمہاری عمر کی لڑکیاں تو واقعی گھر اور پیا کو پیاری ہی ہونی چاہئیں اس میں اتنا بوکھلانے کی کیا ضرورت ہے......''

اس نے بات کو سمجھنے میں کم فہمی کا اظہار کیا اور وہ یکدم اب تک کا خوف دل شکستگی لہجے میں روک نہیں پائی۔

''پاپا خود اپنی شادی کر رہے ہیں، وہ ثمینہ آنٹی سے پاپا اور شادی......'' وہ رونے بھی لگی تھی اور عدیل حسان تسمے کھولتے کھولتے رک گیا تھا بے یقینی اور حیرت اس کی آنکھوں میں جم گئی تھی۔

''پاپا شادی کر رہے ہیں۔ پاپا......!'' وہ اب کھڑا ہو گیا تھا اور بے قراری سے ٹہلنے لگا تھا۔ پریشانی اس سے کبھی جذب نہیں ہوتی تھی۔

اس نے مڑ کر عبیر حسان کو دیکھا، جیسے دوبارہ خبر کی سچائی پر بحث کرنا چاہتا ہو۔ کسی جھوٹی خوش فہمی، اندھے مان پر، مگر وہاں گہرے ملال کی بات نقش ہوگئی تھی۔

''پاپا گھر پر ہیں......'' اس نے تصدیق چاہی، وہ چاہتی تھی انکار کر دے۔ عدیل کے تیور اچھے نہیں تھے مگر عدیل حسان اس کی آنکھیں پڑھ کر پاپا کے بیڈروم کی سمت بڑھ گیا تھا۔

وہ پیچھے بھاگی تھی پھر پاپا اور اس میں بہت دیر تک تلخ کلامی ہوئی تھی مگر پاپا اپنے فیصلے سے ایک انچ نہیں ہلے تھے بلکہ تیسرے دن ثمینہ آنٹی کو ثمینہ حسان بنا کر گھر لے آئے تھے۔ عبیر حسان......اس دن کمرہ بند کر کے خوب روئی تھی۔

''ماما چلی گئیں انہیں تقدیر نے چھین لیا لیکن پاپا۔ میں اس پر صبر کیسے کروں۔'' وہ رو رو کر پاگل ہوگئی تھی جب عدیل اور زریمان نے اسے سنبھالا تھا۔ زندگی بہت مشکلوں کے بعد واپس اپنی روٹین کی طرف لوٹی تھی۔ وہ اکثر گھر سے باہر زریمان کے اسٹوڈیو میں رہنے لگی تھی اور عدیل حسان اس کے رنگ ڈھنگ بدل گئے تھے زریمان روز اس سے عدیل حسان کی خیریت پوچھتی اور وہ اسے خاموشی سے دیکھتی رہتی۔

''بدل گیا تمہارا عدیل بھی بدل گیا، واقعی عورت جنت اور جہنم بنا سکتی ہے سب کچھ کر سکتی ہے سب کچھ۔'' زریمان دل سے دل کی کہی چھپا کر اس کی جھوٹی مصروفیات کی داستانیں سنانے لگتی اور وہ گھر میں ہونے والی تقریبات کی گنتی گن گن کر گھر میں ہونے والی تبدیلیوں کا گراف بناتی رہتی۔ عدیل حسان پہلے شوقیہ اسموکنگ کیا کرتا تھا مگر اب وہ چین اسموکر بن گیا تھا اور اب بڑے دھڑلے سے ڈرنک بھی کرنے لگا تھا۔ اس کے قدم بہت تیزی سے ویسٹرن میوزک پر تھرکنے لگے تھے اور اپر کلاس سوسائٹی کا حسن اس کے ایک ہاتھ کے اشارے پہ تھا۔ وہ اسے دیکھتی اور کمرہ بند کر کے چیخیں دباتی رہتی۔

''یہ ممی کا عدیل تو نہیں ہے اللہ سے محبت کرنے، اس کے حلال حرام کو قطعی خود پر لاگو رکھنے والا عدیل یہ تو بہت بدل گیا ہے۔ بالکل بدل گیا ہے۔'' وہ پاگل ہونے لگی تھی۔ جب بہزاد علوی نے اسے اپنے اخبار میں جاب کرنے کی آفر کی۔

''للی سمجھتی ہے تمہیں اس وقت بے تحاشہ مصروف رہنے کی ضرورت ہے، اندر کا فرسٹریشن باہر نہیں نکالو گی تو پاگل ہو جاؤ گی۔''

اس نے سرہلا کر اخبار جوائن کر لیا اور چپکے چپکے عدیل حسان کا شوق چرا لائی۔

''وہ جو اس کے اندر فنکار مر گیا ہے میں اسے زندہ رکھنا چاہتی ہوں۔ مجھے لگتا ہے اگر وہ زندہ ہوا تو کبھی نہ کبھی عدیل حسان کو ضرور پکارے گا۔ اس کا دل صرف بجھا ہے مرا نہیں ہے للی......''

وہ فوٹو گرافی کی تعلیم کے لیے باہر چلی گئی۔ دو سال بعد لوٹی تو زندگی میں ٹھہراؤ آ گیا تھا گھر میں ماحول بدل کر اپنا رنگ جما چکا تھا مگر اسے لگتا تھا جیسے وہ کسی اجنبی دیار میں آ گئی ہو اور یہاں کسی کو جانتی نہ ہو۔

''جان پہچان دکھ دیتی ہے، جسے جتنا اپنا سمجھو وہ اتنا گہرا دکھ بن جاتا ہی، یہاں کون ہے جو آپ کے دل کی کرتا ہے، ہر شخص اپنے من کی خوشی ڈھونڈتا ہے پھر اپنی خوشی میں کوئی اور کیسے یاد رہ سکتا ہے، سوا سے بھی سب تقریباً بھول گئے تھے اور ایسا حال وہ خود بھول جانا چاہتی تھی۔

عدیل حسان سے صرف دفتر جانے سے پہلے ملاقات رہ گئی تھی، اور رات گئے وہ اس کی پشت دیکھ پاتی تھی پھر دھیرے دھیرے اس نے سمجھنا شروع کر دیا اور واقعی اکیلی رہ گئی ہے۔

یہ زندگی میں پہلی بار ہوا تھا کہ اسے احساس ہوا کہ زندہ افراد ایک دوسرے کے لیے کیسے مر جاتے ہیں دل بس ایک ہلکی سی سانس بھرتا ہے۔ کراہتا ہے اور بس دھڑک کر رک جاتا ہے۔ زندگی میں سب کچھ ہوتا ہے بس زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ عمر کے نقشے میں وقت بھرنے والا وجود باقی رہتا ہے۔ سب کہتے ہیں۔ کیا زندہ انسان ہے، جینئس ایکسیلنٹ پرسنلٹی اور اندر کا خالی پن اس تعریف پر ہنسے جاتا ہنسے جاتا ہے اتنا کہ اپنی آنکھوں کی نمی خود اپنے ہونے سے مکر جاتی ہے، اس کی بھی یہی حالت تھی، دفتر اور فوٹو گرافی، نریمان سے دوستی اور عدیل حسان کے حوالے سے مربوط خوابوں کی ایک لمبی لسٹ نریمان اس کی باتیں سنتی رہتی اور اس کا کاجل پھیلے جاتا۔ کچھ دنوں وہ برداشت کرتی رہی۔ پھر ایک دن اس کے سر ہو گئی۔

''کیوں روتی ہو تم۔ مت رویا کرو عدیل جیسے انسان کے لیے۔ دیکھو میں بھی اسے بھول گئی ہوں۔''

''تم اسے بھول گئی ہو۔ مت جھوٹ بولا کرو عبیر! وہ میرا فیانسی ہے لیکن میں اس کے لیے سوچتی ہوں۔ گھنٹوں راتوں کو مجھے اسے سوچ کر نیند نہیں آتی میرے دامن میں وہ جو ہر روز آ کر آنسو بہاتا ہے وہ آنسو میرا رواں رواں جلاتے ہیں پھر تم۔ تم اس کی بہن ہو کر اسے کیسے بھول سکتی ہو......''

اس نے سر جھکا لیا اور وہ کہے گئی۔

''وہ جب میرے اسٹوڈیو کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، میرا نام پکارتا ہے تو مجھے لگتا ہے میں اس کی آواز سے مکر جاؤں گی، لیکن عبیر جب وہ کہتا ہے۔ لِلّی دروازہ کھولو۔ میں ہوں تمہارا، عدیل تو میں اس کے ہر فلرٹ کی داستان بھول جاتی ہوں۔ وہ آتا ہے اور جھک جاتا ہے۔ میری غلطیاں معاف کر و لِلّی! میں صرف تمہارا ہوں تو میرا دل چاہتا ہے، بشریٰ رحمان کے کردار کی طرح، میں بھی اسے ہزاروں بار دھوؤں، صاف کروں، اس کے وجود پر سے نادیدہ غلطیوں کی گرد جھاڑوں، اسے اتنے ہی یقین سے کہوں، ہاں تم میرے ہو، میرے لیے ہی ہو، جیسے میں تمہاری ہر غلطی پر نئی غلطی کے بعد بھی تمہاری محبت میں تمہاری ہوں عبیر! وہ کہتا ہے اسے صرف دنیا میں میرے وجود کا یقین ہے کہ وہ وہاں سے دھتکارا نہیں جا سکتا، پھر تم ہی بتاؤ، میں کیسے اس کا یہ مان توڑ دوں کیسے......''

اس نے نریمان کو دیکھا اور رونے لگی۔

''دنیا میں اگر تم نے نہ ہوتیں تو میرا عدیل کیا کرتا لِلّی! مگر مجھے ڈر لگتا ہے، کہیں تمہارے صبر ضبط کی طنابیں نہ ٹوٹ جائیں۔''

''محبت میں صبر و ضبط کی حد نہیں ہوتی عبیر!''

عبیر حسان نے اسے دیکھا اس کی بات سنی اور عدیل حسان کی طرح اس کے دامن میں غم چھپا لیا۔

''وہ کہتا ہے عبیر! میں اپنے پاپا کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتا۔ وہ کہتا ہے پاپا کو اکیلا چھوڑ دیا گیا تو ثمینہ آنٹی انہیں آفاق انکل کی طرح زندگی سے دور کریں گی۔ وہ کہتا ہے لِلّی! میرا دنیا میں عبیر اور پاپا کے سوا رشتوں کے معاملے میں کوئی حوالہ نہیں اور دونوں حوالے میری زندگی کا ڈائمو ہیں۔ میں کسی ایک سے بھی دستبردار نہیں ہو سکتا مگر لِلّی! عبیر میری یہ پرابلم نہیں سمجھتی، اس نے مجھے جیتے جی مار دیا ہے وہ خود کہہ چکی ہے میں۔ میں ممی کی طرح مر چکا ہوں اور......''

''میرے اللہ نہیں۔ میری زندگی اس کے نام مگر یہ نہیں۔'' بے ساختہ دل نے اس کے ادھورے جملے پر مناجات کی اور اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''عمیر! اپنے بھائی کی پرابلم سمجھو، جس طرح وہ اپنے پاپا کو اکیلا نہیں کرنا چاہتا، اسی طرح تم بھی اسے اکیلا ہونے سے روکو۔ عمیر! تمہارے پاس وہ میری امانت ہے کیا تم میری محبت میں میری اس قیمتی امانت کو سنبھال کر نہیں رکھ سکتیں۔''

اس نے سر ہلایا، کچھ کہا نہیں مگر ایک خاموش عہد باندھ کر گھر آ گئی۔

وہ واقعی کس قدر سرد مہر ہو گئی تھی، عدیل حسان اسے لگتا تھا اس نے ان چار سالوں میں اسے اتنا نظر انداز کر دیا ہے کہ اب شاید وہ اس سے بات کرنا چاہے بھی تو لفظ سرد مہری کے بکل میں دم سادھے کھڑے رہیں گے۔ وہ تو اب یہ بھی نہیں بتا سکتی کہ عدیل حسان ان چار سالوں میں خوشبو کون سی پسند کرنے لگا ہے۔ ڈریس میں اسے کیا پسند ہے فیورٹ کلر کیا ہے وہ آج بھی کافی اسٹرانگ لیتا ہے یا اس نے کافی بالکل چھوڑ دی ہے۔ زندگی نے اس لمحے اپنی کوتاہی بہت واضح شکل میں اس کے سامنے لا رکھی تھی، اس لیے وہ مصمم ارادہ کر کے گھر میں داخل ہو گئی۔

واچ مین گاڑی گیراج کی طرف لے گیا تھا وہ اپنا کینوس بیگ سنبھالتے ہوئے اندر کی طرف بڑھی، مگر تیسرے قدم پر اسے رک جانا پڑا تھا اسٹوڈیو کی لائٹس آن تھیں۔

''وہاں کون ہو سکتا ہے پاپا! تو ہرگز نہیں ہوں گے۔'' اس نے تیزی سے قدم بڑھائے۔ اسٹوڈیو ہاؤس کی سیڑھیوں پر وہ اس کا منتظر تھا۔

''چھوٹی! تم تو مجھ سے بھی اچھی فوٹوگرافر بن گئی ہو۔'' عدیل حسان نے ہاتھ تھام کر اسے سراہا اور وہ ایک ہی سانس میں چار سال کی دوری سمیٹ کر اس کے برابر جا کھڑی ہوئی۔ عدیل نے اس کو اپنے قریب کر لیا تھا یوں جیسے اتنے ماہ و سال کبھی ان کے درمیان ناراضی لے کر آئے ہی نہیں تھے۔

''تم نے میری ساری فوٹوگرافس دیکھ لیں۔''

''نہیں! ابھی میں نے صرف شروعات کی تھی کہ تمہاری گاڑی کا ہارن سن کر رک گیا۔ میں نے سوچا فن کار کو فن کی داد روبرو نہ دی تو فائدہ۔''

وہ ہنسنے لگی، کتنے دل سے ہنسی تھی۔ ''کیا ہمارا دل اندر سے زندہ رہتا ہے اور بس ہمیں دھوکے میں رکھتا ہے کہ وہ مر چکا ہے۔'' اس نے دل سے پوچھا، مگر جواب ندارد پا کر وہ آسودگی سے چلتی ہوئی اس کے ساتھ اندر کی طرف بڑھتی چلی گئی پھر وہ تھی اور ہر تصویر کی ایک کہانی۔

''میں نے فوٹوگرافی صرف اس لیے اپنائی تھی کہ یہ تمہارا شوق تھا، یہ تم تھے، تمہارے اچھے دن، اچھے خوابوں کی خواہش۔ تب میں نے سوچا، تمہارے خواب مرنے نہیں دینا چاہئیں۔ تمہارے اچھے دنوں کے لیے میں در بن گئی، مجھے یقین تھا تم بھی نہ کبھی لوٹو گے ضرور اور لوٹنے کے لیے گھر میں کوئی انتظار کرنے والا ہونا چاہیے اور وہ انتظار کرنے والی میں تھی۔'' عدیل حسان نے عمیر کو سینے سے بھینچ لیا تھا۔

''مجھے یقین تھا دنیا مجھے چھوڑ سکتی ہے لیکن للّی کی طرح تمہارا دل بھی بہت بڑا ہے، تم مجھے دھتکار نہیں سکتیں۔'' اس نے دیکھا اور کچھ دیر بعد سنجیدگی سے بولی۔

''چار سو بیس ہیں، آپ ورنہ جس یقین سے للّی سے حال دل کہہ سکتے تھے مجھ سے اپنا حال دل شیئر نہیں کر سکتے تھے۔عدیل اتم نے مجھے بہت ڈس ہارٹ کیا۔کیا میں تمہاری اچھی والی بہن نہیں تھی جو......''

''بکومت ایسا کچھ نہیں تھا، بس تمہاری انفرادیت اور تمہاری سوچ جانتا تھا اس لیے سوچتا تھا شاید میں تمہیں ہار چکا ہوں اور ہار جانے والے کب خوش قسمتی کا راستہ روکتے ہیں۔''

''بلف، عدیل کے بچے تم۔بہت باتیں کرنی آ گئی ہیں تمہیں مگر مجھے یقین ہے یہ للّی کا پیپر ہوگا ورنہ تم اور اتنے اچھے الفاظ امپاسبل......''

عدیل حسان نے کش کھینچ مارا۔وہ ہنسنے لگی۔

☆☆☆

زندگی پہلے کے مقابلے میں اچانک ہی بدل گئی۔ زندگی میں حیات کی ہلکی ہلکی رمق در آئی تھی۔ وہ نریمان کو اس برس رخصت کروا کر گھر لے آئی تھی۔ گھر میں اب سونا پن نہیں تھا، پارٹی کے وقت وہ دونوں اسٹوڈیو میں اٹھ آتیں، وہ کبھی ڈارک روم میں فلم دھونے میں مصروف ہوتی تو کبھی نریمان کے ساتھ کسی نئے پروجیکٹ پر کام کر رہی ہوتی۔ نریمان نے دکھی انسانیت کے لیے ایک تنظیم "تنظیم" کے نام سے شروع کر رکھی تھی جو پس ماندہ علاقوں میں خاموشی سے ترقی اور بہبود کے کام سرانجام دینے پر مامور تھی۔ عبیر نریمان کو اس سلسلے میں مدد دیتی تھی۔ اخبار کی وجہ سے اس کی بہت سے اداروں میں نہ صرف سنی جاتی تھی، بلکہ اندر تک دکھ کے اتر کر دکھ کی تھاہ لینے کی عادت نے بہت سے علاقے اور زندگیاں پوائنٹ آؤٹ کر لی تھیں ہوم ورک مکمل ہوتا تھا۔ نریمان کو صرف عمل کے گھوڑے دوڑانے پڑتے تھے پھر اسی میں بہت وقت بیتا کہ ایک فوٹو گرافک ایگزیبیشن میں اس کی ملاقات ایک شخص سے ہوئی اپنائیت اس کی آنکھوں میں تھی اور یہ آنکھیں کہیں دل میں کوئی راگ چھیڑنے لگی تھیں۔

"ہم پہلے کبھی نہیں ملے مگر اب مجھے لگتا ہے ہم اکثر ملیں گے....." اتنا شارپ اسٹائل وہ گومگو ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"آپ کون؟ میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" اس نے نہایت سہولت سے اسے کھوجنے کی سعی کی، اور وہ ہنسنے لگا (اور تب اسے لگا کچھ لوگ ہنستے ہوئے کس قدر اچھے لگتے ہیں) پھر اپنی جسارت پر ٹھہر کر گنگنایا۔

تمام عمر میرے ساتھ چلتے رہے
تجھے تلاشتے، تجھ کو پکارتے ہوئے دن
گرد باد تمنا میں گھومتے ہوئے دن
کہاں پہ جا کے رکیں گے، یہ بھاگتے ہوئے دن

"سوری۔ میں اس شاعرانہ جواب کو سمجھ نہیں سکی۔"

وہ جان کر صاف پہلو بچا گئی اور وہ اس کے سامنے ستون سے ٹک کر کھڑا ہو گیا۔ کچھ ساعت اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"حالانکہ تمہاری عمر کی لڑکیوں کو شاعری کی زبان ہی سوٹ کرتی ہے، سمجھ میں آتی ہے۔ تمہاری صنف تو ہوا سے نغمگی، آتے موسموں سے خواب، جاتے موسموں سے شکوے کرنے کی اتنی عادی ہوتی ہے کہ تمہارے اندر کا ابال صرف یہ شاعرانہ انداز سہہ سکتا ہے، تمہاری عمر میں تو لڑکیوں کا شاعری اوڑھنا بچھونا ہوتی ہے۔ سچ بتانا کیا تمہیں خواب دیکھنا اچھا نہیں لگتا؟" وہ ساکت اسے دیکھے گئی۔ یہ کون ہے۔ اسے میں پہلے نہیں جانتی، مگر اسے جاننے کی طلب ہے۔ اچانک جیسے پُرسکون لہروں میں کوئی تیز لہر آ کر، ملے سب کچھ اتھل پتھل ہو جائے۔

"تمہاری یہ تصویر بہت اچھی ہے۔ مجھے اس پر کبھی کی پڑھی ایک نظم یاد آ گئی۔ سناؤں۔"

وہ کہنا چاہتی کہ وہ بہت عدیم الفرصت ہے، مگر وہ کہہ نہیں سکی تھی اور وہ گنگنا رہا تھا۔

گڈو کو پھر مار پڑی تھی
اس نے مالک کے ٹومی کو

گھٹیا مکھن ڈال دیا تھا

اس دن بھوک ''ایتھوپیا'' کی

مجھ کو کتنی یاد آئی تھی

میری آنکھ بھی بھر آئی تھی۔

''سعد اللہ شاہ۔ بہت اچھا شاعر ہے۔'' دفعتاً اسے بھی یہ نظم یاد آ گئی اور اس کی نظر اپنی تصویر پر اٹک گئی۔ کھانے کے لیے کتوں سے جنگ کرتے دو بچے اور سامنے کھڑی کار میں بیٹھا تمسخرانہ نگاہ سے دیکھتا انسان۔

''آپ کا خیال ہے، یہ جنگ کون جیتا تھا؟''

''انسان ہار گیا تھا، بھوک جیت گئی تھی۔'' حلق تک میں تلخی در آئی تھی۔ اس کے، اور اس نے سرسراتے لہجے میں کہا تھا۔

''یہ شخص اس نے لڑتے بچوں کو کھانے کا لالچ دے کر آپس میں ان کتوں کی طرح لڑا دیا تھا۔ کہتا تھا جو جیتے گا۔ اسے پیٹ بھر کھانا ملے گا اور وہ معصوم مجھے..... نفرت ہے دولت کی اس تقسیم سے۔''

وہ بدمزہ ہو گئی تھی اور وہ قریب چلا آیا تھا۔ ''کیا آپ کامریڈ ہیں؟'' سوال اتنا اچانک تھا کہ وہ حیران رہ گئی۔

''آپ کو معلوم ہے روس ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور مزدور کا بیٹا کب کا خاک بسر ہوا۔ آہم۔ ویسے آپ مجھے کسی تھنک ٹینک کی تو نہیں لگتیں؟''

اس نے سوچا، واقعی جبران ٹھیک کہتا ہے۔ باتونیوں پر صرف گونگے ہی رشک کر سکتے ہیں اور خوش قسمتی سے وہ بولنا جانتی تھی اس لیے کیل کانٹے سے لیس اس کے سامنے آ گئی۔

''آپ کا خیال بالکل درست ہے۔ میں قطعی مذکورہ اسکول آف تھاٹ سے تعلق نہیں رکھتی، میرا نظریہ صرف وہی ہے جو میرے مذہب اسلام نے دیا ہے۔''

''یعنی آپ مذہبی ہیں، ویسے ابن صفی نے کہا تھا مشرق کی عورتیں مذہب پر عمل نہ کریں تب بھی پکی مذہبی ہوتی ہیں۔'' بات ایسی تھی کہ اسے پتنگے لگ گئے اس نے گھور کے دیکھا۔

''مشرق کے مرد کون سا عورتوں سے پیچھے ہیں مسٹر.....''

''میرا نام سعد سالک ہے۔'' تیزی سے رسم نبھائی اور اس نے بات دوبارہ جوڑی۔

مسٹر سعد! مشرق کے مرد بھی اسلام پر کٹ مرنے والے ضرور ہوتے ہیں، مگر اسلام پر عمل نہیں کرتے اور جہاں مشرق کی بیٹی کو زیر کرنا ہو وہاں مذہب کی اپنی ضرورت کے مطابق تشریح کرلاتے ہیں۔''

''آپ کا خیال ہے آپ کو اس مذہب نے دق کیا ہے.....؟'' وہ جانے کیوں اسے چھیڑ رہا تھا اور وہ دکھتی رگ پر ہاتھ رکھتا پا کر بحث میں

لگ گئی تھی۔

''قطعی نہیں۔ مجھے مذہب سے کوئی شکوہ نہیں، ہمیں جو آزادی، تحفظ، تقدس اس مذہب نے دیا۔ کہیں اور اس کی مثال نہیں ملتی۔ میں تو بس بعض معاملات میں مردوں کی انانیت کی طرف نشاندہی کرتی ہوں جہاں صرف اللہ کے احکامات کو اپنی سہولت اور حکمرانی کے لیے تشریح کیا جاتا ہے۔ ہمارے اسلام میں کسی معاملے میں سختی نہیں ہے۔ اس سے آپ کو انکار ہے۔

''رواداری اور محبت شفقت میرے خیال میں اس بحث کی برج لائن بن سکتے ہیں۔ اگر دونوں اصناف اس پر عمل کریں تو بہتیرے معاملات سدھارے جاسکتے ہیں۔ آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ اقبال بھی تو مذہب کی تشریح اپنی عینک سے کرنے والے ملاؤں سے چڑتے تھے وگرنہ کون نہیں جانتا۔ مذہب پر وہ کس قدر ہارڈ اسپوکن تھے.....''

اس نے سر ہلایا اور مسکرا کر آرٹ گیلری میں بنے چیمبر میں آ گئی۔ اسکی کافی تصویریں بک چکی تھیں۔ سعد سالک اس کے ٹیلنٹ کو سراہ رہا تھا اور وہ اس نمائش کے کرتا دھرتا مجید امجد کو دیکھ رہی تھی جو سعد سالک پر بہت ریشہ خطمی ہو رہے تھے۔

''مس حسان! اس سے ملیے یہ پاکستان میں کمپیوٹر کے ہارڈ ویئر امپورٹ کرنے کے بہت بڑے تاجر سعد سالک۔''

اس نے سرسری سا دیکھا۔ یہ اس کی شروع کی عادت تھی وہ کبھی شخصیت کو بینک بیلنس کے حساب کتاب سے نہیں دیکھا کرتی تھی۔ اس کا خیال تھا، انسان کی شخصیت اعمال و افعال ہیں، اگر کوئی شخص دولت کو چھوڑ دے اور اس کی شخصیت ایک مسخ اور بیمار ذہنیت کی عکاس ہے تو پھر وہ کچھ نہیں ہے اور اگر انسان کا کردار اعمال اچھے ہیں تو دولت ایسے افراد کی خوبصورتی میں چار چاند لگا دیتی ہے۔ دولت سے انسان خریدے جاسکتے ہیں۔ زمین اور شاید آسائشات بھی، مگر دولت دل نہیں خریدی جاسکتی۔ محبت نہیں خریدی جاسکتی اور وہ محبت کے قبیلے کی فرد کی تھی کیونکر دولت سے متاثر ہوتی۔

''شاید تمہیں میرا تعارف پسند نہیں آیا.....'' سعد سالک نے چائے کا سپ لیتے ہوئے اس کی توجہ کو اپنی طرف موڑا اور وہ دھیمے دھیمے مسکرائے گئی۔

''آپ غلط فہمی ہوئی مسٹر سعد! بات یہ نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے مجھے شخصیت میں عمل اور کردار بہت اپیل کرتا ہے۔ دولت یہ، تو آنی جانی چیز ہے۔ آپ ایک منٹ آنکھیں بند کریں اور بتائیں۔ اگر یہ دولت آپ سے چھین لی جائے تو آپ کے پاس کیا ہوگا جو آپ کی شخصیت کا مضبوط حوالہ بن سکے.....؟''

اس نے آنکھیں اس کے چہرے پر بند کیں اور غیر اختیاری طور پر اس کے ذہن میں دولت کے تصور میں اپنا بینک بیلنس کہیں نہیں آیا تھا۔

''اگر آپ سے یہ دولت چھین لی جائے تو آپ کی شخصیت کا مضبوط حوالہ.....'' اس سے آنکھیں کھولی نہیں گئیں، وہ تو کنگال ہو گیا تھا اس ایک لمحے میں۔ ہمیشہ دولت انسان کو خوشی نہیں دیتی۔ خوشی تو اندر کی چیز ہے کچھ بہت گہرا احساس۔ یہ لڑکی! کون ہے یہ لڑکی.....؟ اسے پوری چھتیس سالہ زندگی میں، میں نے نام کی حد تک نہیں جانا مگر آج ملا ہوں تو دل کرتا ہے یہ کہے جائے اور میرے اندر اس کے لفظ خوشبو بن کر کھلتے چلے جائیں، میرا نخل جاں بہار ہو جائے اور اس کے دل میں اگر محبت کا کچھ حصہ بچا ہو تو وہ مجھے مل جائے پتا نہیں سائل بن کر سوال کرنے کی دل کیوں.....ہو کنے لگا ہے۔ اس

نے یہ وقت آنکھیں کھوئی تھیں، وہ ابھی تک سوال اوڑھے کھڑی تھی کوئی مگر کوئی مگر کوئی لفظ، جواب نہیں تھا۔

وہ خاموش تھا اور یہ خاموشی اس کی جیت تھی اور آج پہلی بار دل چاہا تھا اس کا۔ ہاں اس کا جس نے ہمیشہ جیتنے کی خو رکھی تھی اس کا دل چاہا تھا کہ اگر جیت لینے والی آنکھیں اتنی ہی چمکیلی ہوتی ہیں ان کے چہرے اتنے ہی صبیح ہوتے ہیں تو ہار جانا کس قدر دلکش ہنر ہے۔ اپنی کیفیات اسے چھپانا دشوار لگنے لگا تھا، سو وہ خاموشی سے اٹھ گیا تھا پھر رفتہ رفتہ وہ جان کر، اس کے شام و سحر کا حساب رکھنے لگا تھا، پتا نہیں کیوں لیکن اب اسے سننا اسے تسکین دیتا تھا۔

''تم میری زندگی کی پہلی لڑکی نہیں ہو۔'' آج اس نے سچ کہنے کی ٹھانی تھی مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ ''تم نے سنا ہے میں نے تم سے کچھ کہا......''

''شاید یہ وہ بات ہے، جو میں بہت عرصے سے جانتی ہوں...... تمہاری آنکھیں بتاتی ہیں۔ انہوں نے بہت سے رنگ پیئے ہیں، یہ شفاف آئینے نہیں، ان میں برعکس آپس میں گڈمڈ ہے۔ سعد! جب تم میرا ہاتھ تھامتے ہو تو مجھے علم ہو جاتا ہے تم پہلی مرتبہ میرا ہاتھ نہیں تھام رہے۔ مجھے...... ہر ایسے لمحے لگتا ہے تم بہت سے لمس جو پیچھے چھوڑ آئے ہو، ان سے مکر کر اس تعلق کو بنانا چاہتے ہو اور ہمیشہ ہار جاتے ہو۔''

''شاید......'' وہ ہمیشہ اسے سو فیصد مارکس نہیں دیتا تھا، لیکن پھر بھی دل اس کے ہمراہ رہنے کو کرتا تھا، وہ دونوں اکثر جگہوں پر دیکھے جاتے تھے ان کا ساتھ ڈیٹنگ کارنر کے سوا کچھ نہیں تھا، وہ شام دفتر آف کرتی تو وہ باہر اس کا انتظار کر رہا ہوتا۔ وہ ہر روز سوچتی، وہ انکار کر دے گی مگر جب وہ فرنٹ ڈور کھولتا تو اس کی کشش اسے انکار نہیں کرنے دیتی۔ کوئی زنجیر تھی جو اسے باندھ لیتی تھی۔ سعد سالک سے پہلے کبھی اس نے خود کو ایسا مجبور نہیں پایا تھا۔ وہ کچھ نہیں سوچتی تب بھی لگتا، سعد سالک کو سوچے جا رہی ہے، اس کا عکس اس کے دل میں اولین نقش کی طرح تھا۔

''جبران بہت پیارا انسان تھا۔'' ایک روز اس نے کہا اور سعد سالک اسے گھورنے لگا۔

''کیا ہوا؟ میں نے کچھ برا کہہ دیا......؟'' وہ اٹھ کر قریب آ گیا پھر منمنایا۔

''تمہارے منہ سے صرف پیار میرے لیے ہونا چاہیے، یہ جبران کون ہوتا ہے......؟'' وہ ہنسے گئی بے تحاشا آنکھوں میں آنسو نکل آئے مگر وہ ہنستی رہی، دل جینے کی امنگ میں ہمکنے لگا تھا۔

''تم اکیا تم مجھ پر بہت اختیار رکھتے ہو۔'' اس نے پوچھا اور وہ چڑ گیا۔ ''کیا تم سے کبھی دشمنی اختیار کی جو تمہیں شک ہوا......''

''لیکن تم نے یہ بات کتنی سنجیدگی سے کہی ہے۔ میں کیا جانوں سچ کہو۔ کس کیٹیگری میں رکھتے ہو مجھے۔'' اس نے اسے نظر بھر کر دیکھا پھر جذب سے پکارا۔

جب آدمی کی ذات سے اٹھنے لگے یقین
میں دیکھتا ہوں اس کی طرف ایک بار پھر

''مگر میں تو آدمی نہیں لڑکی ہوں سعد کے بچے! مجھ پر کوئی شعر کہو۔'' وہ حظ لینے لگی اور اس نے اسے کاندھوں سے تھام لیا۔

''مجھے تم سے محبت ہے، میرے پاس کوئی دلیل نہیں۔ بس یہ دل تمہارے لیے مچلا ہے، تم ہی ہو اس کا مرکز محور۔''

''مگر محور کی گردش رک بھی سکتی ہے۔ اس نے اسے ڈرایا اور وہ بنا اثر لیے بولا۔

اسے وہ ہاتھ بڑھا کر، جب چاہتی چھو سکتی تھی، دیکھ سکتی تھی اور بس اس کی محبت کے دامن میں یہی خوشی۔ بے بہا تھی۔ وہ دونوں اب گارڈن میں ایک بینچ پر بیٹھ چکے تھے اور سوال دوسری بار کیا گیا تھا۔ سعد سالک نے اسے گمبھیرتا سے دیکھا تھا اور ہنس پڑا تھا۔

''ابھی کہہ رہی تھیں تمہیں ماضی سے کیا لینا، لیکن تم لڑکیوں کے اندر کا تجسس، یہ کبھی نہیں مرتا، تمہیں ہمیشہ یہ سوال کھائے جاتا ہی کہ تم جن آنکھوں میں صبح وشام کرتی ہو ان آنکھوں ان دلوں میں واقعی تم ہو بھی یا نہیں۔''

اس نے سنجیدگی سے اس کا تبصرہ سنا پھر گلا کھنکھار کے بولی۔ ''محبت شک اور امید وبیم کا نام ہی تو ہے سعد! کیونکہ یہ صرف ہم جانتے ہیں ہم اس کے سامنے کھڑے شخص کو چاہتے ہیں، مگر وہ ہمیں چاہتا ہے یا نہیں یہ سوال تو سدا ہر انسان۔ محبت کرنے والے ہر انسان کے سانس میں پل پل سانس لیتا، قد بڑھاتا رہتا ہے، تمہیں امجد کی ایک نظم کا کچھ حصہ سناؤں...... وہ ہمیشہ اس سے صرف یہ کہتی تھی اور اس کی ہاں ناں سے پہلے شروع ہو جاتی سو اس وقت بھی وہ مگن تھی۔

''کچھ ایسی بے سکونی ہے وفا کی سرزمینوں میں
کہ جو اہل محبت کو سدا بے چین رکھتی ہے
کہ جیسے پھول میں خوشبو کہ جیسے ہاتھ میں پارا
کہ جیسے شام کا تارا
محبت کرنے والے کی سحر میں رہتی ہے
گماں کے شاخچوں میں آشیاں بنتا ہے الفت کا
یہ عین وصل میں بھی ہجر کے خدشوں میں رہتی ہے
محبت کے مسافر زندگی جب کاٹ چکتے ہیں
تھکن کی کرچیاں چنتے، وفا کی اجرکیں پہنے
سمے کی راہگزر کی آخر سرحد پہ رکتے ہیں
تو کوئی ڈوبتی سانسوں کی ڈوری تھام کر دھیرے سے کہتا ہے
یہ سچ ہے نا......!
ہماری زندگی ایک دوسرے کے نام لکھی تھی

''سب منظور ہے ماردو، تباہ کردو، مگر جو کرو، صرف تم کرو تم......'' وہ اس کی ہتھیلیوں پر چہرہ جھکا کر دوزانو بیٹھا تھا، تب دل نے اچانک ہی اسے سنوارنے کی قسم کھائی تھی۔ کچھ چہرے ہوتے ہیں نا جنہیں صرف سنوارنے سجانے کو دل کرتا ہے اور سعد سالک کا چہرہ ایسا ہی روپ تھا۔ وہ اس کے ساتھ اپنی زندگی جینا بھول گئی تھی۔ وہ اس کی زندگی جی رہی تھی اور اسے ایسا کرنا اچھا لگتا تھا وقت بہت خوبصورت ہو گیا تھا جب اس نے چلتے چلتے مڑ کر اس سے پوچھا تھا۔

''تمہارے اندر محبت کب سانس لے کر جاگی تھی۔'' سعد سالک کی آنکھوں میں روح کھنچ آئی تھی، جیسے جیتے جیتے اسے کسی نے بلیک وارنٹ جاری کر دیا ہو۔

''اگر تمہارے لیے یہ سوال اذیت انگیز ہے تو تم مت بتاؤ۔ میں تمہارے ہر ماضی کی سچائی جان کر بھی اولین بہار کی صبح جیسا تمہیں چاہوں گی۔ میں یہ کبھی نہیں پوچھوں گی تم کب کب، کس کو کہاں اور کیسے ہو کر ملے، میں صرف یہ جانتی ہوں سعد! کہ تم اب مجھے ملے ہو میرے ہو کر، اور میرے لیے بس یہ لمحہ خوش کن ہے۔ مجھے تمہاری آنکھوں میں خواب اور تمہارے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھنے کی اتنی تمنا ہے کہ اس کے لیے اپنا جیون تک وار سکتی ہو......'' اس نے رک کر حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

''تم مجھے اتنا چاہنے لگی ہو...... تم مجھے اتنا مت چاہو عبیر! میں نہیں چاہتا کوئی دکھ تمہارا نصیب بنے......''

''تم سے مجھے کبھی کوئی دکھ نہیں مل سکتا۔ مجھے یقین ہے۔ تم میری زندگی کا سب سے دلنشین لہجہ اور سب سے اچھا وقت ہو۔''

وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا پھر گھبرا کر بولا ''تمہیں پتا ہے میں کسی کی زندگی کا انتظار ہوں۔''

''میں جانتی ہوں مگر پھر بھی مجھے صرف تمہارا انتظار کرنا اچھا لگتا ہے۔''

''دائمہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ شی از مائی فرسٹ کزن لیکن مجھے اس سے محبت نہیں ہو سکی۔''

''تم کیا ہمیشہ سے محبت میں اتنے خالی تھے سعد؟'' اس نے دائمہ پر ایک لفظ نہیں کہا، اس لمحے سعد سالک اس کے قریب تھا اور بس یہی احساس جاگتا تھا پھر کوئی ہجر کیسے ڈرواے دیتا، بچھڑ جانے یا کسی کے اپنے نہ ہونے کا گمان دل بدگمان کیوں۔

دھندلا سا جو آنکھوں کے قریب و دور پھیلا ہے۔

اسی کا نام چاہت ہے

تمہیں مجھ سے محبت ہے

تمہیں مجھ سے محبت ہے

محبت کی طبیعت میں

یہ کیسا بچپنا قدرت نے رکھا ہے

سو سعد سالک! یہ طبیعت کا بچپنا قدرت نے رکھا ہے اس لیے ہر خاکی وجود اسی تانے بانے میں الجھا ہوا ہے۔ ہم یہی کہتا ہے کیا واقعی تمہیں مجھ

سے محبت ہے؟"

سعد سالک نے مسکرا کر اس کے ہاتھ پکڑ لیے تھے۔

"مجھے تم سے محبت ہے بالکل ایسے ہی، جیسے اپنے آپ سے، مگر عبیر ہماری محبت اچھے دوستوں والی محبت ہونی چاہیے۔ ہم دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر، باتیں کر کے جو اچھا لگتا ہے، میں چاہتا ہوں ہم ساری زندگی ایک دوسرے کو دیکھ کر ایسے ہی مسرت سے مسکرائیں اور محبت سے دیکھیں۔

عبیر حسان کے دل میں اندر کچھ گرا تھا..... شاید کوئی خاموش بہت خاموش خواب، مگر اس شخص کے ساتھ رہنے کی تمنا اتنی طاقت ور تھی کہ وہ اس خواب کی ٹوٹی کرچیوں پر پیر رکھتی چلتی بنا لڑکھڑائے اس کے قریب پھر سے چلی آئی تھی۔

"دوستی، ہاں محبت میں اس کا بھی ایک مقام ہے۔" اس نے بہت سوچ کر جملہ ادا کیا، ورنہ ممی کی سوچ تو اس میں کچھ اور ہی کہہ رہی تھی۔ مذہب اسلام میں نامحرم رشتوں کی کہیں کسی حوالے سے جگہ نہیں ہے۔

تب اس نے بہت بے بسی سے ممی سے پوچھا۔ "اگر ہم تعلیم، کو ایجوکیشن میں حاصل کریں ممی تو پھر۔ آپ تو جانتی ہیں زندگی اور اس معاشرے میں ہمیں قدم قدم پر مردوں کے ساتھ چلنا پڑتا ہے چلنا پڑے گا پھر بھی کیا کوئی تعلق کی صورت نہیں؟"

ممی نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا اس کے بالوں کی چٹیا بناتے ہوئے کبھی ماضی میں کہا تھا۔

"اسلام اگر عورت کو نامحرم رشتوں سے دور رکھتا ہے تو یہ اس کی بھلائی ہے۔ عورت کو قرآن میں چیونٹی سے بھی زیادہ کمزور قرار دیا گیا ہے اللہ نے محرم رشتوں کو حکم کیا ہے۔ یہ تمہارے پاس امانت ہیں۔ ان کی حفاظت کرو، ان سے دلنشیں لہجے میں گفتگو مت کرو ان سے......"

ممی نے کہا تھا اور آج اس مرحلے پر کھڑی تھی تو اسے ممی کتنا درست لگ رہی تھیں۔

اگر وہ ان کی باتوں کو اپنے لیے لازم کر لیتی تو شاید یہ شخص اس کے دل میں سیندھ نہیں لگا سکتا۔ وہ اتنی مجبور نہ ہوتی کہ ایک نظر اس کی ایک نظر میں رہنے کے لیے اپنا دل ہار جاتی۔

"ہماری صنف واقعی کمزور ہے۔ چیونٹی جیسی کمزور اور محبت اس اسپائڈر ہوم۔ اللہ نے قرآن میں کہا بیت عنکبوت دلکش اور خوبصورت ہے۔ مگر سب سے کمزور گھر ہے اور یہی محبت تھی، بہت خوبصورت سب سے کمزور گھر، ملبے میں انسان تک دب جاتا ہے اور سانس تک نہیں لے پاتا۔ کہیں آہ نہ سسکی اور دل کا گھر چھوڑ دیتی ہے زندگی۔ آنکھیں دیکھنے کی ہوک میں سراب کی طرف دوڑتی ہیں۔ جانتی ہیں کہ سراب ہے مگر اندر کی پیاس چناب چناب پکار کر، دل کو دھوکے دیے چلی جاتی ہے۔ اتنا باندھ لیتی ہے کہ پھر سچائی دل کو راس ہوتی ہے نہ پسند آتی ہے۔

"تمہاری آنکھوں میں اس قدر نم۔" وہ اس کی سوچوں کے فاصلے سے اس سے نزدیک آ گیا۔

"میری آنکھوں میں نہیں، بس ہوا میں کچھ نمی ہے، تمہیں ایسے ہی دھوکا ہوا ہے۔ چلو، کہیں آئس کریم کھانے چلتے ہیں۔"

دل کی کہنی، روح کے دکھ، چھپا کر، آفری اور زندگی پھر سے رواں دواں ہوگئی۔

"ہر دکھ کی پہلی کسک۔ تکلیف دیتی ہے تڑپاتی ہے، وقت گزرتا ہے تو دھیرے دھیرے اس دکھ پر وقت کی گرد جمتی چلی جاتی ہے۔ ایسے کہ پھر ہمیں وہ دکھ پرانے دکھ کی طرح بھی یاد نہیں آتا اور ہم ہنستے ہیں کہ ہم اس دکھ پر زندگی حرام کرنے بیٹھ گئے تھے۔"

اس نے شاید خود کو تسلی دی۔ مگر شام گئے اپنے کمرے میں آئی تو ساحلوں کی ہوا کہیں دل کے اندر شور مچانے لگی۔ اس نے صفحے الٹے بے تحاشا، پھر ایک جگہ دم سادھے رک گئی۔ امجد کی شاعری اس کا حال دل تھی۔

نہ وعدہ ہے کوئی تم سے، کوئی رشتہ نبھانے کا

نہ کوئی اور سچا دل میں تہیہ یا ارادہ ہے

کئی دن سے مگر دل میں

عجیب الجھن سی رہتی ہے

نہ تم اس داستاں کے سرسری کردار ہو کوئی

نہ قصہ اتنا سادہ ہے

تعلق جو میں سمجھا تھا کہیں اس سے زیادہ ہے

"تعلق جو میں سمجھا تھا۔" اس نے دل ٹٹولا مگر جہاں دل تھا وہاں درد ہی درد تھا یہ پہلی شب تھی جب دل نے پیہم اس سے بغاوت کی تھی، وہ سب جانتی تھی۔ وہ کسی کی زندگی کا انتظار ہے، وہ سمجھتی تھی وہ اس کا نہیں ہوسکتا لیکن پھر بھی اس سے بات کرنے اس سے ملنے سے خود کو روک نہیں پائی۔ اس کا خیال تھا یہ سب کچھ دنوں کے کچھ عرصے کے ساتھ کے سوا کچھ نہیں، مگر بات یوں نہ تھی، یہ ساتھ تو قرنوں پرانا تھا۔ صدیوں پر پھیلا تھا۔

کبھی کا پڑھا کسی کا دکھ دل میں سرسرایا تھا

یہ عجیب میری محبتیں

یہ عجیب میرے غم والم

یہ نصیب سنگ سیاہ پر

یہ ورق ورق پہ گڑے قلم

یہ کڑا حصار نیا نہیں

میرا انتظار قدیم ہے

میرا اس سے پیار قدیم ہے

یہ عجیب میری محبتیں

مگر اسے اس سچ سے ہی مکر جانا تھا، کیونکہ سامنے والی کے لیے اس سچ کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اگر اہمیت تھی بھی تو اسے یہ سچ کوئی خوشی نہیں

دے سکتا تھا کیونکہ وہ کسی اور کی زندگی کا انتظار تھا۔

آج پہلی بار اسے اپنے ہاتھوں میں پھیلی لکیروں سے پرخاش ہوئی تھی، جو دل میں ہوں وہ ہاتھ کی لکیروں میں کہیں کیوں نہیں ہوتا۔ بے سبب وہ ٹیرس پر آ گئی۔ نظر آسمان پر ٹک گئی تھی۔ شکوہ نہیں تھا۔ آنکھ میں بس دعا تھی کاش...... اور اس کاش کے بعد ورق بالکل سادہ تھے۔

ٹرن ٹرن...... فون بیل سن کر وہ اندر آئی تھی دوسری طرف کوئی لڑکی تھی۔

''آپ کون ہیں محترمہ......؟''

''میں دائمہ ہوں سعد کی فیانسی......''

اندر دل کے کہیں عمیق حصے میں تیز ہوا نے پٹ زور سے بجائے تھے پتا نہیں کوئی آیا تھا یا بچ جانے والا یقین بھی چرا لے گیا تھا۔

''خیریت۔ مجھے تم نے کیسے یاد کر لیا......؟'' اپنے دل کے جذبات چھپا کر شگفتگی سے بولی اور اپنے غم اپنے اندر چھپا لینے کی اس کی یہ بہت پرانی عادت تھی۔

''میں نے سعد سے تمہارا نمبر لیا تھا۔ عبیر! میں آپ کو تم کہہ سکتی ہوں نا؟'' اس نے اجازت چاہی۔

وہ ہنسنے لگی۔ ''سعد سالک کی اتنی خاص ہو تم۔ تمہیں ہر حق ہے دائمہ......''

اور وہ اسے ضروری غیر ضروری باتوں میں الجھاتی چلی گئی تھی تو ملاقات کا وقت طے کرنے لگی۔ اس نے بنا کسی تردد کے دفتر سے پک کر لینے کا پروگرام بنا لیا، پھر ایک شام تھی، جب وہ اس کے سامنے بیٹھی تھی، اور کافی کے مگ بھاپ اڑا رہے تھے گلاس وال سے باہر کا منظر بے حد صاف اور اچھا تھا اور وہ کہہ رہی تھی۔

''تم میری زندگی کی خوشی دینے والی ہستی ہو عبیر! ورنہ مجھے لگتا تھا۔ میں کسی بت سے بیاہی جاؤں گی۔ اسے سب کچھ متوجہ کرتا تھا سوائے محبت کے۔ ایلیا اس کی زندگی کی وہ لڑکی تھی جس نے اس سے محبت چرائی اور تم وہ لڑکی ہو، جس نے اسے محبت کرنا سکھایا۔ وہ بہت روڈ ہو گیا تھا۔ اندر کا احساس شکست، مسترد کر دیے جانے نے اس سے نرمی، حلاوت سب چھین لی تھی ورنہ پہلے بھی انسان تھا۔ جو گھنٹوں شاعری پر بحث کرتا، مجھ سے جمالیات پر بات کرتا۔ میں ہمیشہ سنجیدہ رہتی تھی اور وہ مجھے طرح دینے کے لیے بحث کو سرسری لیتا اسے ہزاروں شعر زبانی یاد تھے۔ اسے بارشوں میں بھیگنا اچھا لگتا تھا۔ وہ لمبی ڈرائیو پر نکلتا تو موسم کو محسوس کرنے کے لیے میرے ہمراہ ہونے کو موسم کی خوبصورتی سے مشروط کر دیتا۔ وہ ہوتا۔ ڈھیر ساری باتیں ہوتیں اور میری ذات کا محور، وہ کہیں ہوتا کہیں رہتا۔ مجھے ہمیشہ یاد رکھتا پھر دھیرے دھیرے مجھے لگا۔ میرے اور اس کے بیچ کوئی تیسرا فرد آ گیا ہے۔ اس وقت ہم صرف اچھے کزن اور بچپن کے بہت اچھے دوست تھے مگر جب مجھے یہ احساس ہوا، تب اچانک اس نے منگنی پر زور ڈالنا شروع کر دی، میں نے پوچھا۔ ہمارا ایسا ارادہ تو تعلیم کے مکمل ہونے پر طے تھا۔ تو وہ بالکل سہمے ہوئے بچے کی طرح میرے قریب آ گیا۔

''مجھے تم سے کوئی چرا لے جائے گا دائمہ! مجھے صرف تمہارا رہنا اچھا لگتا ہے مگر یہ اندر کا دل یہ مرد کا دل سورج مکھی ہے۔ ہر سورج کو دیکھ کر پلٹنے لگتا ہے۔ میں عام مرد کی طرح نہیں لیکن پھر بھی ایک مکھ ہے جو مجھے بھی اس قطار میں لا کھڑا کرنے کے لیے کھینچ رہا ہے میں۔ بس میں اسی لیے چاہتا

ہوں تم مجھے باندھ لو۔ اپنی محبتوں اپنے نام سے۔ تاکہ مجھے ہمیشہ یاد رہے کہ مجھے تمہارے پاس لوٹ کر آنا ہے، میں تمہاری زندگی کا انتظار ہوں۔"

"میں نے کہا بھی، محبت مجبوری تو نہیں ہوتی۔ یہ دل میں واقعی ہو تو کوئی چہرہ، کوئی لہجہ آپ کو روک نہیں سکتا۔ اپنا آپ چرانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ ان کے قدم کبھی راستہ نہیں بھولتے، وہ کبھی مجبور نہیں ہوتے۔ محبت خود ان کے لیے کافی ہے۔ انہیں باندھ لینے کے لیے بہت ہے۔"

وہ بالکل ہراساں ہو گیا پھر پکارا۔

"دائمہ! میں نے کہا میں عام مرد نہ سہی، لیکن پھر بھی عام ہوں کچھ سچ ہوتے ہیں جنہیں ہم جان کر بھی رد کر دیتے ہیں، مگر جاتے ہیں خود سے۔ سو میں نہیں چاہتا میں محبت میں الزام لینے والا بنوں۔ میں تمہیں چاہتا ہوں، لیکن میری محبت تمہاری جیسی نہیں۔ جو یقین تم میں ہے، جو شدت تم میں ہے۔ مجھ میں نہیں اور بس میں یہ تمنا کرتا ہوں کہ تمہارے دل کی حرارت اور تمہارے دل کا یقین مجھے بھی مکمل کر دے، مگر اس کے قدم میری دہلیز بھول گئے تھے۔ وہ مجھ سے جھوٹ بولنے لگا تھا۔ بے ارادہ بلا ضرورت اور تب میں نے ایک دن اسے تھام لیا۔ اپنے آنچل کے کونے سے اس کی آنکھ کے تل میں "سوتن گوری" ڈھونڈ نکالی تھی۔ وہ خاموش رہ گیا تھا اور ہمیشہ چوری پکڑے جانے پر وہ ایسے ہی چپ رہ جاتا تھا پھر وہ دھیرے دھیرے مجھ سے کھوتا چلا گیا۔ وہ اور ایلیا اب اکثر ایک ساتھ دیکھے جاتے تھے۔ میں نے اپنا مان کھو دیا تھا کہ اچانک وہ چلا آیا۔ بت کی طرح ساکت۔ برف کی طرح یخ۔ اس کی آنکھوں میں سکوت جیسے جم گیا تھا۔ وہ چیخ اس کے وجود پر آنسو کا غم بن گئی تھی آنکھ کے تل کا غم بن گئی تھی۔

"ایلیا نے مجھے چھوڑ دیا، پتا نہیں مجھے یہ دکھ تم سے کہنا چاہیے بھی یا نہیں، لیکن مجھے اس غم میں تمہارے کاندھے کے سوا کوئی یاد نہیں آیا۔ میری آنکھوں کے نم نے تمہارے آنچل کے آسرے کو بہت مس کیا مرد کی انا میں نے بہت کچھ سنا پڑھا محسوس کیا ہے لیکن دائمہ! مجھے لگتا ہے محبت کے سامنے کوئی انا، کوئی بھید بھاؤ نہیں ہوتا۔ میں چلا آیا ہوں تمہارے پاس گو ویسا نہیں جیسا تمہاری دہلیز دل پار کرنے سے پہلے تھا مگر ٹوٹے بکھرے میرے وجود کو تم نے بھی ٹھکرا دیا تو تم میں اور دنیا میں کیا فرق ہوگا۔"

وہ کتنی ساعتوں بعد روانی سے بولا تھا، مگر اس کا دکھ سے وجود بکھر گیا تھا۔ میں نے اسے تھام لیا تھا لیکن عمیر! مجھے لگتا تھا جیسے کوئی خالی کاسہ تھا، اس کا وجود، اس میں صرف خاموشی کی کھنک تھی۔ میں نے اس کا دامن پھر سے اعتماد، محبت سے بھرنا چاہا مگر اس کا دل جو ایک چیخ کے بعد مر گیا تھا۔ منجمد ہو کر برف ہو گیا تھا اس میں۔ میں زندگی کی حرارت نہیں دوڑا سکی تھی۔ شاید اس لیے کہ مجھ میں اس کو پانے کی ہوس تھی اور اسے کوئی بے ریا محبت، ہر طلب سے پاک محبت ہی زندگی کا اسم پڑھ کر زندہ کر سکتی تھی اور مجھے کہنے دو۔ تم ہی ہو وہ محبت، سعد کہتا ہے عمیر وہ لڑکی ہے جس نے محبت پر مجھ سے شرطیں نہیں رکھیں۔ وہ اچھی دوست کی طرح میرے ہر خواب ہر خیال میں ساتھ رہتی ہے، مگر کبھی یہ نہیں کہتی۔ اس منظر میں مجھے بھی رکھو۔ مجھے بھی رنگ دو۔ وہ بس محبت کرتی ہے۔ اسے تو محبت کے بدلے محبت کی ہوس بھی نہیں۔ وہ کہتا ہے تم بس محبت کے نام پر محبت کرتی ہو اور یہی رویہ دے دینے کی عادت نے محبت پر اس کا ٹوٹا ہوا اعتماد بحال کیا ہے۔ عمیر! وہ بالکل ویسا ہو کر اب مجھے ملا ہے۔ جیسا میں نے اسے بہت سال پہلے کھویا تھا۔ بہت پہلے جب ایلیا کے بعد، ایک کے بعد ایک لڑکی کو فریب دیتے ہوئے اس نے اپنے دکھ کا پورا پورا بدلہ لیا تھا، مگر اب! اب وہ کہتا ہے۔ معاف کر دینا زندگی اور محبت کی پہلی سیڑھی ہے۔ مجھے تمہارے ہونے پر فخر ہے تم ہو تو محبت نے میرے در پر دستک دی عمیر! تم سعد کی طرح مجھے بھی عزیز تر ہو۔"

وہ ایسے دیکھے گئی۔ وہ خالی دامن کب تھی۔ وہ آنکھ بھی تھی مگر اس کی آنکھ کا نم شام کے رنگ میں ایسے ملتا کہ نکھر جاتا اور لوگ اپنے اپنے دکھ، آنسو اس کے دامن میں سمیٹ ڈالتے یوں جیسے کوئی کاسہ بدست فقیر جو دنیا کی ہوک بھر کے نکلے مانگ نہ سکے تو لوگ خالی کاسے میں خالی خولی شگن تسلی حوصلے کے سکے اچھالیں اور خالی دامن سے مکر جائیں کچھ لوگ صرف خالی دامن کیوں ہوتے ہیں؟

رات گئے وہ دائمہ کو بہت گرمجوشی سے رخصت کر کے لوٹی۔ نریمان سے اپنا غم چھپاتی کمرے میں آئی تو در و دیوار نے ایک ہی سوال کیا، تب بہت پہلے کی ڈائری میں ایک نظم جو کسی ضدی اور شکوے بھرے بچے کی طرح ثبت ہو گئی تھی۔ اطراف میں پھیرے لینے لگی۔

ایک ہجوم کا شور تھا اور وہ مرکز نگاہ بنی اپنی ذات کا وش سنا رہی تھی۔ آج ایک شور پھر سے تھا۔ شاید ماضی کے اس شور سے زیادہ بلند آہنگ اور شوریدہ مگر اس میں دل کی چیخیں زیادہ شمار و قطار میں تھیں اور عبیر حسان مدھر آواز میں سنا رہی تھی۔

ہم تو وہ لوگ ہیں
جو نہ کسی کے دست شمار میں ہیں
نہ کسی کی نگاہ کے حصار میں ہیں
یوں جیسے کوئی ہو صدیوں کا بے انت سفر
صحرا صحرا پھرتا کوئی خاب بسر
کیا پوچھتے ہو کون ہیں ہم
جان لو ہمیں تو تمہیں معلوم ہو
ہم تو وہ لوگ ہیں جیون دے کر بھی
کسی کے دل میں مسکن نہ بنا پائے
ایسے جیسے کوئی ایک مدھم سی کرن کسی روزن سے ابھرے
اندھیرے کی فصیلوں پر چڑھے
اور ڈوب جائے
جیسے ایک نا محسوس چبھن جو زندگی
کے سینے میں سدا دیر تک چبھتی ہی رہے
دل کی دھڑکن سے بغاوت کرے
اور دار چڑھے
کیا بتائیں کہ ہم کون تھے اور کیا ہیں اب

کہ ہم تو کسی یاد میں نہیں ہیں یار سے
کسی کی روح میں دھڑکتے ہوئے دلدار سے
ہم تو جگنو بھی نہیں کہ کسی کی آنکھ میں چمکتے
کسی کو سنوارتے
ہم تو آنسو کی طرح ہیں
آنکھ سے ٹپکے اور ڈوب گئے
گھر سے نکلے اور بے سمت مسافت میں
محبت کی آس میں دربدر پھرتے ہوئے
کسی بے نام شام کی نذر ہوئے
اک مسلسل اور دکھ راہ کا سفر ہوئے
اک مسلسل اور دکھ راہ کا......

دل کے درد سے روح شل ہو رہی تھی، وہ چیخنا چاہتی تھی۔ مگر اندر ہی اندر گھٹ کر رہ گئی تھی۔ دل کو سنبھالنے کی کوشش میں تھی کہ عدیل حسان نے اس کا دروازہ دستک کے بعد کھولا۔

اتنے دنوں بعد بلکہ بہت سارے موسموں کے بعد یہ اچانک پھر سے عدیل حسان کو میں کیسے یاد آ گئی۔ بہت پہلے وہ جو عدیل حسان اسے ایک شب ملا تھا۔ پہلے روز کی طرح حق جتاتا محبت کا مان رکھتا۔ وہ تو کسی صبح کی سپیدی میں ہی کھو گیا تھا، پھر جب پاپا مفلوج ہوئے، بزنس عدیل حسان کے ہاتھ آیا تو اس نے پاپا کا انلارجمنٹ ہونے میں زندگی محسوس کی۔ ثمینہ آنٹی کسی طوفان کی طرح پاپا کی بیماری کے بعد بہت کچھ بہا کر سمیٹ کر لے جا چکی تھیں، مگران کے جانے کے بعد بھی گھر پہلی ڈگر پر نہیں آ سکا تھا۔ نریمان عدیل کی ''تنظیم'' نامی تنظیم اب صرف کہانی کی بات تھی یا شاید وہ اب بھی زندہ تھی۔ مگر نریمان کا کردار اس میں کہانی کی بات لگنے لگا تھا۔ شروع شروع میں عدیل حسان نے اچھے دنوں کی طرح خود نریمان کو اس سلسلے میں سپورٹ کیا تھا مگر پھر دھیرے دھیرے وہ متکبر حاکم مرد بن گیا تھا۔ اسے اپنی بیوی صرف گھر میں اس کا انتظار ہوتی بھلی لگتی تھی۔ اس کا خیال تھا۔ حقوق نسواں کی ہر تنظیم ہر آواز جھوٹ کا پلندہ ہے۔ نریمان گھر بچانے کی خواہش بلکہ محبت بچانے کی خواہش میں اس کا یہ حکم مان گئی تھی۔ عدیل حسان نے اس کے لیے بھی ٹائم ٹیبل سیٹ کرنا چاہا تھا، مگر وہ اپنے اصول اپنے کسی حق سے دست بردار ہونے کے موڈ میں نہیں تھی۔ عدیل حسان نے موڈ دیکھ کر اس کی طرف سے خاموشی اوڑھ لی تھی بلکہ نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ ناشتے کی ٹیبل پر اگر اس سے کسی بات کسی کام سے مخاطب بھی ہوتی تو وہ غیر ضروری باتوں کو ضروری باتوں میں ملا کر اس کا لہجہ اس کی آواز گڈمڈ کر دیتا۔ وہ اس کی اس بچکانہ حرکت پر خوب ہنستی۔ نریمان اسے سنتی تو گھور کے اسے دیکھتی پھر کہتی۔

''وہ دن بھر جو کچھ کرتا ہے۔ رات کو اپنے ہر عمل کی تلافی کر دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے اگر محبت کا دل بھی وسیع ہوا تو ہم محبت کے مارے کہاں جائیں......''

وہ سنتی تو زیمان کو جھڑک دیتی پھر کہتی۔ ''وہ تمہیں صرف کنفیس باکس سمجھتا ہے۔ دن بھر کی غلطیاں خطائیں تمہارے سامنے کہہ کر وہ ہلکا ہو جاتا ہے، لیکن اس نے کبھی سوچا، نت نئی محبت کی داستانوں غلطیوں سے تمہارے اندر کتنے غم پتھر باندھ کر اتر جاتے ہیں۔ تم کیوں نہیں کہتی ہو۔ تم کوئی کلیسا نہیں، تم ایک ذات ہو، انسان ہو تمہارا دل اور تنہائی کنفیس باکس نہیں ہے زندہ دھڑکتا جیون ہے جسے ہر رات ہر روز ایک ایک سانس کر کے مار رہا ہے۔ وہ کب تک تمہیں آدھی سانس جیون جینے پر قائل اور مائل کرے گا تم کہہ کیوں نہیں دیتیں کہ یہ دھوکا یہ دکھ دان کرنے کی عادت ترک کر دے، آخر کب تک تم۔'' اور زیمان اس کے ہر لیکچر پر سر اٹھا کر اسے دکھ سے دیکھ کر چپ کی چپ رہ جاتی۔ کبھی دل کے ابال سے بے قرار ہو جاتی تو کہتی۔

''میں کیا کروں عبیر! ہر عورت مرد کا کنفیس باکس ہے، ہر مرد عورت کے دل کو گہرا سمندر سمجھتا ہے، اپنا پرایا ہر دکھ اس میں انڈیلتا رہتا ہے اور ہم عورتیں اس کے اس حسن ظن پر مرمٹتی ہیں۔ مٹتی چلی جاتی ہیں یہاں تک کہ باقی نہیں رہتیں سوائے مرد کی قائل محبت اور محبت کرنے کے جھوٹے زعم کے سوا کچھ نہیں ہوتا جو باقی رہ جائے مگر صدیوں سے چلنے والا یہ چکر آج بھی جاری ہے اور تا ابد جاری رہے گا۔''

''جاری رہے تو رہے مگر میں اس کا کوئی حصہ نہیں بنوں گی۔'' اس نے چڑ کر کہا تھا، لیکن آج وہ بھی کسی مرد کی جھوٹی محبت کے زعم اور مان پر ایک عام عورت کی طرح مرمٹی تھی، مٹتی چلی گئی تھی۔ آنسو آنکھوں میں جمنے سے لگے تھے کہ یہ عدیل حسان چلا آیا تھا۔

''مجھے میرے آنسو تو بہا لینے دیتے۔ کچھ دکھ تنہائی میں ہی رونے کا حق رکھتے ہیں۔ ذات کا بھرم رکھنے کے لیے انہیں خاموش چپ رات کے دامن میں انڈیل دینے میں ہی عافیت ہے ورنہ زندگی اور دکھ سے زیادہ دنیا جینا دشوار کر دیا کرتی ہے۔''

''آج تم ابھی تک سوئے نہیں کوئی کام تھا مجھ سے۔'' اس نے اسے بولنے کے لیے پلیٹ فارم دیا اور وہ جیسے چونک کر جاگ گیا۔

''سعد سالک سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟''

دل کا دکھ اور اس کی زبان، پتھر کھائے پر دوست نے پھول مارا تو تکلیف سے جان نکل گئی تھی مگر یہ دوست نما بھائی آج قطعی اجنبی تھا۔ اسے دل کی حالت کی کیا خبر ہوئی تھی۔ وہ سنبھلنے لگی تھی پھر سے۔

''ہم بہت اچھے دوست ہیں عدیل......!'' اس نے متوازن لہجہ اختیار کیا مگر عدیل حسان شعلہ جوالہ بن گیا۔

''تمہیں اپنی، میری یا پاپا کی کسی کی بھی پروا نہیں۔ تم جانتی ہو وہ کتنا بڑا فلرٹی ہے۔ اس کی شہرت اچھی نہیں۔''

''شاید ایسا ہو، مگر میں کلاس اور شہرت سے زیادہ یہ دیکھتی ہوں کہ سامنے والا مجھ سے کتنا مخلص ہے۔''

''مخلص اور تم سے عبیر! تم نے میرا سر شرم سے جھکا دیا ہے۔'' وہ تن فن کرتا کمرے میں ٹہلنے لگا تھا۔ تب اس کو اپنے اندر سے آواز نکالنا دوبھر لگنے لگا تھا۔ اعتبار کھونے لگے تو دل یونہی تڑپتا ہے مگر وہ یہ وار سہہ گئی تھی پھر سے پکاری۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے عدیل! جو تمہیں شرم سے سر جھکانے پر مجبور کرے۔ ہم اچھے دوست ہیں اور سعد سالک سے پہلے بھی میں

اس طرح کی زندگی گزارتی رہی ہوں۔ ہم دونوں کے فرینڈز میں میل اور فی میل دونوں شامل ہیں۔ یہ کوئی نئی بات تو نہیں۔"

"نئی بات نہیں ہے مگران دوستوں پر مجھے اعتبار تھا، لیکن اب مجھے سوچنا پڑ رہا ہے کہ شاید تم اس بے مہار آزادی کے قابل ہی نہیں تھیں۔"

"عدیل! تم سوچ سکتے ہو۔ تم کیا کہہ رہے ہو......؟" وہ یخ ہونے لگی تھی۔

اور وہ پھنکارا" جو کہہ رہا ہوں، اس عبارت کے ہر لفظ کی صحت پر یقین رکھتا ہوں۔ عمیر حسان! مجھے تمہاری دوستی اور تم پر اب اعتبار نہیں رہا۔ تم کسی عام لڑکی کی طرح میری آنکھوں میں دھول جھونکتی رہی ہو، اور میں تمہیں خاص سپر گرل سمجھتا تھا۔ مجھے فخر تھا۔ تم میری بہن ہو لیکن اب مجھے تم پر ایسا کوئی مان نہیں......"

اس کا لہجہ، انداز کسی کہانی کا ابتدائیہ تھے ورنہ محض کسی میل پرسن کے ساتھ گھومنا، ہوٹلنگ کرنا ان کی کلاس میں عام سی بات تھی۔

"آخر میں نے کیا کیا ہے......؟" اس نے سینے میں اٹکی برف ہوتی سانس کو تحریک دی اور وہ اس کے سامنے لفافہ ڈال کر چلا گیا تھا۔

وہ تیزی سے اس لفافے کی طرف جھپٹی تھی، پھر جو کچھ اس نے دیکھا۔ دل سے دعا نکلی تھی کہ ایسا کبھی دیکھنے کو نہ ملتا تو بینائی پر کتنا بڑا کرم ہوتا رب کا۔ سعد سالک کی اور اس کی ایسی نازیبا تصاویر۔ اسے ماضی کا لمحہ یاد آ گیا تھا جب چلتے چلتے اس کی کسی بات پر اس نے کہا تھا۔

"عمیر تم! تم میری ذات کے لیے دیوار گریہ ہو۔" تب وہ ہنس کر شرارت سے بولی تھی۔

"تمہیں معلوم ہے دیوار گریہ کہاں ہے اور کیا ہے......؟"

سعد سالک نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا تھا۔" میں جانتا ہوں اس لیے ہی تو کہتا ہوں تم میرے لیے دیوار گریہ ہو اسی کی طرح مقدس۔ اسی کی طرح مصفا، تمہارے سامنے اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنے لگتا ہے۔ روح کی کثافت کم ہوتی چلی جاتی ہے اتنی کم کہ معدوم لگتی ہے......" اس نے خاموشی میں لپٹے ہوئے اسے اس لمحے دیکھا تھا اور روح نے ہیکل میں دیوار گریہ سے اپنی ذات اور دل کی دیوار گریہ سے موازنہ کیا تھا اور محسوس کیا تھا دونوں کی سرزمین آنسو بونے اور دکھ سمیٹ لینے کا استعارہ تھی۔ دونوں کی فضا نم آلود تھی مگر یہ نمی...... اس نے پیشانی عرق آلود پائی تھی۔ نریمان بہت اچانک کمرے میں در آئی تھی، اس کا چہرہ اس کے چہرے سے زیادہ پیلا تھا۔

"تم ٹھیک تو ہونا عمیر؟ وہ عدیل کہہ رہے تھے، تمہیں میری ضرورت ہے...... کیا ہوا میری جان؟"

اس نے تصویریں تیزی سے سمیٹنے کی کوشش کی مگر نریمان نے وہ لمحہ پالیا تھا۔

"یہ...... یہ سعد سالک اور تم......؟" سوال تھا۔ بظاہر یہ سوال تھا لیکن اسے لگا وہ الزام دینے والوں کی قطار میں تھی۔ اس سے کچھ کہا نہیں جارہا تھا جب عدیل نے دورازہ پھر سے کھولا تھا۔

"اس لڑکی سے پوچھو، آخر یہ سب اس نے کیوں کیا؟ کیا یہی ہماری محبتوں کا صلہ ہے؟"

"یہ جھوٹ ہے عدیل! یہ بالکل جھوٹ ہے۔" اس نے آنکھوں میں آنکھیں ڈالنی چاہی تھیں، مگر آنکھوں کے گرد اندھیرا چھانے لگا تھا۔

"تم میری ذات کی دیوار گریہ ہو۔"

''اس سے پوچھو، اس نے یہ سب کیوں کیا؟''

''مجھے پہلے تم پر اور تمہارے دوستوں پر اعتبار تھا، مگر اب تم اس قابل نہیں ہو۔''

مختلف آوازیں تھیں جب وہ لڑکھڑائی تھی۔ عدیل کو اس نے حیرت سے چونکتے اور زریمان کو چیختے پایا تھا۔

''میری عمیر..... عمیر! کیا ہوا عمیر؟'' پھر کتنے پل گزرے بیتے اسے خبر نہیں ہوئی، آنکھ کھلی تو وہ آئی سی یو میں تھی اور زریمان سے خبر ہوئی تھی وہ پورے چار دن بے ہوش رہی تھی۔

''ڈاکٹرز کہتے تھے، بہت زبردست ہارٹ اٹیک تھا۔''

''کیا واقعی مجھ میں اس حادثے کے بعد دل بچا ہے۔ یہ جو وجود میں زندگی دوڑا رہا ہے، کیا یہ دل ہے یا دل کا واہمہ میرے اندر پتا نہیں کیا کچھ ٹوٹ کر بکھر گیا اور میں پھر بھی زندہ ہوں میرا دل پھر بھی دھڑک رہا ہے سینے کے اطراف درد نے پھر سے بے کل کر دیا تھا۔ ڈاکٹر اسے پھر سے ٹریٹمنٹ دینے لگے تھے۔

''ریلیکس کریں مس حسان! ہمارے لیے تو آپ کا بچ جانا معجزہ لگتا ہے۔ ایک لمحے تو ڈاکٹر ظفر کو یہی لگا تھا شاید آپ ایکسپائر ہو چکی ہیں مگر مدھم سی سانس نے ہمیں متوجہ کیا، پورے دو دن آپ کو انڈر آبزرویشن میں رکھنا پڑا تھا۔ سو پلیز آپ ہماری محنتوں کو ضائع مت کریں۔ خود کو سنبھالیں مس حسان! زندگی بہت قیمتی شے ہے۔''

''قیمتی شے......اور زندگی.....'' اسے ہنسی آنے لگی۔ ''کبھی کبھی یہ زندگی کتنی رائیگاں، کتنی ارزاں لگنے لگتی ہے۔ بے اعتبار ہو کر جینا پڑے تو جینا ہی کار دشوار لگتا ہے۔

وہ خاموش لیٹی ہوئی سوچ رہی تھی اور زریمان، عدیل حسان کی طرف سے اس سے سوری کر رہی تھی۔

''وہ تمہاری طبیعت کی خرابی سے بہت پریشان ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ دنیا میں صرف تم ایک ہی تو ان کی محبت کا حوالہ ہو۔ تمہیں کچھ ہو گیا تو......''

عدیل حسان۔ کیا اب بھی سمجھتا ہے، یہاں اس ویران ڈھنڈار دل میں کچھ بچ گیا ہے، یہاں میرا دل مر گیا ہے۔ میرے سینے میں میرا دل مر گیا ہے مگر کون اس کا ماتم کرے گا۔ کون اے اللہ میری برآت کوئی تو بھیج کوئی تو۔ آنسو تکیے پر بہنے لگے تھے۔ عدیل حسان کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔

وہ بت کی طرح اسے دیکھ رہی تھی، جیسے کوئی بہت تاریکی میں رکھی جانے والی آنکھ روشنی میں آ کر، اندھیرے سے دوستی کر لے۔ عدیل حسان، بہت کچھ کہہ رہا تھا مگر وہ سن نہیں رہی تھی۔ اب وہ قطعی ایک بے زندگی روح تھی۔ پاپا بھی اسے دیکھنے اسٹک کے سہارے کافی بار آ چکے تھے، دائمہ اور سعد سالک بھی مگر اسے کسی کی طرف دیکھنا اچھا نہیں لگ رہا تھا اور اس کے ڈاکٹرز اس کی رپورٹس دیکھ کر کہہ رہے تھے۔

''ہاسپٹل دیر سے پہنچنے کی وجہ سے اس کا دل 75٪ تباہ ہو چکا ہے ٹریٹمنٹ اور اچھا ماحول اس کے لیے زندگی کو طویل کر سکتا ہے۔'' عدیل، زریمان، دائمہ، سعد سالک سب نے مل کر اس کو زندگی کی طرف بلانا چاہا تھا مگر اڑتی پھرتی تصویریں اسے بے رنگ کر گئی تھیں۔

''سعد سالک! وہ کون ہے جس نے یوں کیا......؟'' اس نے بہت دقتوں سے سوال کیا۔ سعد سالک اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار

لاتے ہوئے ایک لڑکی کو ٹریس کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ سعد سالک اور وہ دونوں اسے دیکھ کر دنگ رہ گئے تھے۔

''تم ایلیا! تم نے یہ سب کیوں کیا؟'' سعد نے چیخ کر پوچھا اور وہ زمین آسمان ایک کر کے رونے لگی۔

''تم صرف میرے تھے۔ مجھ سے نفرت کرتے چاہے کتنی ہی شدید مگر تمہارے دل میں صرف میں تھی۔ تمہارے والٹ میں میری تصویر تھی کیونکہ تم مجھ سے ہر لمحہ نفرت کے احساس کو جلا دے کر محبت سے انتقام لیتے تھے تمہارے دل میں دائمہ بھی نہیں تھی اور کالج فیلو ہوتے ہوئے اس کی خوش قسمتی سے جلتے ہوئے میں نے جان کر تمہاری طرف سمت اختیار کی، مجھے محبت سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ میں تم سے صرف دائمہ کی محبت چھیننا چاہتی تھی۔ میں دائمہ کو شکست دینا چاہتی تھی مگر میں تمہاری محبت سے ہار گئی تھی، لیکن پھر بھی میں اپنے دل سے مکرتی چلی گئی۔ دائمہ سے حسد محبت کے سامنے سرنگوں ہو گیا تھا، وہ ہمیشہ ہر میدان میں اول رہتی تھی اور میں چاہتی تھی۔ وہ اب آخر بھی نہ رہے۔ سو میں نے تمہارے گرد جال بچھایا۔ تم سے تمہیں چرا لیا پھر تمہیں پانے کے بجائے تمہیں ٹھکرا دیا تاکہ تم کہیں بھی رہو، صرف میرے ہو کر رہو مگر یہ لڑکی اس نے میرے خواب کے رنگ چھین لیے۔ اس نے تمہیں زندہ کیا۔ ساحری سے آزاد کیا۔ اس نے تمہیں پورا کا پورا دائمہ کو لوٹا دیا۔ بس مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوا۔ میں دائمہ کو جیتے نہیں دیکھ سکتی۔ سو اس کی جیت کو ممکن کرنے والا ہر کردار میرا ناپسندیدہ کردار تھا میں نے دل کی تو کیا برا کیا......؟''

حسد محض حسد میں کوئی ایسا بھی کر سکتا ہے، سعد اور وہ اسے آنکھیں پھاڑے دیکھے جا رہے تھے۔ دائمہ عدیل حسان کو بھی اس منظر میں گھسیٹ لائی تھی۔ ساری غلط فہمی دور ہو چکی تھی۔ وہ لڑکی اب بھی زمین آسمان ایک کر کے رو رہی تھی۔ عمیر حسان کا دل چاہ رہا تھا۔ وہ بھی اس کے ساتھ ایسے ہی زمین آسمان ایک کر کے روئے۔ وہ اب گھٹنوں کے بل اس کے قریب بیٹھ گئی تھی۔

اس نے اس کے ہاتھ تھام لیے تھے، پھر روکھے لہجے میں پکاری تھی۔

''پیاری ایلیا! جو انسان، جو محبتیں ہمارے نصیب میں ہوں تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں ہم سے نہیں چھین سکتی۔ وہ ہمیں مل کر رہتی ہیں، جو انسان جو محبتیں ہمارے حصے کی نہ ہوں انہیں ساری دنیا مل کر بھی ہمارا کرنا چاہے تو ہمارا نہیں کر سکتی، تم یہ کیوں نہیں سمجھتیں۔''

ایلیا کی بھری بھری آنکھیں اس پر آن جمیں۔ ''ہاں یہ سچ ہے، مگر کتنا دل چاہتا ہے نا۔ کچھ لوگ۔ کچھ محبتیں صرف ہمارا نصیب بنیں تقدیر صرف ہمارے حق میں فیصلہ دے۔ صرف ہمارے حق میں......''

وہ رونے لگی تھی پھر اس نے اسے رونے دیا تھا اور باہر آ گئی تھی۔ عدیل حسان کار ڈرائیو کر رہا تھا تب اس نے فضا کو مخاطب کر کے کہا تھا۔

''کاش ہم لوگ کسی ناول کے کردار ہوتے۔ تو کوئی ہمارے من چاہے انجام لکھتا، ہمارے من چاہے انجام جس میں ہجر نہیں ہوتا۔ مسافت، بے انت مسافت سے کانٹے نہیں چبھتے، پیروں میں کوئی آبلہ نہیں پھوٹتا اور صرف خوشی مقدر ہوتی۔ کہانی کے آخری پیراگراف میں تقدیر سے بچ کر اپنی مرضی و منشا سے کوئی کہانی کار سب اچھا ہے، کا خواب بنتا درد نہ ہوتا۔ کوئی نہ دائمہ ہوتی نہ کوئی ایلیا، نہ سعد سالک نہ ہماری جو کم کی محبت۔ یہ محبت کتنی ظالم ہے نا عدیل۔!'' عدیل حسان بہت برسوں بعد کالج لائف والا عدیل حسان بن کر اسے دیکھے گیا تھا۔

''نریمان اور تم، میں اور کوئی اور ہم سب محبتوں میں دیوار گریہ کے سوا کچھ نہیں، جہاں محبت سر پٹخ پٹخ کر روتی ہے۔ محبت کی سرزمین پر

صرف دکھ کی فصل لگتی ہے۔صرف دکھ کی مگر محبت کے بیج بوکر ہر دل گلاب موسموں کی آبیاری کرتا ہے، جانے کیوں محبت ہر دل کو خوش فہم دھوکے میں رکھتی ہے، کسی اچھے اور ہر کہانی کے انجام سے، بہت مختلف انجام ہونے کے خواب دکھاتی ہے۔جانے کیوں یہ محبت......'' وہ کہہ گئی۔عدیل گاڑی ڈرائیو کرتا رہا۔وہ آج اسے بولنے دینا چاہتا تھا۔خاموشی اس کے اندر تک بھر گئی تھی۔

سعد سالک اب بھی اس سے اسی طرح ملتا تھا اور اسے ہمیشہ ایلیا یاد آ جاتی تھی۔

اس کی طبیعت پہلے سے خراب رہنے لگی تھی۔عدیل نے اسے ہاسپٹل میں داخل کر دیا تھا جہاں سعد سالک ہر روز اس سے ملنے آتا تھا اور وہ اب بھی کبھی کبھی ماضی کی عمیر حسان بن کر اس سے ملنا چاہتی تھی۔ملتی تھی مگر اس دل میں صرف دائمہ تھی اور وہ دیوار گریہ کے سوا کیا تھی۔

''جب دنیا میں مجھے کوئی اپنا نہیں دکھائی دیتا تو مجھے صرف تم دکھتی ہو۔میرا دل چاہتا ہے۔میں سارے آنسو تمہارے دامن میں بہا دوں۔ سارے آنسو''

اور وہ ہنس پڑتی تھی مگر آج سعد سالک کے جانے کے بعد اسے یہ جملہ بھی تسکین نہیں دے سکا تھا۔پتا نہیں کیا بات تھی جو وہ چھپا رہا تھا۔ اس نے جاگتے پر بہت سی باتیں سوچی تھیں مگر کسی بات کا سرا نہیں تھام سکی تھی، پھر ہاسپٹل سے گھر آئی تھی تو پتا چلا تھا۔ایک ہفتے سے جو اس کی غیر حاضری کو وہ مصروفیت پر محمول کر رہی تھی۔وہ امریکہ چلا گیا تھا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

اس نے سنا تو دل نے بہت خاموشی سے اس ہجر کو سہنے کی سعی کی تھی اور عدیل حسان کے گھر میں گونجتے معصوم قہقہوں سے دل کی نئے سرے سے آبیاری کی تھی پھر ایک مشاعرے کی غرض سے وہ امریکہ گئی تو ہال میں بیٹھے ہوئے اسے دیکھ کر اس کے دل نے پھر سے بغاوت کی تھی۔وہ محفل کے اختتام کے بعد چائے پی رہی تھی جب وہ اس کے قریب چلا آیا۔

''میرے جانے کے بعد تم نے مجھے کتنا یاد کیا؟''

وہ مسکرانے لگی'' پاگل ہو تم، یاد تو اسے کرتے ہیں، جسے ہم بھول جائیں۔''

''فرحت عباس شاہ۔تم آج بھی شاعری اسی حساب سے پڑھتی ہو۔''

''شاید۔تم سناؤ کیسے ہو۔دائمہ کیسی ہے۔''

''ٹھیک ہے،لیکن کبھی کبھی ایلیا کی طرح رونے لگتی ہے،زمین آسمان ایک کرکے۔وہ سمجھتی ہے۔میرے دل میں اب وہ نہیں۔تم ہی تم ہو۔''

''شاید اسی لیے ہی تم نے شفٹنگ کی تھی اور شاید اسی لیے دائمہ مجھ سے ملنے نہیں آتی تھی اور تم کہتے تھے، وہ بہت مصروف رہنے لگی ہے نبیل سعد میں۔کیسا ہے وہ؟تم پر گیا ہے یا......؟''

''وہ کسی پر نہیں گیا۔بس تمہاری آنکھوں پر چلا گیا ہے۔اس میں پتا نہیں تمہارا عکس کیوں چلا آیا، وہ بالکل تمہاری طرح میری پروا کرتا ہے۔''

''اس کی ذات میں تم نے پھر ڈھونڈ لی دیوار گریہ۔''

''ہاں شاید......'' وہ نظریں چرانے لگا اور وہ نم لہجے میں پکاری۔

''سعد سالک! تمہیں پتا ہے آنسو پونچھنے والے آنچل کے ساتھ رونے والی آنکھ بھی ہوتی ہے، مگر محبت کرنے والا ہر دل آنچل یاد رکھتا ہے۔ آنکھ کو آنسو بہانے...... کے لیے تنہا چھوڑ دیتا ہے۔ کاش سعد سالک میں کہانی کار ہوتی تو اپنا انجام بہت خوش کن لکھتی تمہیں وہ شام یاد ہے اور وہ نظم جو تم نے سن کر مجھ سے نظر چرائی تھی۔'' وہ پھر گنگنائی تھی۔

اک دن کوئی ایسا ہو

میں بھور سے اٹھوں

تو سامنے بیٹھا ہو

اک دن کوئی ایسا ہو

سعد سالک آج بھی نظریں چرا رہا تھا۔ وہ غم آلود نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے عبیر! ہم پھر ملیں گے۔''

تب اس کے دل نے کہا تھا۔

''نہیں سعد سالک! شاید اب ہم کبھی نہیں ملیں گے۔'' اور دل نے بغاوت کے سارے ریکارڈ توڑ دیئے تھے۔ بہت دقتوں سے چھپائے احساس محرومی، چھن جانے کے تم نے اسے پھر سے اسی مقام پر لا کھڑا کیا تھا جہاں سے سعد سالک کے کردار نے کہانی سے رخصت چاہی تھی۔

عدیل حسان، نریمان عدیل اس کی بیماری کا سن کر دوڑے ہوئے امریکہ آئے تھے اور وہ ہاسپٹل میں تھی مصنوعی تنفس سے اصل زندگی جینے کی سعی کرتی ہوئی۔

اس سے سعد ٹھنڈے یخ کوریڈور میں کھڑا آپریشن روم کو تک رہا تھا۔ پہلے کے بائی پاس آپریشن پیس میکر لگائے جانے کے بعد ڈاکٹر پھر سے اس پر اپنی مہارت آزما رہے تھے۔ شاید نیا پیس میکر۔

''کاش ملتے دل وجاں اور تو بازار ہستی سے خرید لاتے۔'' کوئی غم کی پکار بن کر، دل کے اندر گونجا تھا اور ڈاکٹر ادھورے آپریشن سے ہی واپس لوٹا لائے تھے وجود، سفید چادر اور بند آنکھیں۔

''اگر یہ آنکھیں آخری لمحے تمہیں نہ دیکھ سکیں تب بھی یقین رکھنا، ان میں آخری عکس تمہارا ہی تھا کہ میری بینائی تم تھے۔''

ایک بار طبیعت کی بے پناہ خرابی میں اعصابی طور پر کمزور لمحے میں وہ دل کی کہانی کہہ گئی تھی اور وہ ساکت اسے کتنی دیر دیکھتا رہا تھا۔ اس نے بے ساختہ پھسل جانے والے لفظوں کے بعد ہونٹ بھینچ لیے، مگر آج یہ ہونٹ کھلے بغیر یوں ہی ساکت رہے تھے۔ جیسے اس لمحے کے آگے ابھی تک سر بمہر اڑے پڑے تھے۔

عدیل حسان، نریمان چیخ چیخ کر اسے رو رہے تھے اور وہ خاموش اسے دیکھے جا رہا تھا پھر اس نے الٹے قدم اٹھائے تھے۔ اس کے بے جان وجود کے اقرار سے انکار کرتے ہوئے کہ لفٹ سے اترتے دائمہ اور نبیل کو دیکھ کر، وہ جم سا گیا۔

''تم یہاں......کیسے......؟'' سوال بے حد بے ربط تھا۔

''عمیر زندہ ہے یا......؟'' دائمہ کا لہجہ تشکیک بھرا تھا۔

''وہ مر چکی ہے......''

دل نے پوچھا۔ کیا وہ واقعی مر چکی ہے تو آنکھوں نے ضبط کی انتہا کر دی۔ اس نے ایک آنسو نہیں بہایا اور دائمہ پرائے خوف کو لے کر چلائی۔

''وہ مری نہیں ہے، وہ زندہ ہے۔ میں تمہارے دل میں......کہیں نہیں ہوں۔ یہاں صرف عمیر حسان ہے۔''

''عمیر حسان مر چکی ہے۔ یقین کرو، وہ واقعی مر چکی ہے۔''

دائمہ خاموش ہوگئی تھی، مگر اس کی آنکھوں میں بے اعتباری تھی اور عدیل حسان تھا اس کی ڈیڈ باڈی کو لے جانے کے انتظامات کرواتے ہوئے بالکل بت ہو گیا تھا۔ برسوں پہلے کا منظر اس میں چیخ رہا تھا۔ وہ کہیں قریب بیٹھی کہہ رہی تھی۔

''کاش ہم لوگ کسی ناول کے کردار ہوتے تو کوئی ہمارے من چاہے انجام لکھتا۔ ہمارے من چاہے انجام جس میں ہجر نہیں ہوتا۔ جس میں صرف محبت رنگ کھیلتی اور صرف خوشی مقدر ہوتی، کہانی کے آخری پیراگراف میں تقدیر سے بچ کر، اپنی مرضی و منشاء سے کوئی کہانی کار''سب اچھا ہے'' کا خواب بنتا، ورنہ ہوتا۔ کوئی دائمہ ہوتی نہ کوئی ایلیا نہ سعد سالک نہ ہمارے جو کھم محبت۔

''زیمان اور تم، میں اور کوئی اور ہم سب محبت میں دیوار گریہ کے سوا کچھ نہیں۔ جہاں محبت سر پٹخ پٹخ کر روتی ہے۔ لیکن یہ پھر بھی ہر دل کو خوش فہم دھوکے میں رکھتی ہے۔ کسی اچھے اور ہر کہانی کے انجام سے بہت مختلف انجام کے خواب دکھاتی ہے جانے کیوں۔''

اس کا تابوت جہاز میں رکھا جا رہا تھا۔ سعد سالک دائمہ کے ساتھ کھڑا تھا۔ نبیل اس کے بائیں کھڑا تھا، مگر آج پتا نہیں کیوں دل چاہا تھا وہ کہے، گنگنائے۔

اک دن ایسا ہو

میں بھور سے سو کر اٹھوں

تو سامنے بیٹھا ہو

تو سامنے بیٹھا ہو یہی خواب میرا بھی تھا۔ بچھڑنے سے پہلے میں سمجھا ہی نہیں۔ مجھے تم نے دائمہ کی محبت نہیں، اپنی محبت سوغات کی تھی۔ یہاں تم دھڑک رہی تھیں اور میں سمجھتا رہا۔ دائمہ ہے۔

''اچھا سعد! پھر ملیں گے۔'' عدیل حسان اس کے سینے سے لگا تو ایلیا کی طرح آج زمین آسمان ایک کر کے رویا تھا وہ اور دل نے ہواؤں سے پوچھا تھا۔

''کیا برسوں بعد میں، اس سرزمین پر لوٹوں تو کیا عمیر نام کی کوئی لڑکی میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ میں سمجھتا رہا میں کسی اور کی زندگی کا انتظار ہوں اور دو آنکھیں انتظار جھیلتے جھیلتے پتھرا گئیں۔ مر گئیں۔ کیا کوئی اسم ہوگا۔ جس سے میں وہ آنکھیں پھر سے خوابوں سے رچی دیکھوں گا، کیا کسی کا دامن میرے آنسو پونچھے گا۔ کیا اب بھی وہاں کوئی لڑکی بہت ساری شاعری کے ساتھ گنگناتی ہوگی۔''

جہاز نے رن وے چھوڑ دیا تھا۔نظر جہاز میں متاع جاں سمیٹ کر لے جاتے وقت سے پلٹ کر دائمہ کے چہرے پر آن رکی تھی۔

''وہ خواب تھی۔یہ حقیقت ہے۔انتظار جو میری قسمت بنا۔ایلیا کی قسمت ہوا جس انتظار نے عُمیر کی خواب آنکھوں میں ریت بھر دی۔کیا یہ انتظار دائمہ کے وجود کو بھی کھا جائے گا۔''

وہ خواب تھی یا حقیقت، جب آگ لگی ہو تو انسان سب سے قیمتی چیز پہلے بچاتا ہے اور دائمہ کے دل میں قیمتی چیز محبت تھی۔کسی ایک کے دل کی محبت تو راکھ ہونے سے بچائی جا سکتی تھی۔سو وہ یہ کشت کیوں نہ کرتا۔اس نے دائمہ کو یقین و اعتماد سے بازوؤں کی حصار میں لے لیا تھا۔

''تم محبت ہو۔صرف کنفیس باکس نہیں، ہم دونوں مل کر محبت کو محبت سے سنواریں گے تاکہ کچھ نم آنکھوں میں گلاب کھل سکیں، سبز رتیں ڈیرا ڈالیں۔''

دائمہ نے نمکین پانیوں بھری آنکھوں سے اس کے یقین پر اعتماد اور اعتبار سے سر جھکا دیا اور محبت جھک جانے ہی کا تو نام ہے۔

[ختم شد]